ماہنامہ
حنا
جولائی 2014
WWW.PAKSOCIETY.COM
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انشاء نامہ

انٹرویو

ناولٹ

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

افسانے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،

monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! جولائی 2014ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

جب یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا تو رمضان المبارک کے مقدس مہینے کا آغاز ہو چکا ہوگا اور آپ اس کی رحمتوں سے بہرہ مند ہو رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم پر روزے فرض کر دیے گئے جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔ یہ وہ صفت ہے جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے کہ بندہ اللہ کی خاطر ہر ناپسندیدہ کام سے رک جائے۔ روزے کی حالت میں ہم کھانے سے اس لئے رک جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تقاضا کیا ہے۔ خواہش کے باوجود نہ کھایا نہ پیا، وسائل موجود تھے، ان پر اختیار بھی تھا مگر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر ہم نے اپنا ہاتھ روکے رکھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے اندر قوت ارادی موجود ہے کہ ہم ان کاموں سے رک جائیں جو اللہ کو ناپسند ہیں اور ان کاموں کو کریں جو اللہ کو محبوب ہیں۔ یہ احساس کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ جب پروان چڑھتا ہے تو ہم پرہیزگار بنتے ہیں، یہی رمضان کا مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ماہ رمضان کی برکات سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

عید نمبر:۔ اگست کا شمارہ "عید نمبر" ہوگا عید نمبر میں عید کے اشعار، مہندی کے ڈیزائن، عید کے پکوان اور دوسری تحریریں عید کی مناسبت سے ہوں گی۔ مصنفین سے درخواست ہے کہ وہ عید نمبر کے لئے اپنی تحریریں جلد از جلد بھجوا دیں تاکہ عید نمبر میں جگہ پا سکیں۔

عید سروے:۔ عید کی آمد سے پہلے عید کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں، مہندی، چوڑیاں، نت نئے لباس، گھر کی آرائش و زیبائش اور مزے دار چٹ پٹے پکوان، آپ بھی ہر سال عید کے موقع پر خصوصی اہتمام کرتی ہوں گی۔ اس بار آپ نے عید کے موقع پر جو خصوصی اہتمام اپنے لئے اور اپنے دوست احباب کے لئے کیے ہیں ان کی تفصیل ہمیں لکھ کر بھجوائیں، مصنفین کے ساتھ قارئین بھی اس سلسلے میں لکھ کر بھجوا سکتے ہیں، اپنے جوابات اس طرح ہمیں بھجوائیں کہ 20 جولائی تک ہمیں موصول ہو جائیں۔

اس شمارے میں:۔ ایک دن حنا کے ساتھ میں مہمان ہیں فرح طاہر قریشی۔ اس کے ساتھ ساتھ قرۃ العین خرم ہاشمی اور رافعہ اعجاز کے مکمل ناول، سندس جبیں کا ناولٹ، قرۃ العین رائے، خالدہ نثار، مبشرہ ناز، حیا بخاری، شازیہ خان اور کنول ریاض کے افسانے، سدرۃ المنتہیٰ اور ام مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

ہم نے اس قوت موہوم کو دیکھا نہ سنا
ہم نے اس گوہر نادیدہ کو پرکھا نہ چنا

اک سواری۔ کہ شناسانہ تھی گھر پہ اتری
اک تجلی تھی کہ تہذیب نظر پہ اتری

جلوے دیکھے جو کبھی شامل ایماں بھی نہ تھے
اور ہم ایسے تن آساں تھے کہ حیران بھی نہ تھے

دل کی آغوش میں اک نور دھمکتا آیا
ایک لمحہ کئی صدیوں پہ چمکتا آیا

وہم و تشکیک سے الہام شعاری نہ رکی
شب سے شہزادہ خاور کی سواری نہ رکی

پتھروں کے صدف تیرہ سے ہیرے ابھرے
بے کراں موج سے جزیرے ابھرے

نعت رسول مقبولﷺ

اسلام کو دنیا میں ملی شان تمہی سے
بندے کو خدا کی ملی پہچان تمہی سے

آیا جو کبھی زیست میں دشوار سا لمحہ
مشکل ہوئی اک آن میں آسان تمہی سے

دھرتی پہ جہاں بھی ہیں کہیں اولیا اللہ
یزداں کا ملا ہے انہیں عرفان تمہی سے

ہر پھول کے چہرے پہ ترے حسن کا جلوہ
کلیوں کو ملی نکہت و مسکان تمہی سے

اس جگہ میں جہاں یاس کے چھائے ہیں اندھیرے
جینے کا ملا ہے وہاں سامان تمہی سے

میں اور وفا کا کوئی مفہوم نہ جانوں
وابستہ رہے دیں میرا ایمان تمہی سے

گلہائے عقیدت جو نذر کرتا ہے اعجاز
اس صنف میں اس کو ملا فیضان تمہی سے

سید مختیر شاہ

ممانعت

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے مقام بقیع میں دوسرے کو پکارا۔

''اے ابوالقاسم!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادھر دیکھا تو وہ شخص بولا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پکارا تھا بلکہ فلاں شخص کو پکارا تھا (اس کی کنیت بھی ابوالقاسم ہوگی)۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میرے نام سے نام رکھ لو مگر میری کنیت کی طرح کنیت مت رکھو۔''

(مسلم)

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے ساتھ نام رکھنا

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

''ہم میں سے ایک شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس کے اس کا نام محمد رکھا۔'' لوگوں نے کہا۔

''ہم تجھے کنیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے نہیں رکھیں گے، (یعنی تجھے ابو محمد نہیں کہیں گے) جب تک تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت نہ لے۔''

وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

''میرا ایک لڑکا پیدا ہوا ہے تو میں نے اس کا نام محمد رکھا تو میری قوم کے لوگ اس نام کی اجازت، مجھے دینے سے انکار کرتے ہیں (جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت نہ دیں)۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت نہ رکھو کیونکہ میں قاسم ہوں، میں تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں (دین کا علم اور مال غنیمت وغیرہ)۔''

(مسلم)

اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین نام

سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تمہارے ناموں میں سے بہترین نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہیں، عبداللہ اور عبدالرحمٰن۔''

بچے کا نام عبدالرحمٰن رکھنا

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص کے لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام قاسم رکھا تو ہم لوگوں نے کہا کہ تجھے ابوالقاسم کنیت نہ دیں گے اور تیری آنکھ ٹھنڈی نہ کریں گے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے پاس آیا اور یہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''اپنے بیٹے کا نام عبدالرحمٰن رکھ لو۔''
(مسلم)

ہاتھ پھیرنا اور اس کے لئے دعا کرنا

عروہ بن زبیر اور فاطمہ بنت منذر بن زبیر سے روایت ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہما (مکہ سے) ہجرت کی نیت سے اس وقت نکلیں تو ان کے پیٹ میں عبداللہ بن زبیر تھے، جب وہ قبا میں آ کر اتریں تو وہاں سیدنا عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے، پھر انہیں لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو گھٹی دیں، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہما سے لے لیا، اپنی گود میں بٹھایا پھر ایک کھجور منگوائی، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ہم ایک گھڑی تک کھجور ڈھونڈتے رہے۔

آخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کو چبایا پھر (اس کا جوس) ان کے منہ میں ڈال دیا تو پہلی چیز جو عبداللہ کے پیٹ میں پہنچی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب تھا، سیدہ اسماء رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لئے دعا کی اور ان کا نام عبداللہ رکھا اور جب وہ سات یا آٹھ برس کے ہوئے تو سیدنا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشارے پر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کے لئے آئے تو جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آتے دیکھا تو تبسم فرمایا پھر ان سے (برکت کے لئے) بیعت کی، (کیونکہ وہ کمسن تھے)۔

عبداللہ نام رکھنا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابوطلحہ کا ایک لڑکا بیمار تھا تو سیدنا ابوطلحہ باہر گئے ہوئے تھے، وہ لڑکا مر گیا، جب وہ لوٹ کر آئے تو انہوں نے پوچھا۔

''میرا بچہ کیسا ہے؟'' (ان کی بیوی) ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا۔

''اب پہلے کی نسبت اس کو آرام ہے۔'' (یہ موت کی طرف اشارہ ہے اور کچھ جھوٹ بھی نہیں)

پھر اُم سلیم شام کا کھانا ان کے پاس لائیں تو انہوں نے کھایا، اس کے بعد اُم سلیم سے محبت کی، فارغ ہوئے تو اُم سلیم نے کہا۔

''جاؤ بچہ کو دفن کر دو۔''

پھر صبح کو ابوطلحہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب حال بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ۔

''کیا تم نے رات کو اپنی بیوی سے محبت کی تھی؟''

ابوطلحہ نے کہا۔

''ہاں۔'' پھر آپ نے دعا کی۔

''اے اللہ! ان دونوں کو برکت دے۔''

پھر اُم سلیم کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو ابوطلحہ سے کہا۔

''اس بچہ کو اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے جاؤ۔'' اور اُم سلیم نے بچے کے ساتھ تھوڑی کھجوریں بھیجیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچے کو لے لیا اور پوچھا۔

''اس کے ساتھ کچھ ہے؟''

لوگوں نے کہا۔

''کھجوریں ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجوروں کو لے کر چبایا پھر اپنے منہ سے نکال کر بچے کے منہ میں ڈالا پھر اس کا نام عبداللہ رکھا۔

(مسلم)

انبیاء اور صالحین کے نام

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں نجران میں آیا تو وہاں کے (انصاریٰ) لوگوں نے مجھ پر اعتراض کیا۔

''تم (سورہ مریم میں) پڑھتے ہو کہ'' اے ہارون کی بہن۔'' (یعنی مریم علیہ السلام کو ہارون کی بہن کہا ہے) حالانکہ (سیدنا ہارون، موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے اور) موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام سے اتنی مدت پہلے تھے (پھر مریم ہارون علیہ السلام کی بہن کیونکر ہو سکتی ہیں؟)

جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

(یہ وہ ہارون تھوڑی ہیں جو موسیٰ کے بھائی تھے) بلکہ بنی اسرائیل کی عادت تھی (جیسے اب سب کی عادت ہے) کہ یہ پیغمبروں اور اگلے نیکوں کے نام پر نام رکھتے تھے۔''

(مسلم)

بچے کا نام ابراہیم رکھنا

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرا ایک لڑکا پیدا ہوا تو میں اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور اس کے منہ میں ایک کھجور چبا کر ڈالی۔

(مسلم)

بچے کا نام منذر رکھنا

سہل بن سعد کہتے ہیں کہ ابو اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیٹا منذر جب پیدا ہوا تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنی ران پر رکھا اور (اس کے والد) ابو اسید بیٹھے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز میں اپنے سامنے متوجہ ہوئے تو وہ بچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ران پر سے اٹھا لیا گیا تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال آیا تو فرمایا۔

''بچہ کہاں ہے؟''

سیدنا اسید نے کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے اس کو اٹھا لیا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس کا نام کیا ہے؟''

ابو اسید نے کہا۔

''فلاں نام ہے۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''نہیں، اس کا نام منذر ہے۔'' پھر اس دن سے انہوں نے اس کا نام منذر ہی رکھ دیا۔

(مسلم)

''برہ'' کا نام جویریہ رکھنا

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

''ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام پہلے برہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام جویریہ رکھ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برا جانتے تھے کہ یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم برہ (نیکو کار بیوی کے گھر) سے چلے گئے۔"

(مسلم)

"برہ" کا نام زینب رکھنا

محمد بن عمر بن عطاء کہتے ہیں۔
"میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ رکھا تو زینب بنت ابی سلمہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے اور میرا نام بھی برہ تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اپنی تعریف مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں بہترین کون ہے۔"
لوگوں نے عرض کیا۔
"پھر ہم اس کا کیا نام رکھیں۔"
تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"زینب رکھو۔"

(مسلم)

انگور کا نام "کرم" رکھنے کا بیان

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"کوئی تم میں سے انگور کو "کرم" نہ کہے اس لئے کہ "کرم" مسلمان آدمی کو کہتے ہیں۔"

(مسلم)

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"(انگور کو) کرم بہت کہو بلکہ عنب کہو یا حبلہ کہو۔"

(مسلم)

افلح، رباح، یسار اور نافع نام رکھنے کی

ممانعت

سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اپنے غلاموں کے چار نام رکھنے سے منع فرمایا، افلح، رباح، یسار اور نافع۔"

(مسلم)

سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اللہ تعالیٰ کو چار کلمات سب سے زیادہ پسند ہیں، سبحان اللہ، الحمدللہ، ولا اللہ، واللہ اکبر، ان میں سے جس کو چاہے پہلے کہے، کوئی نقصان نہ ہوگا اور اپنے غلام کا نام یسار اور رباح اور نجیح (اس کے وہی معنی ہیں جو افلح کے ہیں) اور اسے نہ رکھو، اس لئے کہ تو پوچھے گا کہ وہ وہاں ہے (یعنی یسار یا رباح یا نجیح یا افلح) وہ کہے گا نہیں ہے۔"
"سمرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی چار نام فرمایا تو مجھ سے زیادہ نام بیان نہ کرنا۔"

(مسلم)

(غلام کے لئے) "عبد، امتہ" اور (مالک کے لئے) "مولیٰ، سید" بولنے کے متعلق

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"کوئی تم میں سے (اپنے غلام کو) یوں نہ کہے کہ پانی پلا اپنے رب کو یا اپنے رب کو کھانا کھلایا اپنے رب کو وضو کرا اور کوئی تم میں سے دوسرے کو اپنا رب نہ کہے بلکہ سیدنا مولیٰ کہے اور

کوئی تم میں سے یوں نہ کہے کہ میرا بندہ یا میری بندی بلکہ جوان مرد اور جوان عورت کہے۔"

(مسلم)

چھوٹے بچے کی کنیت رکھنا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ خوش مزاج تھے، میرا ایک بھائی تھا جس کو ابو عمیر کہتے تھے (اس سے معلوم ہوا کہ کمسن اور جس کے بچہ نہ ہوا ہو کنیت رکھنا درست ہے) (میں سمجھتا ہوں کہ انس نے کہا کہ) اس کا دودھ چھڑایا گیا تھا تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آتے اور اس کو دیکھتے تو فرماتے۔

"اے ابا عمیر! نغیر کہاں ہے؟" (نغیر بلبل اور چڑیا کو کہتے ہیں) اور وہ لڑکا اس سے کھیلتا تھا۔

(مسلم)

اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے برا نام

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"سب سے زیادہ ذلیل اور برا نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا ہے جس کو لوگ ملک الملوک کہیں، ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں ہے، سفیان (یعنی ابن عیینہ) نے کہا ملک الملوک شہنشاہ کی طرح ہے۔"

احمد بن حنبل نے کہا کہ میں نے ابو عمرو سے پوچھا کہ "اخنع" کا کیا معنی ہے۔

تو انہوں نے کہا۔

"اس کا معنی ہے "سب سے زیادہ ذلیل۔"

(مسلم)

اچھا نام تبدیل کرنا

سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام جمیلہ رکھ دیا۔

(مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل کی گزران میں تنگی

سیدنا عروہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتی تھیں۔

"اللہ کی قسم اے میرے بھانجے ہم ایک چاند دیکھتے، دوسرا دیکھتے، تیسرا دیکھتے، دو مہینے میں تین چاند دیکھتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں اس مدت تک آگ نہ جلتی تھی۔"

میں نے کہا۔

"اے خالہ! پھر تم کیا کھاتیں؟"

انہوں نے کہا۔

"کھجور اور پانی، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ ہمسائے تھے، ان کے دودھ والے جانور تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دودھ بھیجتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ دودھ ہمیں بھی پلا دیتے۔"

(صحیح مسلم)

☆☆☆

اندیشہ شکر کے بغیر

ابن انشاء

''روکھی پھیکی کھا کے ٹھنڈا پانی پی۔'' بھگت کبیر کے اس ایدیش پر ہمارا عمل کچھ تو عادتاً ہے، کچھ ضرورتاً۔ لیکن کل ہم نے رئیس گھرانے کی ایک خاتون کو سوکھے ٹکڑے چباتے، آہ سرد بھرتے اور ٹھنڈا پانی پیتے دیکھا، تو بہت متاثر ہوئے۔

''ہم آپ کی خاکساری سے بہت متاثر ہوئے، مانگیے کیا انعام مانگتی ہیں۔''

بولیں۔

''اس معاملے میں کچھ دخل انکسار کو نہیں ہے، مجھے کبیر الدین اسپیشلسٹ نے یہ بتایا ہے کہ آپ بالکل ہی بارہ من کی دھوبن نہیں بننا چاہتیں اور غبارے کی طرح پھٹنا بھی پسند نہیں کرتیں تو ڈائٹنگ کیجئے، ہاتھ روک کر کھائیے، کم کھائیے، سادہ کھائیے، بلکہ ہو سکے تو کچھ نہ کھائیے، ہاں ہوا کی ممانعت نہیں، وہ جتنی جی چاہے کھائیے۔''

ہم نے کہا۔

''اور کھانوں کے بارے میں تو ڈاکٹر صاحب کا مشورہ صائب ہے لیکن ہوا کی بھی احتیاط رکھیے، زیادہ ہوا کھانے سے ریاح کا اندیشہ ہے۔''

کھاتے پیتے گھرانے کی جس خاتون کو بھی دیکھیے، اس غم میں دبلی ہوئی جا رہی ہے کہ اس پر منا پاؤ دن بدن چڑھ رہا ہے۔ اصل میں دبلاپا بھی فیشن ہو گیا ہے حالانکہ کسی خاتون کا ایسا دبلا ہونا بھی کیا کہ یہ معلوم ہو، قدرت نے فرش زمین پر عمود گرا رکھا ہے یا بانس ہے جس پر کپڑے لٹکے ہیں، یہ بات بھی نہیں کہ آدمی کھا کر گول دائرہ ہی ہو جائے یا مثلث دکھائی دے جس کے نیچے دو پائے لگے ہوں، بس کھڑی مستطیل کی سی صورت ہونی چاہیے کہ جیومیٹری کی ساری شکلوں میں ہمیں یہی پسند ہے، رقبہ نکالنے میں بھی آسانی رہتی ہے۔

کچھ قصور اس دبلاپے کی تحریک میں حکومت کا بھی ہے جس نے بچت کرو بچت کرو کی مہم چلا رکھی ہے، خواتین حب الوطنی کے جذبے سے مجبور نہ صرف تھوڑا کھاتی ہیں بلکہ تھوڑا پہنتی بھی ہیں تاکہ فالتو کپڑا بیرون ملک بھیج کر زرمبادلہ کمایا جا سکے۔

ابھی کل ہی ایک محترمہ سے ہم نے کہا کہ ''یہ نیا فیشن کب سے نکلا، شلوار کے ساتھ بلاؤز پہننے کا یہ تو ساڑھی کے ساتھ پہنا جاتا ہے۔''

ناراض ہو کر بولیں۔

''یہ بلاؤز نہیں ہے صاحب، قمیض ہے۔''

شلوار کا بھی بقول ہمارے ایک دوست کے ایسے پتلا حال ہوا ہے کہ پہلے چار گز میں ایک شلوار بنتی تھی، اب ایک گز میں چار شلواریں بنتی ہیں، کچھ کپڑا پھر بھی بچ جاتا ہے، اس کا ازار بند بنا لیجیے یا دوپٹہ بنا کر اوڑھ لیجیے۔

تھوڑا کھانے اور تھوڑا پہننے کے علاوہ بھی خواتین کئی طرح کی بچتیں کرتی ہیں جس سے اس الزام کی تردید ہو جاتی ہے کہ عورتیں کفایت شعار نہیں ہوتیں، مثال کے طور پر اپنی عمر تک گھٹا کر

بتاتی ہیں، آج کل کے زمانے میں جب کہ ہر چیز کو بڑھا بڑھا کر بتانے کا رواج ہے، عورتوں میں اتنا انکسار قابل تعریف ہے، البتہ زیادتی ہر چیز کی بری ہوتی ہے حتی کہ انکسار اور عمر گھٹانے کی بھی، ایک صاحبہ کو ہم جانتے ہیں کہ قیام پاکستان کے وقت اٹھارہ بیس برس کی تھیں، پچھلے دنوں پھر ان کی ایک تحریر چھپی جو خود نوشت حالات پر مشتمل تھی اس میں بھی اٹھارہ بیس برس ہی لکھا پایا، ہم نے ایک محفل میں ان سے کہا کہ۔

''ہمیں تو آپ کی ان تحریروں میں زیادہ مزا آتا ہے جو آپ نے اپنی پیدائش سے پہلے لکھی تھیں۔''

بولیں۔

''کیا مطلب؟''

ہم نے کہا۔

''یہی 1945ء، 1946ء کی بات کر رہے ہیں۔''

اس پر بڑی مشکل سے انہوں نے اپنی عمر میں دس سال بڑھائے، دس پھر بھی اپنے پاس رکھ لئے۔

ہماری فلمی ایکٹریس خاص طور پر اس بات کا خیال رکھتی ہیں کہ ان کی عمر ناروا طوار پر بڑھنے نہ پائے، ایک صاحبہ ہمارے ساتھ کی کھیلی ہوئی ہیں، بیس برس کی عمر تک تو وہ اور ہم، ہمسر رہے، اس کے بعد ہم اکیس سال کے ہو گئے تو وہ انیس سال کی ہو گئیں، ہم بائیس کے ہوئے وہ اٹھارہ کی ہو گئیں، بعد میں کیا ہوا، ہمیں معلوم نہیں کیونکہ اب ایک مدت سے انہیں نہیں دیکھا، ہاں فلم میں ضرور دیکھا تھا، جس میں وہ ایک بے بی کا کردار کرتی، لولی پاپ چاٹتی کد کڑے لگاتی دکھائی دی تھیں۔

پچھلی بار ایران کے سفر میں ہمارے ہمراہ فیروز سنز کے ڈاکٹر وحید بھی تھے، ساؤنا باتھ ہم نے وہاں پہلی بار دیکھا جس میں پہلے آپ کو گرم کمرے میں بٹھا کر ابالتے ہیں، درجہ حرارت درجہ جوش سے بھی زیادہ کر دیا جاتا ہے اس کے بعد آپ کو فوراً بھاگ کر برفانی پانی میں چھلانگ لگانی ہوتی ہے، ہم نے تو ایک بار کیا اور اس کے بعد درازی عمر کے لئے دعا کی، ڈاکٹر وحید دو تین بار نہائے اور کہنے لگے۔

''ہر غوطے کے بعد میں خود کو بقدر دس سال جوان تر محسوس کرتا ہوں۔''

وہ پھر تیار ہو رہے تھے کہ ہم نے روک لیا اور کہا۔

''ڈاکٹر صاحب دو غوطے آپ نے اور لگائے تو غوں غوں کرتے نکلیں گے، ہمارے پاس تو آپ کے لائق نہ ببَ ہے نہ چڈی ہے، نہ گرائپ واٹر کا ذخیرہ ہے۔'' بڑی مشکل سے مانے۔

☆☆☆

پاکستان ٹیلی وژن والوں نے اشتہارات کے لئے بعض قاعدے بڑے سخت رکھے ہیں، اگر آپ سگریٹ کے اشتہار میں کسی خاتون کو سگریٹ پیتے اور دھواں اڑاتے دکھانا چاہتے ہیں تو اس خاتون کی عمر اکیس برس سے کسی صورت کم نہیں ہونی چاہیے۔

سگریٹ کے ایک اشتہاری فلم کے لئے انٹرویو لینے والوں میں ہم بھی تھے امیدواریں تو بہت آئیں، لیکن جب اعلان ہوا کہ جو خواتین اکیس برس سے زیادہ کی ہیں، وہ آگے آ جائیں، تو سب ایک دوسری کا منہ دیکھنے لگیں، بعض تو بھٹ ہی پڑیں کہ ''لو ج ہم کیوں ہوں اکیس برس کی، اکیس برس کے ہوں ہمارے دشمن، بعض تو گڑیاں اور کھلونے نکال کر ان سے کھیلنے لگیں،

ایک صاحبہ نے تو ہمیں سلطانی گواہ بھی بنالیا اور کہا۔

"آپ تو خود جانتے ہیں کہ میں پاکستان بننے سے پہلے دہلی میں آل انڈیا ریڈیو میں ہمیشہ بچوں کے پروگراموں میں حصہ لیا کرتی تھی یہ تو پاکستان کے حالات اور نزلے نے چونڈا سفید کر دیا ہے۔" غرض کہ فلم والوں کو کوئی صاحبہ اکیس برس سے کم کی نہ ملیں، ہم فارغ ہو کر باہر نکلے تو انہی میں سے ایک صاحبہ کو فٹ پاتھ پر کھڑے پایا، ہم نے کہا۔

"خیریت؟" بولیں۔

"میری لڑکی نے کہا تھا کہ واپسی میں مجھے اپنی کار میں لے لیں گی، کالج میں تو بارہ بجے ہی چھٹی ہو جاتی ہے، جانے کہاں رہ گئی ہوں گی۔"

ایک زمانہ تھا کہ اولاد اور والدین کی عمر میں اچھا خاصا فرق ہوا کرتا تھا، بالعموم زیادہ، ورنہ پندرہ سولہ برس کا تو ضرور، اب تو دنیا ہی بدل گئی ہے، کوئی شے اپنے حال پر نہیں رہی، ایک محفل میں ایک والدہ اپنا تعارف کراتے ہوئے کہہ رہی تھیں کہ اب کے ستمبر میں میری عمر بیس سال کی ہو جائے گی، اتنے میں ان کی صاحبزادی پہنچ گئیں، چھوٹوں کو بڑوں کی گفتگو میں بولنا تو نہیں چاہیے لیکن آج کل کی اولاد کا آپ جانتے ہیں، چلا کر بولیں۔

"امی خدا کے لئے اپنی اور میری عمر میں نو ماہ کا فرق تو رکھ لیا کیجئے۔"

لیکن ذکر تو کھانے پینے بلکہ نہ کھانے پینے کا تھا اس سے وزن ضرور گھٹ جاتا ہے لیکن تکلیف بھی ہوتی ہے، اسی خیال سے ہم نے بلا درد وزن گھٹانے کی گولیاں ایجاد کی ہیں کہ ایک گولی کھائیے پانچ پونڈ وزن گھٹائیے، دو کھائیے دس پونڈ کم ہو جائے، تین گولیاں اکٹھی کھانے والے کے ساتھ خاص رعایت، یعنی آپ پندرہ پونڈ کے بجائے سترہ پونڈ گھٹا سکتے ہیں جن صاحب یا صاحبہ کو ضرورت ہو، بیس روپے اشتہارات و پیکنگ کے لئے بھیج کر ہم سے مفت طلب کریں بلکہ محصول ڈاک ہم اپنے پاس سے دیں گے، کفن دفن کا خرچ البتہ بذمہ خریدار رہے گا، ہمارے پاس ایک انگریز کا سرٹیفکیٹ بھی موجود ہے، وہ سابقہ مشرقی پاکستان سے ایک ہاتھی اپنے ساتھ ولایت لے جانا چاہتا تھا، ترکیب سمجھ میں نہ آئی تھی، آخر چند روز ہماری گولیاں اسے مسلسل استعمال کرائیں حتیٰ کہ وہ ہاتھی کا خلاصہ بلکہ گیس پیپر رہ گیا، اب کیا تھا، سوٹ کیس میں بند کیا اور لے گیا، مر ضرور گیا تھا لیکن آپ نے سنا ہوگا، زندہ ہاتھی ایک لاکھ کا، مرا سوالاکھ کا۔

☆☆☆

عبادات و وظائف

فوزیہ شفیق

روزے کی فضیلت

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو ایک خطبہ دیا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، اس مہینے کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہ الٰہی میں کھڑے ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے، (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو دوسرے زمانے کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا اور اس مہینہ میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستر فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے جس نے اس مہینے میں کسی روزے دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا تو کیا غرباء اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا پانی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دیے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ اور جو کوئی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض کوثر سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس نہ لگے گی تاکہ وہ جنت میں پہنچ جائے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف و کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اسے دوزخ سے رہائی اور آزادی دے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی، معارف الحدیث)

روزے میں احتساب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو لوگ رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے ان کے بھی سارے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے، ان کے بھی سارے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری، مسلم، معارف الحدیث)

روزے کی برکات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''روزہ رکھا کرو تندرست رہا کرو گے۔'' (طبرانی)

اور روزے سے جس طرح ظاہری و باطنی مضرت زائل ہوتی ہے اسی طرح اس سے ظاہری و باطنی مسرت حاصل ہوتی ہے۔

روزے کی اہمیت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ''جب رمضان المبارک کا عشرہ اخیرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمر کس لیتے اور شب بیداری کرتے یعنی پوری رات عبادت اور ذکر و دعا میں مشغول رہتے اور اپنے گھر کے لوگوں یعنی ازدواج مطہرات اور دوسرے متعلقین کو بھی جگا دیتے تاکہ وہ بھی ان راتوں کی برکتوں اور سعادتوں میں حصہ لیں۔ (صحیح بخاری، وصحیح مسلم، معارف الحدیث)

روایت ہلال کی تحقیق اور شاہد کی شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ جب تک روایت ہلال کا ثبوت نہ ہو جائے یا کوئی عینی گواہ نہ مل جائے آپ روزے شروع نہ کرتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھا۔ (زادالمعاد)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بادل کے دن کا روزہ نہیں رکھتے تھے، نہ آپ نے اس کا حکم دیا بلکہ فرمایا ''جب بادل ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کیے جائیں۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو، اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی تیس کی گنتی پوری کرو۔'' (صحیح بخاری و مسلم، معارف الحدیث)

سحری

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''سحری میں برکت ہے، اسے ہرگز ہرگز نہ چھوڑنا، اگر کچھ نہیں تو اس وقت پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لیا جائے کیونکہ سحری میں کھانے پینے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔ (مسند احمد، معارف الحدیث)

افطار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو روزے کے افطار میں جلدی کرے (یعنی غروب آفتاب کے بعد بالکل دیر نہ کرے) (معارف الحدیث، جامع ترمذی)

حضرت سلیمان بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو وہ کھجور سے افطار کرے اور اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے اس لئے کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے طہور بنایا ہے۔

(مسند احمد، ابی داؤد، جامع ترمذی، ابن ماجہ، معارف الحدیث)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے اور اگر تر کھجوریں بروقت موجود نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔'' (جامع ترمذی، معارف الحدیث)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''روزے دار کی ایک بھی دعا افطار کے وقت مسترد نہیں ہوتی۔'' (ابن ماجہ، معارف الحدیث)

تراویح

اکثر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ تراویح کے مسنون ہونے پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے، آئمہ اربعہ میں سے یعنی امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ ان سب حضرات کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ تراویح کی بیس رکعات سنت موکدہ ہیں۔

قرآن مجید کا سننا

رمضان شریف میں قرآن مجید کا ایک مرتبہ ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سنت موکدہ ہے اگر کسی عذر سے اس کا اندیشہ ہو کہ مقتدی تحمل نہ کر سکیں گے تو پھر الم ترکیف سے آخر تک دس سورتیں پڑھ لی جائیں، ہر رکعت میں ایک سورت ہو پھر دس رکعت پوری ہونے پر پھر انہی سورتوں کو دوبارہ پڑھ دے یا اور جو سورتیں چاہے پڑھے، (بہشتی زیور)

تراویح پورا مہینہ پڑھنا

تراویح کا رمضان المبارک کے پورے مہینے پڑھنا سنت ہے اگرچہ قرآن مجید مہینہ ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے مثلاً پندرہ روزہ میں قرآن مجید ختم ہو جائے تو باقی دنوں میں بھی تراویح کا پڑھنا سنت موکدہ ہے۔

تراویح میں جماعت

تراویح میں جماعت سنت موکدہ ہے، اگرچہ ایک قرآن مجید جماعت کے ساتھ ختم ہو چکا ہو۔

تراویح دو دو رکعت کر کے پڑھنا

تراویح دو دو رکعت کر کے پڑھنا چاہیے،

چار رکعت کے بعد اس قدر توقف کرنا چاہیے کہ جس قدر نماز میں صرف ہوا ہے لیکن مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے وقت کم بھی کیا جا سکتا ہے۔ (بہشتی زیور)

تراویح کی اہمیت

رمضان المبارک میں تراویح کی نماز بھی سنت موکدہ ہے، اس کا چھوڑ دینا اور نہ پڑھنا گناہ ہے (عورتیں اکثر تراویح کی نماز کو چھوڑ دیتی ہیں) ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

عشاء کے فرض اور سنتوں کے بعد بیس رکعت نماز تراویح پڑھیں جب بیس رکعت تراویح پڑھ چکیں تو اس کے بعد وتر پڑھیں۔ (بہشتی زیور)

تراویح کی بیس رکعتوں پر حدیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ (مجمع الزوائد ۲/۷۲ ج ۳ بحوالہ طبرانی)

اگرچہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے لیکن چونکہ صحابہ کرام اور تابعین کا مسلسل تعامل اس پر رہا ہے اس لئے محدثین اور فقہا کے اصول کے مطابق یہ حدیث مقبول ہے۔

حضرت سائب بن یزید اور یزید بن رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرام بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

رمضان المبارک میں شب بیداری، نوافل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے روزوں کو فرض فرمایا ہے اور میں نے رمضان کی شب بیداری کو (تراویح اور تلاوت قرآن کے لئے) تمہارے واسطے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) سنت بنایا (کہ موکدہ ہونے کے سبب وہ بھی ضروری ہے) جو شخص ایمان سے اور ثواب کے اعتقاد سے رمضان کے روزے رکھے اور رمضان کی شب بیداری کرے وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح نکل جائے گا جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔ (نسائی، حیوۃ المسلمین)

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان المبارک بہت ہی بابرکت اور فضیلت والا مہینہ ہے اور یہ صبر و شکر اور عبادت کا مہینہ ہے اور اس ماہ مبارک کی عبادت کا ثواب ستر درجے عطا ہوتا ہے، جو کوئی اپنے پروردگار کی عبادت کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرے گا، اس کی بہت بڑی جزا خداوند تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

ماہ رمضان کے وظائف

ماہ رمضان کی پہلی شب بعد نماز عشاء ایک مرتبہ سورہ فتح پڑھنا بہت افضل ہے۔

رمضان شریف میں ہر نماز عشاء کے بعد روزانہ تین مرتبہ کلمہ طیب پڑھنے کی بہت فضیلت ہے، اول مرتبہ پڑھنے سے گناہوں کی مغفرت ہو گی، دوم مرتبہ پڑھنے سے دوزخ سے آزاد ہوگا، تیسری بار پڑھنے سے جنت کا مستحق ہوگا۔

شب قدر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب قدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس راتوں کی طاق راتوں میں۔

شب قدر کی دعا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے عرض کیا کہ مجھے بتایئے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون سی رات شب قدر ہے تو میں اس رات اللہ تعالیٰ سے کیا عرض کروں؟ اور کیا دعا مانگوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عرض کرو۔

ترجمہ:۔ اے اللہ آپ معاف کرنے والے ہیں اور کریم ہیں عفو کو پسند کرتے ہیں لہٰذا مجھ سے درگزر کیجئے۔ (معارف الحدیث)

پہلی شب قدر

حضور انور سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری امت میں سے جو مرد یا عورت یہ خواہش کرے کہ میری قبر نور کی روشنی سے منور ہو تو اسے چاہیے کہ ماہ رمضان کی شب قدروں میں کثرت کے ساتھ عبادت الٰہی بجا لائے، تاکہ ان مبارک اور معتبر راتوں میں عبادت سے اللہ پاک اس کے نامہ اعمال سے برائیاں مٹا کر نیکیوں کا ثواب عطا فرمائے۔

شب قدر کی عبادت ستر ہزار شب کی عبادتوں سے افضل ہے۔

نفل نماز

اکیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورہ قدر ایک ایک بار، سورہ اخلاص ایک ایک مرتبہ پڑھے۔ بعد سلام کے ستر مرتبہ درود پاک پڑھے۔

انشا اللہ تعالیٰ اس نماز کے پڑھنے والے کے حق میں فرشتے دعائے مغفرت کریں گے۔

اکیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورہ قدر ایک ایک بار، سورہ اخلاص تین تین بار پڑھے، بعد نماز، سلام پھیر کر ستر مرتبہ استغفار پڑھے۔

انشا اللہ تعالیٰ اس نماز اور شب قدر کی برکت سے، اللہ پاک اس کی بخشش فرمائے گا۔

وظیفہ

ماہ رمضان المبارک کی اکیسویں شب کو اکیس مرتبہ سورہ قدر پڑھنا بہت افضل ہے۔

دوسری شب قدر

ماہ مبارک کی تیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر ایک ایک بار اور سورہ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھے۔

انشا اللہ تعالیٰ واسطے مغفرت گناہ کے یہ نماز بہت افضل ہے۔

تیسویں شب قدر کو آٹھ رکعت نماز چار سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورہ قدر ایک ایک بار، سورہ اخلاص ایک ایک بار پڑھے۔

بعد سلام کے ستر مرتبہ کلمہ تمجید پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما کر انشا اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے گا۔

وظیفہ

تیسویں شب کو سورہ یٰسین ایک مرتبہ، سورہ رحمٰن ایک مرتبہ پڑھنی بہت افضل ہے۔

تیسری شب قدر

ماہ رمضان کی پچیسویں تاریخ کو شب قدر کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے، بعد سورہ فاتحہ کے سورہ قدر ایک ایک بار، سورہ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ ہر رکعت میں پڑھے۔

بعد سلام کے کلمہ طیب ایک سو دفعہ پڑھے۔

درگاہ رب العزت سے انشا اللہ تعالیٰ بے شمار عبادت کا ثواب عطا ہوگا۔

پچیسویں شب کو چار رکعت نماز، دو سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر تین تین مرتبہ، سورہ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے ستر دفعہ استغفار پڑھے۔

پچیسویں شب قدر کو دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر ایک ایک مرتبہ، سورہ اخلاص پندرہ پندرہ مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے ستر دفعہ کلمہ شہادت پڑھے۔

یہ نماز واسطے نجات عذاب قبر بہت افضل ہے۔

وظائف

ماہ رمضان کی پچیسویں شب کو سات مرتبہ سورہ دخان پڑھے، انشا اللہ اس سورہ کے پڑھنے سے عذاب قبر سے محفوظ ہوگا۔

پچیسویں شب کو سات مرتبہ سورہ فتح پڑھنا واسطے ہر مراد کے بہت افضل ہے۔

چوتھی شب قدر

ستائیسویں شب قدر کو بارہ رکعت نماز تین سلام سے پڑھیں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر ایک ایک مرتبہ سورہ اخلاص پندرہ پندرہ مرتبہ پڑھیں، بعد سلام کے ستر مرتبہ استغفار پڑھے، انشا اللہ اس نماز کے پڑھنے والے کو نبیوں کی عبادت کا ثواب عطا فرمائیں گے۔

ستائیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر تین تین مرتبہ، سورہ اخلاص، ستائیس مرتبہ پڑھ کر گناہوں کی مغفرت طلب کرے، اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف فرمائے گا انشا اللہ۔

ستائیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورہ تکاثر ایک ایک مرتبہ، سورہ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھے، اس نماز کے پڑھنے والے پر سے اللہ تعالیٰ موت کی سختی آسان کرے گا، انشا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب قبر بھی معاف ہو جائے گا۔

ستائیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورہ اخلاص سات سات مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے ستر دفعہ استغفار کی تسبیح پڑھے۔

انشا اللہ تعالیٰ اس نماز کو پڑھنے والے اپنے جائے نماز سے نہ اٹھیں گے کہ اللہ پاک اس کو اور اس کے والدین کے گناہ معاف کر کے مغفرت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اس کے لئے جنت کو آراستہ کرو اور فرمایا کہ وہ جب تک تمام بہشتی نعمتیں اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لے گا اس وقت تک اسے موت نہ آئے گی، واسطے مغفرت یہ دعا بہت افضل ہے۔

ستائیسویں شب کو چار رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورہ قدر تین تین سورہ اخلاص پچاس پچاس مرتبہ پڑھے، بعد سلام سجدہ میں سر رکھ کر ایک مرتبہ تیسرا کلمہ پڑھے۔

اس کے بعد جو حاجت دنیاوی و دینوی طلب کرے وہ انشا اللہ اس نماز کے پڑھنے والے کو دنیا سے مکمل ایمان کے ساتھ اٹھائے گا۔

ماہ رمضان کی انتیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھیں ہر رکعت میں بعد سورہ

فاتحہ کے سورہ قدر ایک ایک بار، سورہ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ پڑھیں، بعد سلام کے درود شریف ایک سو دفعہ پڑھے۔

انشا اللہ تعالیٰ اس نماز کے پڑھنے والے کو دربار خداوندی سے بخشش مغفرت عطا کی جائے گی۔

وظائف

ماہ رمضان المبارک کی انتیسویں شب کو چار مرتبہ سورہ واقعہ پڑھے، انشا اللہ تعالیٰ ترقی رزق کے لئے بہت افضل ہے۔

ماہ رمضان کی کسی شب میں بعد نماز عشاء سات مرتبہ سورہ قدر پڑھنی بہت افضل ہے، انشا اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے سے ہر معصیت سے نجات حاصل ہوگی۔

انشا اللہ تعالیٰ درگاہ باری تعالیٰ میں حاجت ضرور پوری ہوگی۔

وظائف

ستائیسویں شب قدر کو ساتوں حم پڑھے، یہ ساتوں حم عذاب قبر سے نجات اور مغفرت گناہ کے لئے بہت افضل ہے۔

ستائیسویں شب کو سورہ ملک سات مرتبہ پڑھنا واسطے مغفرت گناہ بہت فضلیت والی ہے۔

پانچویں شب قدر

انتیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر ایک ایک بار سورہ اخلاص تین تین بار پڑھیں، بعد سلام کے سورہ الم نشرح، ستر مرتبہ پڑھیں۔

یہ نماز کامل ایمان کے لئے بہت افضل ہے۔

جمعتہ الوداع

رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو بعد نماز ظہر دو رکعت نماز پڑھیں، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ زلزال، ایک بار سورہ اخلاص دس بار، دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ کافرون تین مرتبہ پڑھیں، بعد سلام کے دس بار درود شریف پڑھیں، پھر دو رکعت نماز پڑھیں پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ تکاثر ایک بار سورہ اخلاص دس بار، دوسری رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے آیت الکرسی تین مرتبہ سورہ اخلاص پچیس مرتبہ، بعد سلام کے درود شریف دس مرتبہ پڑھیں۔

اس نماز کے بے شمار فضائل ہیں اور اس نماز کے پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ قیامت تک بے انتہا عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا، انشا اللہ تعالیٰ۔

رمضان کی آخری رات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کی آخری رات میں آپ کی امت کے لئے مغفرت و بخشش کا فیصلہ کیا جاتا ہے، آپ نے فرمایا کہ شب قدر تو نہیں ہوتی لیکن بات یہ ہے کہ عمل کرنے والا جب اپنا عمل کردے تو اس کو پوری اجرت مل جاتی ہے۔

☆☆☆

کے ساتھ

فرح طاہرہ قریشی

ایک روز حنا کے ساتھ گزارنے کے لئے

جب بھی لکھنے کا ارادہ کیا ہر بار ارادہ ڈانواڈول ہو کر رہ جاتا تھا، مگر فوزیہ آپی کا کہا اس بار ٹالا نہ گیا اور بالآخر کاغذ قلم لے کر بیٹھ ہی گئی، مگر نجانے ایسا کیوں ہوتا ہے جب بھی ہم اپنے متعلق کچھ بھی لکھنے کی کوشش کرتے ہیں، لفظ کھو سے جاتے ہیں، کب سے قلم ہاتھ میں لئے بیٹھی ہوں مگر مجال ہے جو لفظوں نے ہم سے یاری کی ہو، ایسا محسوس ہو رہا ہے لفظ بکھر سے گئے ہیں جو چاہنے کے باوجود بھی ہماری سمیٹ میں آ کے نہیں دے رہے، شاید یہ ہر لکھاری کا المیہ ہے۔

جہاں ہم اپنی کہانیوں کے کرداروں کو لفظوں کے جال میں بڑی آسانی سے جکڑ دیتے ہیں وہیں خود کو لفظوں کی ہلکی سی ڈوری سے بھی خود کو باندھ نہیں سکتے، خیر اب جب آپی نے کہہ دیا ہے تو پھر تو جیسے بھی ہو اپنا ایک روز آپ کے ساتھ گزارنا ہی ہوگا، حالانکہ میں اس معاملے میں بڑی نکمی ثابت ہوئی ہوں کیونکہ فطرتاً میں تنہائی پسند واقع ہوئی ہوں تو کہیں بھی جاتے یا کسی سے بھی ملنے سے بچتی بچاتی اپنے گھر اور اپنے کمرے میں وقت گزارنا پسند کرتی ہوں، اب ایسا نہیں ہے کہ میں بورنگ فطرت کی مالک ہوں، بس یہ ہے کہ کوشش کرتی ہوں کہ زیادہ وقت اپنے گھر میں فیملی کے ساتھ گزاروں، اس کے باوجود اگر کبھی کسی کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ملے تو پھر ایسا ممکن نہیں ہے کہ اگلا انسان مجھ سے بور ہو جائے، بلکہ میری ملاقات کو اگلی ملاقات تک یاد رکھا جاتا ہے (آہم آہم)۔

چلیں مزید وقت ضائع کیے بنا آپ لوگ میرے ایک دن میں شامل ہو جائیں، میرے دن کا آغاز صبح چھ بجے سے شروع ہو جاتا ہے، الارم کی پہلی بیل پر آنکھوں کو ملتے ہوئے بستر کو الوداع کہتی میں اٹھ کھڑی ہوتی ہوں، پھر وضو کے بعد فجر کی نماز ادا کر کے کچھ منٹس جائے نماز پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جانا میرے معمول میں شامل ہے۔

ان کچھ منٹس کی لذت لفظوں میں بیان کرنا شاید ممکن نہ ہو، اس لئے خود آپ بھی ایسا کر کے دیکھیں گا، کہ ایسا کرنے میں کس درجہ سکون نصیب ہوتا ہے، اس کے بعد کمرے سے باہر نکل آتی ہوں، اب میرا رخ امی، ابو کے کمرے کی طرف ہوتا ہے، امی، ابو کو جگانے کے بعد میں ٹیرس پر چلی آتی ہوں، چونکہ اس وقت ہر سو خاموشی ہوتی ہے، سبھی کے گھروں کی کھڑکیاں دروازے بند ہوتے ہیں، آواز ہوتی ہے تو ان پرندوں کی جو اللہ پاک کی حمد و ثناء میں مصروف ہوتے ہیں، بہت خاموشی اور ٹھنڈی ہوا میں پرندوں کی ان آوازوں کو سن کر دل حد درجہ خوشی محسوس کرنے لگتا ہے، گلی میں سوئیپرز اپنے کام میں مصروف ہوتے ہیں اور میں ہر روز بالکل چپکے سے ان کو اپنا کام کرتے ہوئے دیکھ رہی ہوتی ہوں، دس منٹ ٹیرس کی نظر کر کے میں دوبارہ اندر چلی آتی ہوں، گھر کے سبھی لوگ ابھی سو رہے ہوتے ہیں، مگر مجھے چونکہ سکول جانا ہوتا ہے، تو

اپنے حصے کے کام کر کے جاتی ہوں، تو بس اب
سے میرا کام کا ٹائم شروع ہو جاتا ہے، سب سے
پہلے موٹر چلا کر میں چھت پر چلی آتی ہوں وہاں
موجود پرندوں کے لئے رکھے برتنوں میں پانی
ڈال کر میں واپس نیچے چلی آتی ہوں، میرے
نیچے آنے تک امی جان نیند سے بیدار ہو کر کچن
میں ماہ بدولت کے لئے ناشتہ تیار کرنے کے لئے
موجود ہوتی ہیں، بس کبھی ایسا ہوتا ہے کہ امی کی
طبیعت ٹھیک نہ ہو تو ناشتہ خود بنانا پڑتا ہے، ورنہ
عموماً امی جان بڑے پیار سے میرے لئے ناشتہ
بنائے ساتھ میں میرا لنچ بکس تیار کر کے رکھ دیتی
ہیں، اس کام سے فراغت کے بعد امی باقی بہن
بھائیوں کے ناشتے کی تیاری میں لگ جاتیں
ہیں، جہاں تک ممکن ہوتا ہے میں ان کی ہیلپ کی
ہوں، پھر جب وقت کی طرف نظر پڑتی ہے اور کم
وقت رہ جانے کا احساس ہوتا ہے تو امی کو اپنے
تیار ہونے کا بتاتی کچن سے باہر نکل آتی ہوں،
کچن سے باہر رکھے میرے پہلے قدم پر ہی ہر روز
کی طرح امی کی پیچھے سے آواز سنائی دیتی ہے
"اویس کے سکول جانے میں بھی تھوڑا ٹائم باقی
ہے اسے بھی اٹھا دو" اور میں سعادت مندی سے
جی اچھا کہتی اویس کے پاس چلی آتی ہوں، جو
سوتے ہوئے اتنا پیارا لگ رہا ہوتا ہے کہ اس کی
نیند خراب کرنے کو ذرا دل نہیں چاہتا، مگر اس کا
سکول جانا بھی تو ضروری ہوتا ہے اس لئے دل
میں امڈتے اس کے لئے سارے پیار کو تھپکتے
ہوئے میں اس کو جلدی اٹھنے کا کہہ کر باہر آ جاتی
ہوں، فریش ہونے کے بعد دوبارہ سے اویس کی
طرف رخ کرتی ہوں جو ابھی تک نیند کے مزے
لے رہا ہوتا ہے، بس اب وقت بھی پر لگا کر اڑان
بھرنا شروع کر دیتا ہے شاید اسے لئے جلدی
کرنے کے باوجود بھی دیر ہونے کا احساس
پریشان کر رہا ہوتا ہے، سو اویس کو ہاتھ پکڑ کر بستر
سے اتار کر باہر کی طرف دھکیل کر خود تیار ہونے
کھڑی ہو جاتی ہوں، ساڑھے سات بس ہونے
کو ہوتے ہیں اور سکول سٹارٹ ہونے میں بس
پندرہ منٹ مزید باقی ہوتے ہیں، اس لئے میں
اپنی مختصر سی تیاری کے ساتھ ریڈی ہوتی گاؤن
اٹھائے ایکدم تیار ہوتی ہوں، اب تیزی سے
سٹڈی ٹیبل سے اپنی تمام بکس سمیٹ کر میں
فیضان کے کمرے میں چلی آتی ہوں، جس کے
خود کے سکول جانے میں بس تھوڑا ٹائم رہتا ہے
اس کے باوجود بھی وہ مزے سے سو رہا ہوتا ہے،
مگر وہ میرا اتنا اچھا بھائی ہے کہ میری پہلی پکار پر
آنکھیں ملتا ہوا، میرے ساتھ چلنے کو اٹھ کھڑا
ہوتا ہے، کیونکہ مجھے سکول تک چھوڑنے کی ذمہ
داری اسی کی ہے سو اب ہم چلنے کے لئے بالکل
تیار ہوتے ہیں، وقت کی سوئی مزید آگے سرک
رہی ہوتی ہے، مجھے جانے کی جلدی بھی ہوتی ہے
مگر امی ابو سے دعا لئے بنا گھر سے جانا میرے
لئے ممکن ہی نہیں اس لئے بکس ہاتھ میں لئے امی
سے کچن میں سے ہی دعا لیتی ابو جی کے پاس چلی
آتی ہوں، ان سے دعا سمیٹ کر مسکراتی ہوئی
میں فیضان کے پاس چلی آتی ہوں جو ابھی تک
نیند آنکھوں میں لئے میرے انتظار میں کھڑا ہوتا
ہے، ایسے میں روز کی طرح اسے تھوڑی سی ڈانٹ
پلا دیا کرتی ہوں کہ کب سے جاگے ہوئے ہو مگر
ابھی تک نیند میں ہو، ایسی حالت میں گاڑی چلاؤ
گے تو خود کو نہ صحیح مگر مجھے ضرور گرا دو گے اور روز کی
طرح وہ میری ڈانٹ سن کر یہ کہتا آگے بڑھ جاتا
ہے کہ جناب آپ کب سے جاگی ایکٹیو ہو چکی
ہیں، میں ابھی جاگا ہوں اور ابھی تک نیند میں
ہوں، خیر پیاری بھری اس جان بوجھ کر کی جانے
والی بحث کے ساتھ ہم گھر سے باہر چلے آتے

ہیں، ایک منٹ ذرا ٹھہریں، اس سکول کے ذکر سے آپ کہیں مجھے سکول گرل تو نہیں سمجھ رہے؟ اگر ایسا ہے تو جان لیں میں سکول پڑھنے نہیں پڑھانے جاتی ہوں، جی ہاں، ابھی ایک ماہ پہلے ہی میری انٹرن شپ پر جاب ہوئی ہے، چونکہ میں ایم ایس سی میتھ ہوں اور ڈیڑھ ماہ پہلے ہی ایم ایس سی کمپلیٹ کیا ہے اور خوش قسمتی سے جاب بھی فوراً ہی لگ گئی۔

ٹیچنگ کی میں ہمیشہ سے شوقین رہی ہوں اس لئے جیسے ہی جاب ہوئی میں بڑی خوشی خوشی جوائننگ دے دی، جاب سے پہلے جو اگر اپنے شب و روز کے لئے لکھنا پڑتا تو شاید بس میں اتنا ہی لکھ پاتی کہ صبح کے بعد شام ہو جاتی ہے اور دن ختم ہو جاتا ہے، مگر اب دن اتنا انگیج ہو گیا ہے جس طرح سٹوڈنٹ لائف میں ہوا کرتا تھا، تو اب مصروفیت بھی وہی ہے جو سٹوڈنٹ لائف میں ہوا کرتی تھی، اب دن اچھا مگر حد درجہ مصروف ہو چلا ہے، خیر اب چلیئے سکول کی طرف بڑھتے ہیں، فیضان کو سکول پڑھنے جانا ہوتا ہے سو وہ دس منٹ کا سفر تیزی سے ڈرائیو کر کے پانچ منٹ میں مجھے سکول پہنچا کر واپس چلا جاتا ہے، میں سکول پہنچ چکی ہوتی ہوں آرائیول ٹائم لگا کر سٹاف روم میں چلی آتی ہوں جہاں باقی ٹیچرز سے سلام دعا کے بعد رجسٹر اٹھائے کلاس روم کا رخ کرتی ہوں، اسکول میں اسمبلی کے بعد سے پورا دن میتھ اور فزکس کے پیریڈز لیتے ہوئے کیسے گزرتا ہے وہ ایک الگ ہی احوال بن جاتا ہے جو اگر تحریر کرنے بیٹھی تو شاید پھر صفحے ہی کم پڑ جائیں، اسی لئے بس اتنا کافی ہے کہ میتھ میرا پسندیدہ سبجیکٹ ہے تو تمام بڑی کلاسز میں پڑھا کر کافی اچھا لگتا ہے اور سب سے اچھی بات یہ کہ میری تمام اسٹوڈنٹس بہت اچھی ہیں، اس لئے ان کے ساتھ وقت اچھا گزر جاتا ہے، ڈیڑھ بجے سکول سے چھٹی ہوتی ہے پونے دو بجے تک میں گھر واپس آ جاتی ہوں، تھوڑی سی تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہوتی ہے اسی لئے چینج کہ بعد میں فوراً سو جاتی ہوں، ایک ڈیڑھ گھنٹے کی نیند لے کر جب اٹھتی ہوں تو اچھا محسوس کر رہی ہوتی ہوں، ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد کھانا کھا کر امی کے پاس بیٹھ جاتی ہوں جہاں باقی بہن بھائی بھی موجود ہوتے ہیں، کچھ دیر ان سے گپ شپ کے ساتھ ساتھ چھوٹوں سے ہلکی سی شرارت کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوتی ہوں کیونکہ اب کام کا ٹائم شروع ہو چکا ہوتا ہے، شام ہوتے میں بس تھوڑا ہی وقت باقی ہوتا ہے اس لئے مزید وقت ضائع کیے بنا رات کے لئے آٹا گوندھ کر رکھ دیتی ہوں، ابو آ چکے ہوتے ہیں اور چائے کی فرمائش بھی ہو چکی ہوتی ہے اس لئے حاضر افراد کے لئے چائے بنا کر تمام برتن سمیٹے ان کو دھونے کھڑی ہو جاتی ہوں، اس کام سے فراغت کے بعد شام کی صفائی شروع ہو جاتی ہے، اس دوران عصر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے نماز ادا کر کے میں ٹی وی لاؤنج میں چلی آتی ہوں جہاں دونوں چھوٹے بھائیوں میں روز کی طرح اپنی پسند کا چینل دیکھنے میں جھگڑا ہو رہا ہوتا ہے، میرے وہاں داخل ہوتے ہی دونوں کا رخ میری طرف ہو جاتا ہے۔

آپی مجھے ''ڈورے مون'' (کارٹون) دیکھنے ہیں، اویس نے منہ بسور کر اپنی فرمائش کرتے ہوئے ٹی وی ریموٹ کو مزید اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش ہوتی ہے جبکہ فیضان نے فوراً ہی ناک چڑھا کر اس کی فرمائش کو رد کرنے کی کوشش کی ہوتی ہے۔

''ڈورے مون پرانے آ رہے ہیں جو یہ پہلے دیکھ چکا ہے اسی لئے میں اس کو دوبارہ سے

یہ دیکھنے نہیں دوں گا مجھے اس سے ریموٹ دلا دیں مجھے میچ دیکھنا ہے۔''

اب چونکہ میچ میں مجھے کوئی خاص انٹرسٹ نہیں ہے تو میں بڑے آرام سے تھوڑی سی بے ایمانی کرتی فیضان کو جواب دے کر خود بھی اویس کے ساتھ ڈورے مون دیکھنے بیٹھ جاتی ہوں، تب فیضان ذرا سا چڑ جاتا ہے تبھی ہمیشہ کی طرح اس کی ناراضگی میں ڈوبے الفاظ ابھرتے ہیں۔

''آپ سے کچھ کہنا ہی فضول ہے، خود بھی بچی بن کر کارٹون دیکھنے بیٹھ جاتی ہیں۔''

''ہاں تو تمہارا میچ بھی تو پرانا ہی آرہا ہے ہر بار پرانا دیکھنے بیٹھ جاتے ہو۔''

جس پر وہ احتجاجاً واک آؤٹ کرتا لاؤنج سے باہر نکل جاتا ہے، دل میں ذرا سا افسوس تو ابھرتا ہے اس لئے بس ذرا سی دیر اویس کے ساتھ دے کر میں انصاف کرنے کے خیال سے ریموٹ فیضان کے حوالے کیے خود باہر آجاتی ہوں جہاں رات کی روٹی بنا کر کچن سمیٹتی ہوئی باہر آجاتی ہوں، اب ابو اور بھائی لوگوں کے آنے سے پہلے تک کا وقت سارا فراغت کا ہوتا ہے جس میں کبھی موڈ بنے تو کوئی بک پڑھ لیتی ہوں یا ٹی وی دیکھ لیتی ہوں ورنہ اگلے دن کے لیکچر کو ایک نظر دیکھ کر تسلی کر لیتی ہوں، مغرب کے بعد سے ہلکی سے نیند آنکھوں میں بسیرا کرنے کو تیار ہوتی اور لائٹ بھی جا چکی ہوتی ہے، اس وقت میں ہر بار یکا ارادہ کرتی ہوں کہ آج تو ضرور کچھ نیا لکھ لوں گی مگر مہربانی ہو نیند کی جو ہر بار اس ارادے کو کل پر ڈال دیتی ہے یہی وجہ ہے ان دنوں لکھنا جیسے بالکل بند ہو کر رہ گیا ہے، اب جب آہستہ آہستہ جاب میں سیٹ ہوتی جارہی ہوں تو انشاء اللہ کوشش کروں گی کہ زیادہ نہ صحیح روز ایک آدھا صفحہ لکھ لیا کروں، سوئی جاگی کیفیت میں بھائی کا انتظار کر رہی ہوں تا کہ جب وہ دودھ لے کر آئیں تو گرم کر دوں، نو بجے تک بھائی کی آمد ہوتی ہے مجھے نیند سے جگا کر وہ چلے جاتے ہیں اور میں آدھ کھلی آنکھوں کے ساتھ کچن میں آن کھڑی ہوتی ہوں، دودھ گرم کر کے میں عشاء کی نماز ادا کرتی ہوں، لائٹ آنے کے ساتھ بھائی اور ابو آچکے ہوتے ہیں ان کو کھانا سرو کرنے کے بعد ان کے لئے چائے بناتی ہوں، پھر اگلے دن کے لئے کپڑے پریس کرتی ہوں، سب چائے سے فارغ ہوتے ہیں تو تمام برتن سمیٹ کر کچن میں چلی آتی ہوں، ٹی وی پر چونکہ اب بھائی لوگوں کا قبضہ ہوتا ہے تو جو بھی وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں تھوڑی سی دیر ان کا ساتھ دینے کے لئے بیٹھ جاتی ہوں، اس دوران ٹی وی کے ساتھ ساتھ سیل فون بھی چیک کر لیتی ہوں، جب نیند سے بے حال ہونے لگتی ہوں تو ان کو۔ سب کو شب بخیر کہتی اپنے کمرے کی طرف چل دیتی ہوں جہاں میرا پیارا بستر میرا منتظر ہوتا ہے

مگر بالکل بے خبر ہونے سے ذرا پہلے میں کچھ منٹس اپنا احتساب کرنے میں زور لگاتی ہوں کہ آج دن بھر میں نے کیا کیا، اگر کسی غلطی کا احساس ہوا تو تو اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتی آئندہ غلطی نہ کرنے کا ارادہ کرتی آیت الکرسی پڑھ کر سو جاتی ہوں۔

تو جناب یہ تھا میرے شب و روز کا حال مجھے اپنا دن گزار کر اچھا لگتا ہے، آپ کو میرے ساتھ دن گزار کر کیسا لگا؟ ضرور بتائیے گا، سپیشلی یہ ضرور بتائیے گا کہ پورے دن میں کون سا لمحہ میرے ساتھ گزار کر آپ کو مزا آیا؟ انشاء اللہ پھر کسی سلسلے یا تحریر کے ساتھ آپ سے ملاقات ہو گی، جب تک کے لئے اللہ نگہبان۔

☆☆☆

تیسویں قسط کا خلاصہ

نصع کی طلاق کے باعث شاہ ہاؤس کے مکین شدید صدمے سے دو چار ہیں، ایسے میں تیمور اپنی بد فطرت کو ظاہر کرتے ہوئے یہ ٹینشن مزید بڑھاتا ہے اور زینب سے ملنے کی کوشش کر کے معاملے کو گمبیھر تر بناتا ہے، ایسے میں پپا جان حالات کی نزاکت کے پیش نظر اک فیصلہ کرتے ہیں، جہان سے زینب کے نکاح کا فیصلہ۔

جہان ثرالے کی بیماری کے متعلق جان کر خود کو فضا میں معلق محسوس کرتا ہے۔

جہان ثرالے کو کھونے کے تصور سے ہراساں ہے، ایسے میں ثرالے اسے زینب سے نکاح کو فورس کرتی ہے، صرف وہی نہیں جب معاذ بھی وہی بات کہتا ہے اور اس کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ یہ پپا جان کی خواہش تو جہان کے پاس انکار کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔

معاذ اور پریتیاں کے تعلقات کی سرد مہری جہان کی بہتری کی کوشش اور معاذ کو سمجھانے بجھانے کے باوجود بڑھتی جاتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چونتیسویں قسط

کمال ضبط کو میں خود بھی تو آزماؤں گی
میں اپنے ہاتھ سے اس کی دلہن سجاؤں گی
سپرد کرکے اسے چاندنی کے ہاتھوں میں
میں اپنے گھر کے اندھیروں میں لوٹ آؤں گی
بدن کے کرب کو وہ بھی نہ سمجھ پائے گا
میں دل میں روؤں گی آنکھوں میں مسکراؤں گی
وہ کیا گیا کہ رفاقتوں کے سارے لطف گئے
میں کس سے روٹھ سکوں گی کسے مناؤں گی
وہ ایک رشتہ بے نام بھی نہیں لیکن
میں اب بھی اس کے اشاروں پہ سر جھکاؤں گی
بچھا دیا تھا گلابوں کے ساتھ اپنا وجود
وہ سو کے اٹھے گا تو خوابوں کی راکھ اٹھاؤں گی
اب اس کا فن تو کسی اور سے منسوب ہوا
میں کس کی نظم اکیلے میں گنگناؤں گی
جواز ڈھونڈ رہا تھا وہ نئی محبت کے
وہ کہہ رہا تھا میں اس کو بھول جاؤں گی

اس نے گہرا سانس بھر کے پروین شاکر کی بک کو بند کیا تو سرورق کے چکنے کاغذ پر اس کی نوک مژگاں سے بکھرنے والے آنسو پھیل کر دور تک لڑھکتے چلے گئے، دکھ سے بوجھل مسکان اس کے ہونٹوں پر اتری تھی، شام سے اب تک وہ کتنی بے چین تھی، کس درجہ وحشت زدہ، دھیان کے تمام پنچھی لمحہ لمحہ اڑان بھرتے رہے تھے۔

''اب وہ تیار ہو رہے ہوں گے، اب نکاح ہوا ہوگا، اب زینب کو کمرے میں لایا گیا ہوگا، اب شاہ ہاؤس آئے ہوں گے، دونوں نے پتہ نہیں کیا بات کی ہوگی، پھر عہد وفا سے پہلے غلطیوں کا اعتراف کچھ آنسو پھر مسکراہٹ، روٹھنا منانا اور پھر......'' اس کے آگے کی تمام سوچیں اس کے وجود میں گھٹن بھر جاتیں تو دل میں وحشت سے بھرا ہوا احساس، وہ ہر بار سر جھٹکتی اور ہر بار خود کو جھڑکتی۔

اسے کم ظرف ہو کر نہیں سوچنا تھا، اسے خود سے اپنے دل کو بھی وسیع کرنا تھا، مگر کرب ایسا تھا گھبراہٹ اتنی شدید تھی کہ اس کی ہر کوشش ناکام جا رہی تھی، کتنی بار پوری شدت سے دل چاہا تھا جہان سے بات کرے مگر اس نے ہر بار خود کو سختی سے روک لیا تھا، آج کے دن اس نے جہان کو ہرگز نہیں پکارنا تھا، آج کی رات اس نے جہان کو اپنی یاد نہیں دلانا تھی، یہ اس کا خود سے عہد تھا جو اسے ہی خون رلائے جا رہا تھا، جب یہ وحشت کچھ اور بھی سوا ہونے لگی، تب وہ وضو کی نیت سے واش روم میں بند ہو گئی تھی، باہر آئی تو کمرے میں مسز آفریدی کو موجود پا کر قدرے حیران ہوئی تھی۔

''ممی آپ اس وقت؟ خیریت آپ سوئی نہیں؟''

''یہی سوال میں تم سے کرنے آئی ہوں، ایک بج رہا ہے اور تم ابھی تک پھر رہی ہو۔'' ان کے سوال

پہ ژالے نے بے ساختہ نظریں چرالیں۔

''مجھے نماز پڑھنی ہے ممی! پھر سونا ہی ہے۔''

''نمازی تو میری بیٹی پہلے بھی تھی اب کچھ زیادہ ہی عبادت گزار نہیں ہو گئی؟'' انہوں نے چھیڑا تھا، ژالے بوجھل دل سے ذرا سا مسکرائی۔

''میں محسوس کر رہی ہوں ژالے تم اپ سیٹ ہو، نہ ڈھنگ سے کچھ کھاتی ہو نہ میرے پاس بیٹھتی ہو، مجھے تو لگتا ہے جیسے روئی بھی ہو تم، جہان نے تو کچھ نہیں کہا تمہیں؟'' ان کی گہری نظریں جیسے اندر تک اتر کر بھید پانے کی جدوجہد میں معروف تھیں، ژالے کو بے چینی نے آن لیا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے ممی، بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' اس نے جیسے جان چھڑانا چاہی، مسز آفریدی نے ہنکارا سا بھرا۔

''چھ ماہ ہوا ہے میں تمہاری شادی کو مگر تم ابھی تک پریگنٹ نہیں ہوئیں، کل چلنا میرے ساتھ میں تمہارا چیک اپ کرانا چاہوں گی، جہان کا رویہ تو بہتر ہے نا تمہارے ساتھ؟'' مسز آفریدی کی باتوں نے ژالے کے چہرے کو دہکا ڈالا تھا، اس نے خفت زدہ انداز میں نظریں جھکا لیں اور بے حد عاجز ہو کر بولی تھی۔

''مجھے آپ کا شاہ پہ شک کرنا اچھا نہیں لگتا ممی، وہ صاف گو اور کھرے دیانتدار انسان ہیں، اولاد کے معاملے میں دیر اللہ کی طرف سے ہے۔''

''او کے او کے تم نے تو برا مان لیا، میری جان میں بھول جاتی ہوں تم اپنی ماں سے زیادہ اپنے شوہر سے محبت کرتی ہو۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے کہہ کر اس کا گال تھپتھپایا تھا اور اسے نیک تمناؤں سے نوازتی پلٹ گئیں، ژالے گہرا سانس بھر کے جائے نماز بچھا رہی تھی۔

''بے شک اللہ کی یاد میں ہی دلوں کا سکون پوشیدہ ہے۔'' وہ اس بات کو جانتی تھی۔

☆☆☆

ہاسپٹل کی شفاف راہداری میں اس پل موت کا سناٹا طاری تھا، رات کا تیسرا پہر تھا اور ہر سو ہو کا عالم، بس ماحول میں کبھی کبھار کسی اسٹیچر کے گھسیٹنے یا پھر کسی وارڈ بوائے کے جوتوں کی سرک سرک سنائی دے جاتی، ایمر جنسی آپریشن روم کا دروازہ بند تھا اور وہ سب باہر ایک اضطراب اور وحشت کے عالم میں موجود اپنی سوچوں میں گم تھے، سیڑھیاں چڑھتے ہوئے جانے کیسے پرنیاں کا پیر مڑ گیا تھا اور وہ سنبھلے بغیر گرتی چلی گئی تھی، یہ اس کی کربناک اور دلخراش چیخیں ہی تھیں جس کی وجہ سے آن کی آن میں گھر بھر کے سارے افراد اس کے گرد جمع ہو گئے تھے، جو ہر لمحہ اپنے ہی خون میں ڈوبتی جا رہی تھی، بس پھر گھبراہٹ تھی ایک بدحواسی اور افراتفری سی پھیلی تھی ہر سو اور اسے بہت عجلت میں ہاسپٹل لے جایا گیا تھا، معاذ ابھی کچھ دیر قبل ہی گھر سے نکلا تھا، کہاں کوئی بھی نہیں جانتا تھا، آپریشن سے پہلے چند پیپرز پہ اس کے سگنیچر کی ضرورت پڑی تھی اور جہان اس سے رابطہ کرتا ہار گیا تھا، پھر اس کی زندگی یا موت کے اس پروانے پہ پپا کے سائن لے لئے گئے تھے، پچھلے تین گھنٹے سے آپریشن روم میں گئے ہونے کے آئے تھے اور پیچھے سب کی جان سولی پہ لٹکی ہوئی تھی، معاً راہداری کے سرے پہ بھاری قدموں کے دوڑنے کی آواز ابھری اور اگلے چند لمحوں میں معاذ ان کے سامنے تھا، چہرے پہ ہراس آنکھوں میں اک انجانا سا خوف لئے وہ کتنا

مختلف لگ رہا تھا اس معاذ سے جس سے پچھلے کئی مہینوں سے جہان واقف تھا۔
''کیا ہوا ہے اسے؟ زیادہ کہہ رہا تھا سیڑھیوں سے گری ہے۔'' اس کی آواز میں بھی اندیشے سرسراتے تھے، جہان کے ہونٹوں سے سرد آہ برآمد ہوئی تھی۔
''ڈونٹ یو وری، ڈاکٹرز نے بچے کی طرف سے مکمل اطمینان دلایا ہے، سارا خطرہ تو پرنیاں کی جان کو ہے۔'' جہان عادت کے برخلاف اس پہ طنز کر گیا تھا، وہ اس کی پرنیاں کی جانب سے برتی جانے والی بے رغبتی اور بے سلوکی پہ بے تحاشا کڑھتا تھا۔
''کیا کہنا چاہتے ہو؟'' معاذ کے دل کو دھکا سا لگا تھا، جہان کے ہونٹوں پہ زہر خند پھیل گیا۔
''تمہیں اپنے بچے کی فکر ہے نا؟ اسے کچھ نہیں ہوگا نا امیدی تو ڈاکٹرز نے پرنیاں کی طرف سے دلائی ہے۔'' جہان آج اسے ہرگز معاف کرنے کے موڈ میں نہیں لگتا تھا، معاذ یکلخت سکتے میں آ گیا، جہان خفگی سے اسے دیکھتا پاپا کی جانب چلا گیا جو اشارے سے اسے پاس بلا رہے تھے جبکہ معاذ یوں دیوار کے سہارے بیٹھتا چلا گیا تھا جیسے جسم سے کسی نے ساری توانائی ایک لمحے میں نچوڑ لی ہو۔
''یہ ٹائی اس سوٹ کے ساتھ اچھی لگے گی، پریس کر دوں؟''
صبح جب وہ تیار ہونے لگا تھا تو پرنیاں نے جان بوجھ کر اسے مخاطب کیا تھا، پچھلے کچھ دنوں سے وہ اس میں بہت نمایاں تبدیلی محسوس کر رہا تھا، وہ ہر وقت اس کے آگے پیچھے پھرنے لگی تھی، ہر کام بھاگ بھاگ کر خود سرانجام دینے کی کوشش کرتی، معاذ نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی مگر اس وقت جھنجلا گیا تھا۔
''تم سے میں نے مشورہ نہیں مانگا اور ہر وقت سر پہ کیوں سوار رہنے لگی ہو میرے۔'' وہ جھڑک کر بولا تو پرنیاں کا چہرا ایک دم سے دھواں دھواں ہو گیا تھا، ہونٹ کچلتی ہوئی وہ یوں پلکیں جھپکنے لگی تھی جیسے آنسو ضبط کر رہی ہو۔
''اب کیا ہے؟ جاؤ نا۔'' وہ چیخا تھا، پرنیاں گھبرا کر دو قدم پیچھے ہوئی پھر قدرے ہچکچا کر مگر سہمے ہوئے انداز میں بولی تھی۔
''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔''
''ہاں تو بولو، یوں معصومیت کا تاثر دینے کی کیا ضرورت ہے، اچھی طرح جانتا ہوں جو حقیقت ہے تمہاری۔'' وہ اسی خراب موڈ کے ساتھ تلخ و ترش انداز میں بولا تھا، پتہ نہیں اسے اتنا غصہ کیوں آ رہا تھا اس پہ۔
''مجھے آپ سے معافی مانگنی ہے، مجھے اس اعتراف میں عار نہیں ہے کہ میں نے آپ کی بہت نافرمانی کی، پلیز مجھے معاف کر دیں۔'' بھیگی آواز میں کہتے اس نے باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے، معاذ جہاں حیران ہوا تھا اس کی اس حرکت پہ وہاں زہر سے بھی بھر گیا تھا۔
''اب یہ کوئی نیا ڈرامہ ہے تمہارا؟ تم اور معافی تمہاری اکڑ نے اجازت کیسے دے دی اس کی؟''
اس کا لہجہ کاٹ دار اور گہرا طنز سموئے ہوئے تھا، پرنیاں کا چہرا پھیکا پڑنے لگا۔
''ایک دو دن میں میری ڈلیوری متوقع ہے، یہ بہت نازک وقت ہوتا ہے، میں چاہتی ہوں اپنی سابقہ ساری خطائیں معاف کرا لوں۔'' اس کی وضاحت پہ معاذ تمسخر سے ہنس پڑا۔
''یہ سبق بھی یقیناً تمہیں ممانے دیا ہوگا ہے نا، ورنہ تمہاری انا کو کہاں گوارا ہو سکتا تھا، خیر بے فکر رہو

بہت سخت جان ہو تم، مروگی ہرگز نہیں، میری جان اتنی آسانی سے نہیں چھوٹنے والی تم سے۔" پتہ نہیں اس وقت وہ اتنا بے رحم اور سفاک کیوں ہو گیا تھا کہ اسے نہ پرنیاں کے زرد پڑتے چہرے پہ ترس آیا نہ اس کی آنکھوں میں امڈتی نمی پہ اور اب اپنی ہی بے رحم آواز کی بازگشت اسے سنائی دی تھی تو دل میں وحشت سی بھر گئی، اسے احساس تک نہ ہو سکا اور اس کی آنکھوں سے کتنے ہی آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرتے چلے گئے، ضد...... انا...... اور خودی کے زعم میں جتلا وہ کیا کھونے جا رہا تھا، اسے احساس ہوا تو جیسے پاگل ہونے لگا تھا۔

"معاذ...... رو رہے ہو تم؟" جہان کی اس پہ نگاہ پڑی تو اسے بچوں کی طرح سسکیاں بھرتے دیکھ کر وہ قریب آ کر ششدر سا بولا تھا، جواب میں معاذ اس کے کاندھے سے لگ کر خود پہ پوری طرح ضبط کھو بیٹھا تھا۔

"میں مر جاؤں گا بھائی جان اگر اسے کچھ ہوا، وہ ٹھیک تو ہو جائے گی نا بھائی جان؟" اس کی آنسوؤں سے بھیگی بھرائی ہوئی آواز میں کتنے خدشوں کی یلغار تھی، جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا تھا، کیا چیز تھا وہ؟ اسے قطعی سمجھ نہیں آ سکی۔

"اللہ سے دعا کرو معاذ، سب کچھ اسی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے، دعا کرو اللہ پرنیاں کی مشکل کو آسان بنا کر اسے صحت اور زندگی سے نواز دے۔"

جہان خود بے تحاشا مضطرب تھا مگر اس پل اس بہت رسان سے کہہ رہا تھا، معاذ کچھ دیر ساکن سا اس کے ساتھ لگا رہا پھر آہستگی سے الگ ہو گیا، کچھ کہے بغیر وہ بے آواز قدموں سے پلٹا تھا اور وضو کر کے جائے نماز کا اہتمام کیے بنا ہی سجدے میں گر گیا تھا، اسے نہیں پتہ تھا اس نے کس انداز میں اور کیسے رب کو پکارا تھا اسے بس یہ یاد تھا اس نے اللہ سے صرف ایک ہی التجا کی تھی، وہ تھی پرنیاں کی زندگی کی دعا۔

☆☆☆

فجر کی اذان کی پہلی پکار فضا میں گونجی تھی، جب جہان دوبارہ شاہ ہاؤس واپس آیا تھا، پورے شاہ ہاؤس کی لائٹس آن تھیں، نوریہ حوریہ اور پھپھو بھی رات سے نکاح کی تقریب کے باعث ادھر ہی تھیں ابھی بھی آتے ہوئے اس نے سامنے گیٹ پہ تالا دیکھا تھا بائیک پورٹیکو میں کھڑی کر کے وہ اندرونی حصے کی جانب آیا تو سب سے پہلا سامنا زنب سے ہی ہوا تھا، آف وائیٹ شفون کے خوبصورت سی کڑھائی سے آراستہ سوٹ میں ملبوس ہمرنگ دوپٹہ نماز کے اسٹائل میں لپیٹے وہ جیسے اسی کی منتظر تھی اسے دیکھتے ہی ایک دم کھڑی ہو گئی۔

"پرنیاں کیسی ہے؟"

نکاح کے بعد یہ باضابطہ دوسرا سامنا تھا جہان کا اس سے، اس سے پہلے جب وہ اندر آیا تھا تو وہ نوریہ سے الجھ رہی تھی، جہان خود آتے ہوئے ممانے فاطمہ کو لے کر آیا تھا، بغیر کچھ کہے فاطمہ کو آگے بڑھ کر اس کی گود میں ڈال دیا، نوریہ کترا کر کب کی باہر نکل گئی تھی۔

"آپ کے ساتھ جتنی زبردستی ہونی تھی ہو گئی، مزید جبر کرنے کی خود پہ ضرورت نہیں، مجھے اور میری بیٹی کو آپ سے کچھ نہیں چاہیے ہوگا۔" وہ اسے دیکھے بغیر اس سے مخاطب ہوئی تھی، جہان کچھ چونک کر رہ گیا تھا۔

''کیسی زبردستی؟'' اسے خفقان سا ہونے لگا۔

''کیا آپ اپنا بھرم رکھنا چاہتے ہیں میرے سامنے؟ یہ بہت فضول بات ہو گی، میں جانتی ہوں آپ ژالے سے محبت کرتے ہیں اور......''

''اور......؟'' جہان نے سوالیہ مگر سرد نظروں سے اسے دیکھا وہ اس کی پوری بات سننا چاہتا تھا۔

''اور یہ کہ تیمور کی بدتمیزیوں اور دھمکیوں کی وجہ سے پریشان ہو کر مما پپا نے آپ کے سر پہ مجھے مسلط کر دیا۔'' وہ زہرخند سے بولی تھی، جہان نے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے، اسے قطعی سمجھ نہ آسکی وہ اس صورتحال میں اب کیا کردار ادا کرے، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا نیچے ایک دم سے شور و پکار مچ گیا تھا، جہان کسی طرح بھی خود کو نیچے جانے سے روک نہیں سکا، وہاں کا منظر بہت دلدوز تھا، پرنیاں کی حالت اتنی خراب تھی کہ وہ اسی وقت بے ہوش ہو چکی تھی، جہان ہی پپا اور پپا جان کے ساتھ مما کے ہمراہ اسے ہاسپٹل لے کر گیا تھا۔

''بول کیوں نہیں رہے ہیں آپ؟ کچھ پوچھا ہے میں نے، سب خیریت ہے نا؟'' جہان کو سوچوں کی اتھاہ سے زینب کی تیز آواز نے نکالا تھا، وہ اس کی خاموشی پر ہراساں نظر آ رہی تھی، جہان چونکا اور قدرے شرمندہ سا ہو کر رہ گیا۔

''ہاں پرنیاں ٹھیک ہیں، اللہ نے بیٹے کی نعمت سے نوازا ہے۔''

''اوہ! تھینک گاڈ، ایک لمحہ گویا سولی پہ لٹک کر گزر رہا ہے، نمبر ملاتے انگلیاں گھس گئیں، فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے آپ؟ بات کرنے کا مجھے بھی شوق نہیں پڑا ہوا، مگر پریشانی ہی ایسی تھی۔'' وہ ذہنی اضطراب سے نکلی تو پھر سے سلگتے کوئلے کی طرح چٹخنے لگی، جہان کی خفت میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

''سوری فون سائلنٹ پہ تھا، پریشانی میں خیال ہی نہیں آسکا۔'' اس کی وضاحت پہ زینب نے تیوری چڑھائی تھی۔

''ہاں خیال کیوں آئے گا، پچھلوں کی پریشانی کی کسی کو کیا پرواہ۔''

''آئیم سوری، آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔'' جہان نے جیسے جان چھڑانا چاہی مگر چھوٹنے کی بجائے گرفت سخت ہو گئی۔

''کیا مطلب ہے؟ خدا نہ کرے کہ پھر سے ایسی سچویشن سے دوچار ہونا پڑے۔'' وہ اسے گھور کر بولی تھی، جہان کا دل اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا تھا، وہ لگتی تھی ایک رات کی دلہن؟ نہ جھجک نہ شرم نہ گریز، وہ تو جیسے اس نئے بندھنے والے بندھن سے ہی سرے سے بے نیاز تھی۔

جہان کو عجیب سی جھنجھلاہٹ نے آن لیا، بھابھی کو ہاسپٹل لے جانے کے لئے سوپ اور ناشتہ تیار کرنے کا کہتا وہ اپنے کمرے میں آ گیا، وارڈ روب سے کپڑے نکالے اور نہانے گھس گیا، اس کے بعد نماز ادا کی تھی پھر آ کر بستر پہ لیٹا تو اس کے اعصاب شدید کشیدگی اور تھکن کے باعث تناؤ کا شکار تھے، فاطمہ وہیں سو رہی تھی، جہان نے کروٹ بدلی تو نگاہ گلابی سیٹ کی خوبصورت سی فراک میں معصوم پری پر جا پڑی، وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا، وہ ہو بہو زینب کی کاپی تھی، وہی غلافی آنکھیں ویسی ہی ننھی سی مگر ستواں ناک گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک ہونٹ صبیح پیشانی اور میدے جیسی بے حد اجلی رنگت، جہان کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی، اس نے ہاتھ بڑھایا تھا اور احتیاط اور نرمی کے ساتھ بچی کو اٹھا کر

اپنے سینے پہ لٹا لیا، پھر اسی شفقت اور محبت سے بار بار اس کی پیشانی کو چوما، وہ ذرا سا کسمسائی اور پھر سے گہری نیند سو گئی، جہان کو اپنی تھکان اور کلفت دور ہوتی محسوس ہوئی تھی، ایک عجیب سا سکون تھا جو اس کے اندر سرائیت کرتا جا رہا تھا، فاطمہ کے لئے اس کے دل میں محبت کے سوتے اس وقت بھی پھوٹے تھے جب پہلی بار اس نے اسے دیکھا تھا۔

دل کی گہرائیوں سے یہ خواہش ابھری تھی کہ وہ تیمور کی نہیں اس کی بیٹی ہوتی، پتہ نہیں اس خواہش میں کتنی شدت تھی کہ وہ حالات کے چکر میں آ کر اس تک پہنچ گئی تھی، اسے اس کا باپ ہونے کا درجہ دے دیا گیا تھا۔

سیل فون پہ میسج ٹون بجی تھی، جہان چونک سا گیا، سیل بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ موجود تھا اور اس کی اسکرین روشن تھی، جہان نے فون اٹھایا اور اس کی اسکرین کو انگلی سے چھوا، ان باکس کھل گیا تھا، کمپنی کی طرف سے کسی پرکشش آفر کی پیشکش تھی، جہان نے میسج ڈیلیٹ کیا اور ژالے کا نمبر ملا لیا تھا۔

''کیسی ہو بنی؟'' اس نے سلام کے بعد بہت خوشدلی سے اس کی خیریت دریافت کی تھی۔

''آپ اتنی جلدی اٹھ گئے شاہ؟'' دوسری جانب یکلخت خاموشی چھائی تب جہان ایکدم سے سنبھلا۔

''پچھلی رات پرنیاں کی طبیعت خراب ہو گئی تھی، ہاسپٹل لے جانا پڑا۔'' وہ جانے کیوں وضاحت دے رہا تھا۔

''خیریت سے ہیں نا پرنیاں؟''

''الحمدللہ، بیٹا ہوا ہے معاذ کا۔'' وہ مسکرا کر بتا رہا تھا، دوسری جانب ژالے ایکدم پر جوش ہو کر اسے مبارکباد دینے لگی تھی۔

''تھینکس بنی، پرنیاں اور معاذ کے ساتھ چاچو چاچی اور مما پاپا جان کو بھی مبارکباد دینا۔'' وہ اسے نصیحت کر رہا تھا، ژالے ہنس دی تھی۔

''یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے، میں ابھی فون کرتی ہوں، یہ بتائیں زینی آپا کیسی ہیں؟'' ژالے نے یہ سوال کرنے سے قبل پتہ نہیں خود پہ کتنا جبر کیا ہو گا، جہان کو ایکدم چپ سی لگ گئی۔

''بولیں نا؟'' وہ اصرار کر رہی تھی۔

''یہ سوال بہتر ہے تم اسی سے پوچھ لینا۔'' جہان نے جواباً بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''ان سے تو آپ کے متعلق کروں گی نا؟ آپ بتائیں آپ کو کیسی لگی ہیں وہ؟'' پتہ نہیں وہ اپنا ضبط آزما رہی تھی کہ اس کا جہان کو قطعی سمجھ نہیں آ سکی مگر وہ جھنجھلانے لگا تھا۔

''اگر یہ مذاق ہے تو مجھے پسند نہیں آ رہا ہے ژالے۔'' جہان نے اسے ٹوک دیا تھا، ژالے ہنستی چلی گئی، پھر فون بند کر دیا، جہان عجیب سا محسوس کرنے لگا، وہ یونہی ساکن پڑا تھا جب زینب نے اندر قدم رکھا تھا، سوئی فاطمہ پہ نگاہ پڑی تو ایکدم ٹھٹکی اور کچھ دیر یونہی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی، مگر جہان اس کی آمد سے بھی گویا بے خبر کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا۔

''بھابھی نے ناشتہ تیار کر دیا ہے، آپ ہی لے کر جائیں گے نا ہاسپٹل؟'' فاطمہ کی فیڈر اٹھاتے ہوئے اس نے جہان کو مخاطب کیا تب وہ چونکا تھا اور گہرا سانس بھر کے اسے دیکھا وہ اب جھک کر فاطمہ

کو اُٹھا رہی تھی، جہاں کی نظریں اس پہ ٹھہر گئیں، رات بھر کی جگار تا اور اس سے پہلے کی گریہ وزاری نے اس کی آنکھوں کے پپوٹوں پہ سوجن اتار دی تھی، اور ایسے میں ہمیشہ اس کی آنکھوں کی خوبصورتی کا عالم ہی اور ہوا کرتا تھا، لمبی ریشمی پلکوں کو اٹھنا گرنا جہان مکمل طور پہ اس میں محو ہو رہا تھا جب وہ ایکدم سے متوجہ ہوئی اسے اس طرح خود میں مگن پا کر زینب کی رنگت میں تغیر پیدا ہوا تھا، وہ یکلخت فاطمہ کو چھوڑ کر سیدھی ہوئی پھر دو قدم پیچھے ہو گئی تھی۔

''فاطمہ کو مجھے دیں، چینج کرانا ہے اسے۔''

اسے دیکھے بغیر وہ کسی قدر سخت لہجے میں بولی تھی، جہان جیسے ایکدم سے ہوش میں آ گیا، خود کو کمپوزڈ کرتا ہوا وہ سیدھا ہوا تھا اور جیسے خود کو ملامت کرنے لگا، اس کا خیال غلط نہیں تھا، وہ واقعی اس کی قربت میں ڈالے کو تو کیا خود اپنے آپ کو بھی بھول رہا تھا، اس کے لئے وہ آج بھی وہی سحر رکھتی تھی جس کے سامنے جہان مسمرائز ہو جایا کرتا تھا۔

''بات سنیں جی۔'' فاطمہ کو بستر پہ لٹا کر وہ خود اٹھا تھا اور سلیپر پیروں میں ڈال کر دروازے کی جانب پیش قدمی کر چکا تھا جب زینب کی پکار پہ گہرا سانس کھینچ کر تھم کر اسے دیکھا۔

''یہ آپ یہاں بھول کر جا رہے ہیں، اچھا خاصا قیمتی ہے، سنبھال کر رکھنا چاہیے آپ کو۔'' اس کے ہاتھ میں وہ مخملیں کیس تھا، جس میں وائٹ گولڈ کا ڈائمنڈ جڑا وہ بے حد حسین لاکٹ تھا جو زیڈ کی شیپ میں بنا ہوا تھا، بہت سال قبل دل کی اس البیلی سی خواہش پہ اس نے دوبئی کے مہنگی ترین جیولری شاپ سے یہ لاکٹ خریدا تھا اور سنبھال کر کسی بے حد حسین اور مناسب وقت کے لئے رکھ لیا تھا، وہ خواہش جس کے ادھورے رہ جانے سے دل دھویں اور کرچیوں سے بھر گیا تھا۔

وہ چاہتا تو یہ ڈالے کو بھی دے سکتا تھا، زینب کی طرح اس کا نام بھی زیڈ سے شروع ہوتا تھا مگر چاہنے کے باوجود ایسا نہیں کر سکا تھا اور کل لاکر سے رقم نکالتے یہ اس کے ہاتھ آیا تو اس نے نکال کر دراز میں رکھ دیا تھا، مقصد واضح تھا، وہ زینب کو ہی دینا چاہتا تھا مگر ایک بار پھر اسے موقع نہیں مل سکا تھا۔

''رکھ لو، یہ تمہارے لئے ہی ہے۔'' جہان نے گہرا سانس بھر کے جواب دیا تو زینب کے چہرے پہ ایکدم سے بھرپور تلخی چھا گئی تھی۔

''اتنا بے وقوف سمجھ رکھا ہے مجھے، ہماری شادی نہ تو باقاعدہ پلاننگ سے ہوئی ہے نہ آپ اس کام کے دل و جان سے منتظر تھے کہ مجھے اس قسم کی باتوں میں سچائی محسوس ہوگی، یہ ڈالے کا ہے آپ اسے ہی دیجئے گا، مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کی چیز پہ اپنا نام لکھوانے کی۔'' وہ تلخی اور تنفر سے کہتی چلی گئی تھی، لہجہ رعونت سے بھرپور تھا، جہان کا تو جیسے دماغ گھوم کر رہ گیا تھا، یعنی حد تھی کوئی بدگمانی کی بھی اور توہین کی بھی۔

''مجھے بھی کوئی ضرورت نہیں ہے جھوٹ بول کر تمہاری نظروں میں معتبر ہونے کی، جہاں تک ڈالے کی بات ہے تو یہ لاکٹ ہی نہیں جہانگیر حسن بھی پہلے اسی کا شوہر بنا ہے، کس کس سے اجتناب برتو گی۔'' اتنا ہی غصہ آیا تھا اسے کہ اپنی بات مکمل کر کے رکے بغیر باہر نکلتا چلا گیا، الفاظ کی سنگینی کے اثرات دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

''تم تھوڑا آرام کر لیتے جہان، ذرا ٹھہر کے چلے جاتے، یہ ناشتہ وغیرہ میں حسان یا زیاد کے پاس

بجھوادیتی۔'' وہ کچن میں آیا تو بھابھی نے اس کی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر رسان سے کہا تھا، شاید نہیں یقیناً انہیں اس کی بے آرامی سے بڑھ کر اس پوزیشن کا خیال تھا جو کل رات کے بندھنے والے بندھن کے بعد کی متقاضی تھی، جہان نے ان سنی کرتے ہوئے ان کے ہاتھ سے ٹفن کیریئر لے لئے۔

''زینب نہیں چل رہی تمہارے ساتھ؟ مجھے تو اس نے کہا تھا وہ بھی جائے گی پرنیاں کو اور بچے کو دیکھنے۔'' بھابھی کی بات پہ جہان عجیب مخمصے میں پڑ گیا۔

''مجھے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی اس نے۔''

''تم رکو میں پوچھ کر آتی ہوں۔'' بھابھی نے چولہے کی آنچ دھیمی کی تھی اور پلٹ کر باہر جا رہی تھیں کہ زینب خود وہاں چلی آئی۔

''زینی تم جہان کے ساتھ نہیں جا رہی ہو ہاسپٹل؟'' بھابھی نے اسے اسی گھریلو حلیے میں دیکھ کر حیرت بھرے انداز میں استفسار کیا تھا۔

''نہیں۔'' جواب مختصر مگر سرد تھا۔

''مگر تم تو کہہ رہی تھیں......''

''غلط کہہ رہی تھی، ضروری تو نہیں کہ مہر لگادی جائے، فی الحال نہیں جانا مجھے۔'' وہ کس قدر غصے میں آکر بولی تھی، جہان جو اسی کے جواب کا منتظر تھا ہونٹ بھینچے کچن سے نکل گیا تھا، وہ کتنی دیر تک برتن پٹخ کر اپنا غصہ نکالتی رہی تھی۔

☆☆☆

تازہ گلاب کی دلفریب مہک اور موی پیپر کی مہین سی کھڑکھڑاہٹ پہ پرنیاں جو نڈھال سی پڑی تھی بے اختیار آنکھیں کھولنے پہ مجبور ہوئی تھی، بلیک ٹو پیس میں گلے میں جھولتی ٹائی جس کی ناٹ ڈھیلی کی گئی تھی اور کالر کا اوپر کا بٹن بھی کھلا تھا وہ اس کے سرہانے کھڑا پھولوں کا بکے اس کے پاس رکھ رہا تھا، پرنیاں کی پلکیں اسی زاویے پہ ساکن ہو گئی تھیں، ہلکی بڑھی ہوئی شیو، بکھرے ہوئے بال اور بے تحاشا سحر انگیز آنکھوں میں ٹھہری بے تحاشا سرخی...... وہ اس حلیے میں بھی بے تحاشا دلکشی اپنے اندر رکھتا تھا۔

''پری کیسی ہو؟'' وہ کرسی کی بجائے اس کے بیڈ کے کنارے آکر ٹکا تو جیسے تمام فاصلے ایک دم سے سمٹ گئے، پرنیاں کی حیرت اس کے چہرے سے ہی نہیں آنکھوں سے بھی چھلکی تھی، اس نے متحیر سی نظروں سے اس کے بھاری ہاتھ میں دبے اپنے دھیرے دھیرے کانپتے ہاتھ کو دیکھا تھا، اس کا دوسرا ہاتھ پرنیاں کے چہرے پہ آن رکا جہاں اس کے بہنے والے آنسوؤں کی نمی ہر لحہ پھیل رہی تھی۔

''آئی ایم ساری فار ڈیٹ، حالانکہ میں نے نہیں چاہا تھا کہ میں زندہ بچوں مگر......'' معاذ نے ایک دم سے اس کے ہونٹوں پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''تو کیا تم نے جان بوجھ کر......؟'' معاذ کے حلق سے سرسراتی آواز نکلی تھی، پرنیاں کرب آمیز انداز میں مسکرا دی۔

''نہیں...... میں نے صرف دعا کی تھی کہ مجھ سے آپ کی جان چھوٹ جائے۔'' اس کے آنسو اس شدت سے برسے تھے کہ معاذ جو خفگی سے اسے دیکھ رہا تھا گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

''بے وقوف ہو، میں بس اتنا جانتا ہوں اگر تمہیں کچھ ہوتا تو زندہ میں بھی نہیں رہ سکتا تھا۔'' معاذ

نے جھک کر نرمی اور جذب سے اس کے ہونٹوں کو چوم لیا۔

''بدگمانی اور لڑائی جھگڑا ایک طرف یہ کیا حماقت تھی بھلا؟'' وہ ڈانٹتے انداز میں بولا تو پرنیاں نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''آپ معاف نہیں کرنا چاہتے تھے مجھے اور لڑکیوں کو مجھ پہ ترجیح دیتے تھے، پھر کیا کرتی میں؟'' وہ سخت روہانسی ہوئی تھی۔

''ایک بار گلے میں بازو حمائل کر کے مجھے پیار کرتیں، نہ مانتا پھر کہتیں، احمق لڑکی ہمیشہ دس گز کے فاصلے سے منائی رہی ہو مجھے، خیر آئندہ خیال رکھنا۔'' وہ مصنوعی خفگی سے گھور کر بولا تو پرنیاں بے تحاشا سرخ پڑ گئی تھی۔

''منہ دھو رکھیں، یہ تھرڈ کلاس حرکتیں نہیں ہوں گی مجھ سے۔'' وہ خجالت مٹانے کو کہہ رہی تھی، معاذ نے جواباً لودیتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''ایک سال سے بڑھ کر رومانس کا کھیپ جمع ہو چکا ہے میرا، صرف محبت دوں گا نہیں وصول بھی کروں گا، دیکھتا ہوں کہاں تک بچتی ہو تم مجھ سے۔'' اس نے دھونس سے کہا تھا اور پرنیاں بلش کر گئی تھی، دونوں طرف کی اس چیش رفت نے لمحوں میں اس چپقلش اور تلخی کو دھو دیا تھا جو کئی مہینوں سے ان کے بیچ سرد جنگ کو چھیڑے ہوئے تھی تو وجہ یہی تھی کہ بیچ میں انا تھی نفرت نہیں، انا کی دیوار گری تو فاصلے سمٹ گئے تھے، رشتوں کے درمیان موجود دراڑ کو کوئی معمولی حادثہ بھی بھرنے کا سبب بن سکتا ہے، ان کے بیچ بھی یہی حادثہ سبب بنا تھا کلفت دور ہوئی تھی تو سماں بے حد خوبصورت تھا۔

''عدن کو نہیں دیکھا آپ نے؟'' پرنیاں کو اس کی گہری پرشوق اور شوخ نگاہوں سے حیا محسوس ہو رہی تھی جبھی اس کا دھیان بٹانے کو بولی تھی۔

''محترم کی والدہ ماجدہ کو تو اچھی طرح دیکھ لیں، آنکھیں ترس رہی ہیں جناب۔'' اس کی پھر وہی چونچالی اور خوش مزاجی لوٹ آئی تھی۔

''دیکھیں تو سہی کتنا پیارا ہے، مما کہہ رہی ہیں بالکل آپ جیسا۔'' پرنیاں کے لہجے میں ماتا کا مخصوص رچاؤ اور مان تھا، معاذ نے کاٹ سے بچے کو لیتے ہوئے ایکدم اسے بے حد شرارتی نظروں سے دیکھا اور جتلاتے والے انداز میں بولا تھا۔

''میری طرح پیارا؟ دیٹس گریٹ، تو آپ نے مان لیا کہ میں بھی پیارا ہوں۔'' وہ اس کے لفظوں پہ گرفت کر چکا تھا انداز میں شرارت کا رنگ غالب تھا، پرنیاں ایکدم جھینپیں۔

''میں نے مما کا بھی حوالہ دیا ہے، یہ ان کے الفاظ ہیں میرے نہیں۔'' پرنیاں نے بھی اسے زچ کرنا چاہا تھا، معاذ نے بیچ بیچ منہ لٹکا لیا۔

''دیکھو بیوی اگر تم میری تھوڑی سی تعریف کر دیتیں تو کوئی حرج نہیں تھا۔''

''ایویں ہی کر دیتی، پہلے کم چڑھایا ہوا ہے نا لوگوں نے آپ کو جو میں بھی کسر پوری کر دوں۔'' پرنیاں کے جواب پہ معاذ نے ٹھنڈا سانس کھینچا تھا۔

''مجھے لوگوں سے نہیں صرف اپنی ڈیئر وائف سے غرض ہے او کے۔'' وہ بچے کو چومتے ہوئے اس کے پاس پھر سے آ گیا تھا۔

''میں کوشش کروں گی معاذ آپ کو مجھ سے اب کوئی شکایت نہ ہو، میں آئندہ آپ سے یہ بھی نہیں کہوں گی کہ شوبز کو چھوڑیں یا پھر کالج کی جاب کو۔'' وہ ایکدم سے سنجیدہ ہو گئی تھی، معاذ نے رک کر بہت دھیان سے اس کی آنکھوں میں مچلتی نمی کو دیکھا تھا۔

''پرنیاں شوبز میں نے تمہاری ضد میں جوائن کیا تھا، وہ میرے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا تھا میں اسے چھوڑ بھی چکا ہوں، کالج میں میری ایسی کوئی سرگرمی نہیں ہے کہ تمہیں اعتراض ہو لیکن اگر پھر بھی تمہیں اس جاب پہ یا دوسرے لفظوں میں میرا لڑکیوں کے قریب رہنا پسند نہیں تو میں پہلی فرصت میں ریزائن کر دوں گا، تیسری اور اہم بات یہ کہ مجھے ستی ساوتری قسم کی بیوی نہیں چاہیے، مجھے پرنیاں چاہیے جو مجھ سے لڑے بھی بلی کی طرح پنجے بھی مارے اور...... اور جب میں پیار کروں تو مجھ سے خفا نہ ہو بلکہ...... جواب میں مجھے بھی پیار کرے، اسے سمجھنا چاہیے کہ یہ مجھ بیچارے کا حق ہے۔'' آخر میں اس کا لہجہ شوخی و شرارت سے لبریز ہو کر بے انتہا بوجھل بھی ہو گیا تھا، پرنیاں اتنا جھینپی تھی اتنی خجل ہوئی تھی کہ اسے ڈھنگ سے گھور بھی نہ سکی، معاذ کی ہنسی اس کی سرخ ہوتی رنگت کو دہکاتی رہی تھی۔

☆☆☆

''زینب کو بھی لے آتے جہان بھائی۔'' جہان جیسے ہی وہاں پہنچا اسے اکیلے دیکھ کر پرنیاں نے بے اختیار کہا تھا۔

''بھابھی نے کہا تھا، مگر اس نے انکار کر دیا۔'' جہان نے اصل بات کہہ دی تو نوریہ نے مسکراہٹ ضبط کی تھی۔

''آپ کہتے تو آ جاتی، وہ آپ کی منتظر ہو گی۔'' جہان نے سنا تھا اور ان سنی کر دی تھی۔

''تمہارا بیٹا بہت خوبصورت ہے، معاذ تم پہ بالکل نہیں لگتا۔'' وہ جھک کر بچے کو پیار کر رہا تھا، معاذ نے ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

''مجھے ایرے غیروں کی نہیں اپنی بیوی کی بات کا ایمان کی حد تک یقین ہے، جو پہلے ہی مجھ سے کہہ چکی ہے کہ ہمارا بیٹا بہت پیارا ہے اور مجھ پہ گیا ہے۔'' معاذ کے لہجے میں کھنک تھی اور طمانیت اور زندگی کا احساس تھا، جہان کو ایک طویل عرصے کے بعد پھر سے یہ آواز یہ لہجہ سننے کو ملا تھا اسے یک گونہ سکون محسوس ہوا تھا مگر بظاہر اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا۔

''یعنی پرنیاں پہ، تو اس میں تمہارا ذکر کہاں سے آ گیا احمق۔'' معاذ نے زچ ہو کر اسے دیکھا اس کی آنکھوں میں شرارت کا رنگ دمکتا تھا، ہونٹوں کی تراش میں دبی ہوئی مسکراہٹ تھی، وہ خود بھی ہنس دیا۔

''بدتمیز میرا مطلب مجھ سے میں یعنی عدن کا پاپا او کے۔'' وہ اس کے کاندھے پہ گھونسا مارتے ہوئے چیخا تھا، پھر دونوں ہنس دیے تھے۔

''تم خوش ہو نا جے؟'' معاذ اس کے ساتھ تنہا ہوا تو دل میں مچلتا ہوا سوال کر دیا تھا، جہان کے چہرے پر ایک یک سنجیدگی چھا گئی۔

''کیا سننا چاہتے ہو معاذ؟''

''صرف وہ جو سچ ہے؟'' معاذ کے قطعی انداز پہ اس نے سرد آہ بھری تھی۔

''پھر رہنے دو، وہ اتنا خوش گوار نہیں ہے، تم بتاؤ تم خوش ہو نا؟'' اس نے ایکدم سے موضوع بدل

دیا، معاذ گم صم سا ہو گیا تھا۔

''مجھے بہت اچھا لگا ہے، معاذ آج تمہیں پرنیاں کے ساتھ اس طرح مطمئن اور خوش دیکھ کر، اگر ہم انا کو بیچ سے ہٹا دیں تو بہت سے مسائل خود بخود حل ہو سکتے ہیں۔'' اس کا انداز ناصحانہ تھا، معاذ نے گہرا سانس کھینچ کر اسے دیکھا۔

''مگر مجھے اس وقت اچھا لگے گا جب میں اس طرح تمہیں زینب کے ساتھ مطمئن اور خوش دیکھوں گا، یہ بات تم یاد رکھنا۔'' معاذ کے جواب پہ جہان نے ہونٹ بھینچ لئے اور نگاہ کا زاویہ بدل کر دوسری جانب دیکھنا شروع کر دیا، جبکہ معاذ کی منتظر اور کسی وعدے یا تسلی کی متقاضی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''میں کیا سمجھوں جے کہ جو نصیحت تم مجھے کرتے رہے اس پر خود.....''

''میرے نزدیک میری انا بھی اتنی اہم نہیں رہی، میں رشتوں کو برتری دینے اور جوڑے رکھنے کا قائل ہوں، ایسا کچھ نہیں ہے تم پریشان مت ہو، وقت تو چاہیے ہے نا بہتری لانے میں۔'' جہان نے بہت سرعت سے اس کی بات کاٹ دی تھی اور وہی تسلی دی جو شاید معاذ سننا چاہتا تھا، معاذ نے لمبا سانس کھینچا اور جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''مجھے تم سے ہمیشہ اچھی امید رہی ہے، مجھے یقین ہے تم ہمیشہ اچھائی پہ قائم رہو گے۔''

''توقعات اور امیدوں کا مرکز انسان نہیں خدا کی ذات ہونی چاہیے معاذ، ہمارے اکثر کام ہی غلط اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ ہم رشتوں سے بہت ساری توقعات وابستہ کر لیتے ہیں جن کے پورا نہ ہونے کی کسک بے چینی بن جاتی ہے جو جھگڑے اور فساد کی شکل میں ظاہر ہوا کرتی ہے۔''

اس کے ٹھہرے ہوئے لہجے میں رسانیت بھی تھی اور رچاؤ بھی، معاذ پوری طرح سے متفق ہوا تھا، پرنیاں سے بھی تو اس نے توقعات اور امیدیں ہی باندھ لی تھیں جن پہ وہ پوری نہیں اتری تو کتنا اضطراب در آیا تھا ان کی تعلق کے بیچ، جہان کے سیل پہ بیپ ہونے لگی تھی، کال اس کی سکریٹری کی تھی، جو آفیشل پرابلمز ڈسکس کر رہی تھی، اس کے بعد جیسے یاد دہانی کو بولی تھی۔

''سر آپ کا آج آفس آنا ضروری ہے، فارن ڈیلیگیشن آ رہا ہے آج۔''

''اوکے مجھے یاد ہے، میں آ جاؤں گا۔'' جہان نے فون بند کیا تو نگاہ راہداری کے سرے پہ جنید بھائی اور بھابھی اور ماریہ کے ساتھ اس سمت آتی زینب سے جا ملی تھی، پنک کلر کے شرٹ اور دوپٹے کے ساتھ وائیٹ ٹراؤزر تھا دوپٹے کے چہار اصراف بہت خوبصورت وائیٹ لیس لگی ہوئی تھی، لمبے بالوں کو سمیٹ کر اس نے چوٹی کی شکل میں گوندھا ہوا تھا جو اس کے چادر نما دوپٹے سے بھی دیکھتی تھی، پیروں میں دوپٹے کے ہمرنگ خوبصورت نازک سی چپل تھی، بغیر کسی اضافی آرائش اور میک اپ کے بھی وہ کتنی کھلی کھلی سی لگ رہی تھی۔

''یہاں سب سے الگ کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں، کہیں ہماری لڑکی کے خلاف سازش تو تیار نہیں ہو رہی؟'' قریب آتے پہ بھابھی نے مسکراتے ہوئے چھیڑ چھاڑ کا آغاز کیا۔

''کون سی لڑکی؟ یہ جو آپ کی بغل میں کھڑی ہے یا ہماری ڈیئر وائف؟'' معاذ نے مسکراتی شوخ نظروں سے بھنوؤں کی جنبش دی تھی، زینب جز بز سی ہو گئی۔

''تم دونوں کے قبضے میں تو یہی دو لڑکیاں ہیں، ہمیں تو دونوں کی فکر ہوگی نا اور ڈیئر وائف اوئے ہوئے، مجھے پکڑنا بے ہوش نہ ہو جاؤں میں۔'' جنید بھائی کی غیر سنجیدگی انتہا کو جا پہنچی، معاذ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

''جلنے والے جلیں گے ہم تو یونہی رہیں گے۔'' وہ مزے سے گنگنایا تھا۔

''یونہی میں اول جلول حلیے میں۔'' جنید بھائی نے اس کے رف ہوتے لباس پہ چوٹ کی معاذ نے گھورا تھا۔

''یونہی میں ہنستے مسکراتے خوش باش آپ کو جلاتے اور اپنی مسز کے ساتھ ساتھ۔'' اس نے دانت کچکچا کر وضاحت کی۔

''او کے گائز آئی ایم گوئنگ، مجھے آفس کو نکلنا ہے۔'' جہان نے گہرا سانس بھر کے وہیں سے رخصت چاہی تو جنید بھائی نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''کیا بات کرتا ہے یار، آج ولیمہ ہے تیرا، آج کیوں آفس جائے گا۔'' جہان کی نگاہ بے اختیار زینب کی سمت اٹھی تھی، سر جھکائے ہونٹ کچلتی ہوئی وہ کس قدر ماحول سے بیگانہ لگی۔

''بہت ضروری میٹنگ ہے بھائی، بہرحال میں جلدی آنے کی کوشش کروں گا، تقریب تو رات کی ہے نا۔'' وہ رسانیت سے بولا تھا اور وہیں سے پلٹنا چاہ رہا تھا کہ بھابھی نے ٹوک دیا۔

''رکو جہان، زینب کو بھی لے جانا، فاطمہ کو گھر چھوڑ کر آئی ہے، زیادہ دیر نہیں رک سکتی۔''

''رہنے دیں بھابھی، میں کسی کے بھی ساتھ چلی جاؤں گی۔'' بھابھی کی بات پہ جہان جو کلائی پہ بندھی رسٹ واچ پہ ٹائم کا اندازہ کر رہا تھا، زینب کو سر اٹھا کر دیکھنے لگا، وہ بے نیازی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

''میں یہیں ویٹ کر رہا ہوں بھابھی، اسے بتا دیجئے گا۔'' جہان کے رسانیت سے کہنے پہ بھابھی مسکرا دی تھی۔

''میری خاطر زحمت میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی، کہا تھا نا کسی کے بھی ساتھ گھر آ جاتی۔'' پندرہ منٹ بعد بھابھی اسے دوبارہ جہان کے پاس چھوڑ کر گئیں تو اس کا موڈ پتہ نہیں کیوں اتنا آف تھا، جہان نے جواب میں اسے ایک نظر دیکھا تھا۔

''فرائض اور حقوق کی ادائیگی میرے لئے زحمت کبھی نہیں رہی، یہ بات تم ہمیشہ کے لئے اپنے ذہن میں محفوظ کرلو۔'' اس کی بات کے جواب میں زینب کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزرا تھا البتہ کوئی اختلافی پہلو نہیں نکالا تو جہان نے دل ہی دل میں سکون کا سانس بھرا تھا۔

''بائیک پہ جائیں گے آپ؟ مجھے نہیں بیٹھنا بائیک پہ۔'' پارکنگ میں اسے بائیک کے پاس رک کر کرتے کی جیب سے چابی برآمد کرتے دیکھ کر وہ کوفت سے بولی تھی، جہان کے ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہو گئے۔

''او کے فائن، تم رکو میں معاذ سے گاڑی کی چابی لے آتا ہوں۔'' بغیر ماتھے پہ شکن لائے وہ کتنے تحمل سے اس کے ہر اعتراض کو برداشت کر رہا تھا، زینب کو اس کی قوت ارادی پہ حیرت ہوئی، پتہ نہیں وہ اتنا کمپوزڈ کیسے رہ لیتا تھا ہر قسم کے حالات میں، جبکہ وہ کل سے ہی عجیب سی فیلنگ اور اذیت کے احساس

سے دوچار تھی، وہ اسے رد کرچکی تھی کبھی اور کتنے دھڑلے سے، اب حالات کی ستم ظریفی ہی تھی کہ اسے پھر سے ہاتھ پیر باندھ کر جہان کے آگے پھینک دیا گیا تھا، وہ جو چاہتا اس کے ساتھ سلوک روا رکھتا، وہ اس کی اسی رویئے سے خائف تھی جبھی شدید ٹینشن کا شکار ہو چکی تھی، اس کے علاوہ جو سبکی اور خفت کا احساس تھا وہ اس سے بھی سوا تر، جبھی وہ اپنے ہر عمل سے اس پہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ وہ آج بھی اس کے لئے غیر اہم اور غیر ضروری ہے۔

''اب اتنی دیر میں یہاں اکیلی کھڑی رہوں گی؟'' اس نے ایک خائف سی نگاہ اطراف میں ڈالی، دائیں جانب ہاسپٹل کا وسیع سبزہ زار تھا جسے چھوٹے بڑے قطعات میں سبزے کی باڑھ لگا کر بانٹا گیا تھا، مریضوں کی چہل قدمی کے لئے سرخ بجری کی روشیں تھیں اور جگہ جگہ وزیٹر کے بیٹھنے کے لئے سنگی بینچ نصب تھے، اس وقت چونکہ صبح کا وقت تھا اور دھوپ پوری طرح نہیں پھیلی تھی کچھ موسم بھی خوشگوار تھا تو مریضوں کے رشتہ داروں کی اکثریت وہاں نظر آ رہی تھی، جن میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ تھی، زینب یقیناً جبھی وہاں اکیلے ٹھہرنے کے خیال سے خائف نظر آ رہی تھی۔

''اب کیا کرنے لگے ہیں؟'' زینب نے جہان کو سیل فون کے بٹن پش کرتے دیکھ کر حیرانی سے پوچھا تھا۔

''معاذ سے کہتا ہوں وہ خود یہاں آ کر گاڑی کی چابی دے جائے۔'' جہان کے جواب نے زینب کو عجیب سے احساسات سے دوچار کر دیا، اسے کچھ سال پہلے کا جہان یاد آیا، ہر کام ہر بات میں اس کی مرضی اور پسند کو مقدم رکھنے والا، وہ کچھ لمحے اس سے نگاہ نہیں ہٹا سکی تھی، سادہ سا حلیہ تھا اس کا، لباس جس میں شکنیں پڑ چکی تھیں اور شیو بنانے کی یقیناً مہلت نہیں ملی تھی، ہلکا سا سبز رواں اس کے خوبرو چہرے کو مزید دلکش بخش رہا تھا، جب تک معاذ نہیں آیا جہان فون پہ ہی بزی رہا تھا، معاذ کو کال کرنے کے بعد اس نے انٹرنیٹ آن کر کے آفیشل ای میل چیک کرنی شروع کر دی تھیں جانے کیوں اس پل زینب کو اس اس مصروفیت سے سخت کوفت اور چڑ محسوس ہوئی تھی، اگر وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی کیئرنگ اور دل آویز تھا تو ہمیشہ کی طرح بے نیاز اور لاپرواہ بھی تھا۔ وہی بے نیازی لاپرواہی جو زینب کو اتنا چڑاتی تھی اتنا دل تنگ پڑتا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اسی اضطراب میں غلط سلط فیصلے کرتی چلی گئی تھی جس کے اثرات اور کرب ابھی تک اس کی روح کو جھلسائے دے رہا تھا۔ اسے خود پر حیرت تھی۔ جب ممانے دوبارہ سے اس کے سامنے جہان کا نام پیش کیا تو اسے غصہ آیا تھا نہ ہی جھنجھلاہٹ محسوس ہوئی بلکہ ایک عجیب سی آسودگی تھی جو غیر محسوس انداز میں اس کے اندر اتری تھی۔ ہاں خفت اور شرمندگی کا احساس ضرور تھا تو اس کی وجہ اپنی حیثیت کا بدل جانا تھا۔ وہ بہرحال پہلے کی طرح ان چھوئی تھی نہ ویسی اکٹر نہ مان...... کتنے نقصان عمر بھر کو جھولی میں آن گرے تھے۔ ایک خود بخود سمجھوتہ اس کے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ یہ اس کا اپنا کیا دھرا تھا، تو سہنا تو تھا پھر۔ اس کی قسمت میں ہی شیئر کرنا لکھا تھا۔ چاہے وہ تیمور خان ہوتا یا جہانگیر حسن شاہ...... پھر وہ جہان کیوں نہیں جو تیمور خان سے ہر لحاظ سے بہترین تھا۔

''زینب بیٹھو نا گاڑی میں۔'' معاذ کی آواز پر وہ جو سوچوں میں گم ہو چکی تھی چونک کر اس کی سمت متوجہ ہوئی۔ وہ گاڑی کا فرنٹ ڈور اوپن کیے اس کے بیٹھنے کا منتظر تھا۔ جہاں ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ زینب اپنا دوپٹہ سنبھالتی اندر سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''اجو سے کہہ کر بچیاں کے لیے سوپ تیار کرا دینا زینی میں کچھ دیر میں گھر آؤں گی۔'' معاذ نے کھڑکی پہ جھک کر اسے ہدایت کی تھی۔

''ڈونٹ وری لالہ میں خود بنا دوں گی سوپ۔'' زینب نے اپنے تئیں تسلی سے نوازا تھا مگر معاذ کے ٹوکنے کا بھی اپنا ہی انداز تھا۔

''تم چولہے کے آگے کھڑکی مت ہونا۔ آج شام کو تم لوگوں کے ولیمہ کی تقریب ہے اور دونوں کو کاموں کا شوق چرا رہا ہے۔ کوئی ضرورت نہیں ہے ابھی دشمنی دکھانے کی۔'' زینب نے بے اختیار چہرے کا رخ پھیر لیا۔

''یار منع کر دیا ہے میں نے چاچو کو ساری فیملی ہاسپٹل میں موجود ہے ولیمہ ضروری تھوڑی ہے۔'' جہان کی بات پہ زینب نے ایکدم سے ہونٹ بھینچ لیے۔ معاذ البتہ حیران نظر آنے لگا تھا۔

''مان گئے پپا؟ وہ جو اتنے انویٹیشن دیے تھے لوگوں کو؟''

''فون پر منع کر دیں گے ڈونٹ وری۔'' جہان نے اسی رسانیت سے کہتے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ زینب کو عجیب سی توہین کے احساس نے گھیر لیا تھا۔ سارے رستے وہ رخ پھیرے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ جانے کیوں اسے لگ رہا تھا جہان نے دانستہ اس کی یہ تذلیل کی ہے۔ گھر واپس آ کر وہ کمرے میں جہان کے پیچھے جانے کی بجائے کچن میں گھس گئی تھی۔ فریج سے گوشت نکال کر چولہے پر سوپ تیار کرنے کو چڑھا ہی رہی تھی جب جہان روتی ہوئی فاطمہ کو اٹھائے کچن کے دروازے پر آیا تھا۔

''تمہیں منع بھی کیا تھا کچن میں کھڑے ہونے سے۔ فاطمہ کو پکڑو بھوک لگی ہوئی اسے۔'' وہ لباس تبدیل کر چکا تھا۔ بلیک پینٹ پر سفید براق شرٹ اور گلے میں جھولتی ٹائی پیروں پر البتہ گھریلو سلیپر تھے۔ زینب نے پہلے ہاتھ دھوئے تھے پھر آگے بڑھ کر فاطمہ کو اس سے لے لیا۔

''ناشتے میں کیا لیں گے آپ بتا دیں؟'' فاطمہ کو کاندھے سے لگائے اس کا فیڈر تیار کرتی وہ بڑی ذمہ دار لگ رہی تھی۔ جہان جو واپسی کو پلٹ چکا تھا اس سوال پر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''اتنی مصروفیت میں میرے لیے ناشتہ کیسے بناؤ گی؟ رہنے دو میں آفس میں کر لوں گا۔'' جہاں کے جواب پر زینب نے کاندھے اچکا دیئے تھے۔ جہان گہرا سانس بھرے آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

جہاں آفس سے واپسی پر باتھ لے کر نکلا تو زینب بستر پر نیم دراز فاطمہ کو تھپک کر سلانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اسے دیکھ کر اپنا کاندھے سے ڈھلکا ہوا دوپٹہ درست کیا تھا۔ جہاں نے پہلے بال سنوارے تھے پھر آ کر بیڈ پر ٹک گیا۔ زینب جو اس کے بے تکلفی سے آ کر برابر لیٹ جانے پر قدرے حیران ہوئی تھی کسی قدر جز بز ہوئی اٹھی تھی۔

''کہاں جا رہی ہو زینب؟ بیٹھو مجھے بات کرنی ہے تم سے۔'' جہان نے اس کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھا تھا۔ جبھی ٹھہری ہوئی آواز میں مخاطب کیا تھا۔

''آتی ہوں چائے بنا لوں آپ کے لیے۔'' وہ جیسے صاف کترائی تھی۔ جہان نے سر کو نفی میں جنبش دی۔

''رہنے دو مجھے چائے کی طلب نہیں ہے۔''

''پھر......؟'' زینب کی نگاہوں میں لاتعداد سوال اڈ آئے۔ گویا کہہ رہی ہو پھر کس چیز کی طلب ہے مگر جہان اس کی بجائے کہیں اور متوجہ تھا۔ اس نے بیڈ کی سائیڈ دراز کو کھولا اور ایک گول مخملیں خوبصورت سا میرون کیس نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔

''یہ تمہارا رونمائی گفٹ ہے۔'' زینب ایک دم سے ساکن ہو کر اسے تکنے لگی۔ جہان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پہلے بیڈ پر بٹھایا تھا پھر کیس کھول کر اس کے آگے کیا۔

''مجھے لگا تھا وہ لاکٹ سیٹ تمہیں پسند نہیں آسکا ہے جبھی میں نے آج یہ خریدا ہے۔'' طلائی بے حد بھاری سرخ نیلگوں سے مزین شعاعیں بکھیرتے کنگن خود اپنے قیمتی ہونے کے گواہ تھے گویا۔

''اچھے نہیں لگے تمہیں؟'' جہان اس کے منجمد تاثرات سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکا تو جیسے پریشان ہو کر بولا تھا۔

''آپ ان فارمیلٹیز میں کیوں پڑتے ہیں جہانگیر؟'' اس کا لہجہ عجیب تھا جہان کو جھٹکا لگا تھا تو لفظ جہانگیر سے ''جہانگیر؟'' اس نے زیر لب دہرایا۔ کتنا بیگانگی کا احساس دلایا تھا۔ زینب کے منہ سے اس لفظ نے اور شاید فاصلوں کا بھی۔

''کیا اب میں جہانگیر ہو گیا ہوں تمہارے لیے؟'' جہان کی نگاہوں میں شاکی پن تھا۔ زینب نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''پھر اور کیا کہوں؟''

''تم پہلے کیا کہتی تھیں؟'' وہ الٹا اس سے سوال کرنے لگا۔

''پہلے کی بات اور تھی تب آپ میرے دوست تھے۔'' زینب کے جواب نے جہان کو ٹھٹکا رہا تھا وہ متحیر سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

''تو کیا اب میں تمہارا دوست نہیں رہا؟'' وہ یقیناً ہرٹ ہوا تھا۔

''نہیں، شوہر دوست نہیں ہو سکتا'' اس کے لہجے میں عجب سا کرب سمٹ آیا تھا۔ جہان نے ہونٹ بھینچ لیے۔ اسے خود کو کمپوزڈ کرنا پڑا تھا۔ وہ سمجھ سکتا تھا زینب نے یہ بات کیوں کہی ہے۔

''دوست تو شوہر ہو سکتا ہے نا؟'' کچھ دیر بعد وہ بولا تھا اس کا لہجہ انداز ہلکا پھلکا تھا۔ زینب نے نظر اٹھائی۔ اس کی نگاہیں اپنائیت بھرے انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

''ہم پہلے دوست تھے زینی یہ رشتہ تو اب استوار ہوا ہے ہمارے بیچ۔''

''لاؤ یہ کنگن پہنا دوں تمہیں۔'' جہان نے ہاتھ بڑھایا تھا۔ وہ گم صم بیٹھی رہی۔ کہ اسی پل جہان کے سیل پر بیل ہوتی چلی گئی تھی۔ جہان نے تھم کر گردن موڑ کر سیل فون کو دیکھا۔ اسکرین پر ژالے کا نام روشن تھا۔ صرف جہان نے نہیں زینب نے بھی دیکھا تھا۔ جہان نے سیل فون اٹھا کر کال ریسیو کی تھی پھر فون کو کاندھے سے اٹکا کر ژالے سے علیک سلیک کرتے ہوئے زینب کا ہاتھ پکڑ کر کنگن پہنانا چاہے تھے کہ اس نے ایک دم سے ہاتھ کھینچ لیا۔

''یہ بہت بھاری ہیں میں عام روٹین میں انہیں نہیں پہن سکوں گی۔'' جہان کی نگاہوں کی حیرت اور سوال کے جواب میں اس نے آہستگی سے کہا تھا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ جہان بامشکل خود کو کمپوزڈ کر سکا تھا۔ جبکہ زینب باہر راہداری میں ٹھنڈے فرش پر ننگے پیر ٹہلتی ہوئی جیسے بے مائیگی کے شدید

احساس سے گھرتی چلی گئی تھی۔

("آپ نے ایک بار پھر ثابت کیا ہے جیسے کہ آپ کے لیے میں یا میرا کام اہم نہیں ہے۔ ڑالے اہم ہے۔ میں آپ کے سامنے موجود ہوں اور آپ نے کتنی آسانی سے مجھے اگنور کر کے اس کے فون کو اہمیت دے دی۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی توہین ہو سکتی ہ۔ تیمور نے بھی یہی کیا تھا میرے ساتھ اور اب آپ نے بھی۔ تیمور نے میری جتنی بھی تذلیل کر دی مگر میں آپ کے ہاتھوں خود کو کھلونا نہیں بننے دوں گی۔ یہ میرا نصیب ہے میں جان گئی۔ مگر میں اپنے آپ کو اپنی نظروں میں بار بار گرانا نہیں چاہوں گی")۔

وہ بے حد دلگیر اور مضمحل سی ہو کر سوچ گئی تھی۔ حالانکہ جب نکاح کے بعد اس نے جہان کے متعلق سوچنا چاہا تھا تو خود سے عہد کیا تھا کہ وہ بھی ڑالے سے جیلس نہیں ہوگی۔ دیکھا جاتا تو ڑالے نے ہی قربانی دی تھی اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسے اس کے جذبے کی قدر کرنی تھی۔ مگر وہ اس وقت اتنی حساس اور زود رنج ہو رہی تھی کہ اپنا عہد ہی بھول بیٹھی تھی۔

☆☆☆

تیمور کی کالز پھر بار بار آ رہی تھیں۔ زینب نے زیادہ سے کہہ کر سم بدل لی تو قدرے سکون کا احساس ہوا۔ ان کے نکاح کو چوتھا دن تھا مگر ڑالے ابھی تک پلٹ کر نہیں آئی تھی۔ تیسری رات ہی زینب جہان کے بیڈروم سے اپنے کمرے میں واپس آ گئی تھی۔ ماریہ سے کہہ کر اس نے فاطمہ کو جہان کے کمرے سے بلوا لیا تھا۔ رات کا شاید دوسرا پہر تھا۔ جب وہ نیند کی آغوش میں تھی تو کمرے کے دروازے پر دستک ہو گئی تھی۔ زینب حیران سی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"دروازہ کھولو زینب۔" جہان کی آواز سن کر اس کی نیند ایک دم سے اڑ گئی تھی۔

"آپ اس وقت کیوں آئے ہیں یہاں؟" دروازہ تو اس نے کھول دیا تھا مگر فاصلے بگڑے ہوئے انداز میں اس سے سوال جواب کرنے کھڑی ہو گئی تھی۔

"یہی سوال مجھے تم سے کرنا ہے تم اپنے کمرے میں کیوں نہیں آتی ہو؟ تمہیں اندازہ ہے میں ویٹ کر رہا ہوں۔"

"کیوں کر رہے ہیں آپ میرا ویٹ؟ اور مائنڈ اٹ میرا وہ نہیں یہ روم ہے۔" اس کا موڈ جتنا خراب تھا اس نے اسی لحاظ سے غصے میں جواب دیا تھا۔ جہان کی صبیح پیشانی پر ایک شکن ابھری تھی، ناگواری کی، غصے کی۔

"مطلب کیا ہے تمہارا اس بات کا؟ نکاح کے بعد تمہیں ہر فضول سوال جواب کرنا چاہتے ہو مجھ سے۔" جواباً جہان کا بھی دماغ گھوم گیا تھا۔ زینب کا انداز اسے سراسر توہین آمیز لگا تھا۔

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے آپ کی ایک نہیں دو دو بیویاں ہیں کیا آپ دونوں کے ساتھ ایک کمرے میں قیام فرمائیں گے۔ ڑالے کے آنے پر بھی تو مجھے آنا تھا نا یہاں تو ابھی کیوں نہیں۔" زینب کا لہجہ و انداز طنزیہ تھا جہان نے ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھتے ہوئے پہلے زبردستی اسے دروازے سے ہٹایا پھر خود اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ زینب تو آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی تھی۔ اس دھڑلے پر۔

"ٹھیک ہے تم یہاں رہ لو ڑالے وہاں رہے گی۔" جہان نے مصالحت کر لی تھی۔ زینب کو ایک بار

پھر صاف لگا جہان نے اس پر ثرالے کو فوقیت دی ہے۔ اس کا رنگ سرخ پڑنے لگا۔
''بہت شکریہ اس مہربانی کا اب آپ تشریف لے جایئے۔ اتنی سی بات کے لیے نیند خراب کر دی ہے میری۔'' وہ بدمزگی سے کہہ کر بیڈ کی جانب بڑھی تو جہان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا، زینب کا دل دھک سے رہ گیا۔
''تم اس قدر خفا کیوں ہو مجھ سے؟'' وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا، زینب کی رنگت دہک اٹھی۔
''میں کیوں خفا ہونے لگی، حد ہے بھئی خوش فہمی کی۔'' وہ غصے سے پھنکاری تھی۔
جہان نے کاندھے اچکا دیئے پھر اس کے ساتھ ہی بستر پہ آیا تھا، زینب بدک کر فاصلے پر ہوئی۔
''آپ اپنے کمرے میں جائیں نا۔''
''زینب......!''
''پلیز جے پلیز۔'' وہ بے حد عاجز نظر آنے لگی بلکہ روہانسی ہو گئی تھی۔
''میں جانتی ہوں یہ سب کچھ مجبوری کے سودے ہوئے ہیں، میں آپ سے زیادہ ثرالے کی مشکور ہوں کہ......''
''کیسی فضول باتیں کر رہی ہو زینب۔'' وہ واقعی ہی جھنجلا گیا تھا۔
''آپ کے نزدیک یہ فضول ہوں گی مگر یہی حقیقت ہے اور حقیقت ہمیشہ تلخ ہی ہوا کرتی ہے۔'' زینب نے تخی و درشتی سمیت جواب دیا تھا، جہان نے ٹھنڈا سانس کھینچا۔
''چلو مان لیا کہ جو تم کہہ رہی ہو وہی صحیح ہے، مگر میں نے تمہاری ذمہ داری قبول کی ہے، میں تمہارے حقوق کی ادائیگی میں کمی نہیں کرنا چاہتا۔'' جہان نے جھنجلا کر سہی مگر اپنی سوچ اس پہ ضرور واضح کرنی چاہی تھی، زینب ایکدم سے ساکن ہو گئی۔
''کس کے حقوق کی بات کر رہے ہیں اپنے یا میرے؟ اگر میرے تو مجھے آپ سے اپنے حقوق نہیں چاہئیں، ہاں اگر آپ کو مجھ سے اپنا حق چاہیے تو پھر میں ظاہر ہے انکار نہیں کر سکتی، آپ اپنے ہر حق کو استعمال کرنے میں آزاد ہیں۔'' اس کا لہجہ چبھتا ہوا تھا، جہان کا چہرا یکلخت بھاپ چھوڑنے لگا، اس کے خیال میں یہ اس کی توہین کی انتہا تھی، بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا تھا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر چلا گیا، پیچھے دروازہ ایک دھماکے سے بند ہوا تھا، زینب کے ہونٹوں پہ زہر خند پھیل گیا۔
(آپ نے میرے الفاظ میں چھپی تخی کو اپنی توہین سے ہی کیوں تعبیر کیا جے؟ آپ اپنا حق مجھ سے معلوم کر کے مجھے یہ بھی تو باور کرا سکتے تھے کہ آپ کے نزدیک میری بطور بیوی بھی کچھ اہمیت ہے آپ کو میری ضرورت ہے، آپ نے ثابت کیا آپ کو میری ضرورت بھی نہیں ہے۔)
اس کے آنسو بے اختیار بہتے چلے گئے تھے، اس کی نگاہ میں وہ منظر روشن ہونے لگا تھا جب نکاح کے دوسری رات جہان کمرے میں آیا تھا، زینب تب فاطمہ کو سلا کر جھک کر کاٹ میں لٹا رہی تھی، جہان سرسری انداز میں سلام کر کے خود نہانے گھس گیا، وہ جانتی تھی چائے نہیں پیئے گا اتنی رات کو جبھی وہ اس کے کپڑے نکالنے کو وارڈ روب کی جانب آ گئی تھی، مگر جہان نہانے کے بعد جینز پہ بنیان پہنے ہی کمرے میں آ گیا تو زینب کچھ کنفیوژ ہو کر رہ گئی تھی، یہ پہلا موقع تھا کہ جہان نے اس قسم کی بے تکلفی کا باقاعدہ مظاہرہ کیا تھا۔

''کھانا نہیں کھائیں گے؟'' زینب نے اسے بستر پہ دراز ہوتے دیکھ کر نظریں ملائے بغیر سوال کیا تھا۔

''نہیں، ہاں اگر زحمت نہ ہو تو پلیز اس دراز سے مساج کریم نکال کر لا دو، بلکہ دوا لگا دو مجھے، اے سی کی اسپیڈ بھی کم کر دینا۔'' وہ تکیے پہ سر رکھتا ہوا بالکل سیدھا لیٹ چکا تھا، خوبرو چہرے پہ تکلیف کے آثار بہت واضح تھے، پچھلے کچھ عرصے سے وہ گردن کے نیچے اور دونوں کاندھوں کے درمیان پٹھوں میں شدید کھنچاؤ اور تکلیف محسوس کرنے لگا تھا، معاذ سے اس نے یہ مسئلہ بیان کیا تھا، تب معاذ نے کچھ میڈیسن کے ساتھ یہ دوا تجویز کی تھی، زینب ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈالتی دراز کھینچ کر درد رفع کرنے والی وہ دوا نکال لائی تھی۔

''کہاں پین ہے آپ کو؟'' وہ جو حد جھجک کر سوال کر رہی تھی، جہان نے جواب دینے کی بجائے ہاتھ سے کندھوں کے درمیان کمر کو دبایا تھا اور زاویہ بدل کر لیٹنے سے قبل اپنے اوپر چادر کھینچ لی تھی، زینب کو ناچار آگے بڑھنا پڑا تھا۔

''ویسٹ اتاریں گے پھر ہی مساج کر سکوں گی نا۔'' وہ ہونٹ کچلتے ہوئے بولی تھی جہان کو اٹھنا پڑا تھا، اس نے بنیان بھی اتار کر پھینک دی اور ایک بار پر لیٹ گیا، اب اس کا غضب کی مردانگی لئے شاندار مضبوط وجود اس کے سامنے تھا، زینب نے کانپتے ہاتھوں سے بری طرح سے پزل ہوتے ہوئے دوا کو ٹیوب سے ہاتھ کی پوروں پہ منتقل کیا اور اس کے جسم پہ ملنے لگی، جہان کے احساسات کی اسے خبر نہیں تھی مگر وجود اس کی قربت کی آنچ سے بری طرح سے پگھل رہی تھی، اس قربت میں ایک انوکھا کیف اور سرور بھی تھا اور آنچ دیتی جلاتی خاکستر کرتی ہوئی آگ بھی، ایک کسیلا درد بھی تھا اور عجب سا طمانیت کا احساس بھی، وہ اپنی فیلنگز پہ خود حیران تھی، تیمور کی قربت بھی اس کے لئے سکون اور فخر کا احساس نہیں بنی تھی، وہ اس کی محبت تھا نہ عشق، وہ تو ضد میں اٹھایا ایک انتقامی قدم کا نتیجہ تھا، جس نے اسے بالآخر برباد کر دیا تھا، اس نے ہمیشہ سے جہان کی طرف دیکھا تھا، جہان کو سوچا تھا، وہ اس کو جھکانا اس سے اظہار کرانے کی خواہش مند تھی اور اس خواہش میں اتنی اندھی ہوئی تھی کہ کبھی جان ہی نہ سکی اسے خود کتنی جہان سے محبت ہے یا اس کی ضرورت ہے پھر جب اسے کھو کر خالی ہاتھ ہوئی تب احساس زیاں جاگا تھا، مگر جب وہ خود کسی اور کا ہوا تب تو وہ سر تا پا جل اٹھی تھی اور اب...... اس نے دکھ سے بوجھل ہوتی اور خوشی کے احساس کو پہلی بار چھوتی خواہش کے درمیان رہ کر جہان کو دیکھا، اب کتنے فاصلے در آئے تھے ان کے بیچ، اس کے ساتھ تیمور کا اور فاطمہ کا حوالہ تھا تو جہان کے ساتھ ثانیہ آفریدی کا، اسے لگا اس نے یہ ساری دوریاں سارے فاصلے خود سے پیدا کیے ہیں، معاً سیل فون پہ ہونے والی بیپ نے اس کی سوچوں کے تسلسل کو بکھیر دیا۔

جہان نے خاصی سستی بھرے انداز میں ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھایا تھا مگر اسکرین پہ ڈوالے کا نمبر بلنک کرتا دیکھ کر یہ سستی چابک دستی میں بدل گئی تھی۔

''السلام علیکم کیا حال ہے؟'' اس کا موڈ ایک دم سے خوشگوار ہوا تھا آواز میں کتنی کھنکناہٹ اتر آئی تھی، زینب کے ہاتھ پہلے سست پڑے پھر بالآخر تھم گئے تھے۔

''میں بھی بالکل ٹھیک ہوں، تم کیسی ہو؟ طبیعت کیسی ہے؟'' وہ ذوق وشوق سے پوچھ رہا تھا، زینب

کو عجیب متضاد سی کیفیت نے گھیر لیا۔
''رئیلی ہنی؟'' معاً وہ دبے دبے جوش سے چیخا اور ایکدم سے اٹھ کر بیٹھ گیا، زینب نے چونکتے ہوئے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا مگر جہان تو جیسے اس کے وجود سے سرے سے بے خبر لگتا تھا۔
''مائی گاڈ..... ژالے اتنی اہم خبر تم اتنے فاصلے سے بیٹھ کر سنا رہی ہو، بالکل مزا نہیں آیا رئیلی۔'' وہ کھلکھلایا تھا، پھر اسی طرح خوش دلی سے بولا تھا۔
''بس تم فٹ تیاری پکڑو، میں کل ہی لینے آ رہا ہوں تمہیں۔'' زینب نے گہرا سانس کھینچا اور سر جھکا کر اپنی خالی ہتھیلیاں دیکھنے لگی، اسے ایک بار پھر بہت شدت سے اپنی بے مائیگی کا احساس رونہاسا کرنے لگا تھا، تعلق تو ان کا تھا ژالے اور جہان کا میاں بیوی والی محبت بے تکلفی اور اپنائیت، کیا نہیں تھا ان دونوں کے بیچ، جبکہ وہ تو اضافی اور بے کار حیثیت لے کر آ گئی تھی یہاں، اس کا دل اتنا بھاری ہوا تھا کہ اس سے قبل آنسو چھلکتے وہ وہاں سے اٹھ جانا چاہتی تھی۔
''مگر کیوں؟ پلین میں سفر کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، بس آ جاؤ تم، میں خود بات کر لوں گا ڈاکٹر سے۔'' وہ ابھی تب جہان نے چونک کر اسے یوں دیکھا جیسے اس وقت اس کی وہاں موجودگی سے آگاہ ہوا تھا اور کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا تھا، زینب نے چونک کر اسے دیکھا تھا، وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا ژالے سے الوداعی جملے بول رہا تھا۔
''کہاں جا رہی ہو تم اس وقت؟'' فون واپس رکھتے ہوئے ہوا سے دیکھ کر بولا تھا، زینب نے ہونٹ بھینچ لیے، اب اس پہ توجہ ہوئی تھی، ژالے کے بعد اس کی موجودگی میں وہ کہیں بھی نہیں ہوئی تھی، وہ اس کے بعد تھی اور اس سے بچی کچھی توجہ اور محبت ہی اس کا حصہ تھی، اس کا دل غم کے احساس سے بوجھل ہو کر پھٹنے کے قریب ہو گیا۔
اپنی اس درجہ بیکی اور توہین اس کی برداشت سے باہر ہوئی جا رہی تھی، مگر احساس دلانا جتلانا مزید اپنی تذلیل کرانے کے مترادف تھا، جبھی اس نے جواباً اپنی ساری توانائیاں لڑا کر لہجے کو نارمل کر کے اپنا بھرم رکھ لیا۔
''ابھی تک میں نے نماز نہیں پڑھی، آپ لیٹ جائیں میں نماز پڑھ لوں۔'' اس کے ہاتھ پہ جہان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی، پھر نماز میں اس نے دانستہ تاخیر کی تھی، وہ دیکھنا چاہتی تھی جہان اس کے انتظار میں جاگتا ہے؟ مگر جب وہ بیڈ پہ آئی تھی تو اس کے مقدر کی طرح جہان بھی سو چکا تھا اور آنسو قطرہ قطرہ اس کی آنکھوں سے پھوٹتے رہے تھے۔

☆☆☆

ژالے کی واپسی ہوئی تو جہان نے زینب اور ژالے کے لئے ایک ایک ہفتہ ساتھ رہنے کی روٹین خود سے سیٹ کر لی، چونکہ اب تک وہ اس کے ساتھ تھا جبھی ژالے کی واپسی پہ وہ اس کے ساتھ رہ رہا تھا پھر اس کی طبیعت بھی بہت خراب تھی، جبھی جہان ہی نہیں سبھی ژالے کا حد سے زیادہ خیال رکھ رہے تھے، زینب نے خود کو بے حس بنا لیا تھا، ژالے کو ملنے والی یہ اہمیت اسے اچھی نہیں لگتی تھی مگر اس نے ہر کیفیت کو اپنے اندر رکھنا شروع کر لیا تھا، اس وقت بھی وہ سب کے لئے چائے بنا کر لائی تھی، ژالے بھی وہیں تھی اور پرنیاں بھی اس کی طبیعت قدرے سنبھل گئی تھی، اب وہ سہارا لے کر سہی مگر تھوڑا بہت چل پھر لیا کرتی

تھی، عدن زیاد کے پاس جبکہ فاطمہ ڈالے کی گود میں تھی، بھابھی کے دونوں بچے لان میں کھیل رہے تھے یہ شام کا وقت تھا اور موسم میں خوشگواری کا احساس۔

"زینب ہر وقت کچن میں کیوں گھسی رہتی ہو بیٹے، سب کے ساتھ بیٹھا کرو نا اور کپڑے بھی جانے کب کے بدلے ہوئے ہیں، جاؤ پہلے جا کر فریش ہو کر چینج کرو، جہان کے آنے کا ٹائم ہو رہا ہے۔" مما جان نے اس وقت اسے ٹوکا تھا جب وہ ٹرے رکھ کر واپس پلٹ رہی تھی۔

"آج لالے نے بریانی اور چکن روسٹ کی فرمائش کی تھی مما، مجھے کھانا تیار کرنا ہے، پہلے ہی خاصی دیر ہو چکی ہے۔" اس نے آہستگی سے جواب دے کر قدم بڑھانے چاہے تھے کہ مما جان نے پھر ٹوک دیا۔

"تو کھانا بنانا صرف آپ کی ہی ذمہ داری نہیں ہے بیٹے، ماریہ اور اسما ہیلپ کریں گی آپ کی، آپ پہلے اپنا حلیہ سنوارو، صبح جہان کہہ رہے تھے وہ آپ دونوں کو کہیں باہر لے کر جانا چاہ رہے ہیں۔" مما کے قطعی انداز پہ وہ مزید کچھ نہیں کہہ سکی تھی اور سر ہلا کر اندر چلی گئی، نہا کر اس نے لباس تو تبدیل کر لیا تھا مگر جہان کے ساتھ جانے کا اس کا بالکل کوئی ارادہ نہیں تھا، جبھی اس کے آنے اور پھر بار بار کے پیغام کے باوجود اس نے غفلت برتے رکھی تھی، بریانی کے لئے اسے زردہ رنگ کی ضرورت تھی جو مل کر نہیں دے رہا تھا، نیچے والے سارے کیبنٹ چھان مارے مگر نہیں مل سکا، بھابھی کسی کام سے وہاں آئیں تو اسے کھوجتے دیکھ کر زردہ رنگ کی نشاندہی کر دی، جو سب سے اوپر والے کیبنٹ میں پڑا ہوا تھا، زینب نے گہرا سانس بھرا اور اسٹول کھینچ کر اس پہ قدم جما کر اوپری کیبنٹ تک رسائی حاصل کی تھی، زردہ رنگ موجود تھا اس نے وہیں کھڑے ہو کر حسب ضرورت رنگ چمچ میں نکالا اور کیبنٹ پھر سے واپس اس کی جگہ پر فٹ کر رہی تھی کہ اسی پل اس کی نگاہ کیبنٹ کے اندر سے برآمد ہونے والے کاکروچ پر پڑی، ویسے اور کیبنٹ تو چھوٹا ہی تھا وہ مارے خوف کے اپنا توازن بھی مختصر سے اسٹول پہ برقرار نہ رکھ سکی اور تیز چیخ کے ساتھ لہرا کر نیچے گرتے ہی خوف سے آنکھیں میچ لیں، مگر یہ کیا وہ پختہ فرش کی بجائے کسی کی مضبوط بانہوں کے حصار میں تھی، سراسیمگی کے احساس پر حیرت غالب آئی اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں تھیں اور روبرو جہان کو پا کر ایک دم سے جز بز ہو گئی۔

"شکر کرو میں بروقت پہنچ گیا، ورنہ اگر تھوڑی سی بھی دیر ہو جاتی تو کیا ہوتا ذرا سوچو۔" وہ مسکراہٹ دبا کر کہہ رہا تھا، زینب نے ایک جھٹکے سے اس کے بازوؤں کا حصار توڑا تھا اور فاصلے پہ ہو گئی، وہ اس سے نگاہیں نہیں چار کر سکتی تھی، حواس باختگی کا عالم تھا کہ وہ قطعی فیصلہ نہیں کر پائی کہ گرتے ہوئے خود بخود اس کے سینے میں سما گئی تھی یا اس میں جہان کی کسی شعوری کوشش کا عمل دخل تھا، کتنی مضبوط تھی اس کی گرفت جیسے یہ حلقہ توڑنا نہ چاہتا ہو، کتنے سے دونوں کی دھڑکنیں ایک دوسرے کی دھڑکنوں میں مدغم ہوتی رہی تھیں۔

"یار تیار ہو گئیں تھیں تو باہر بھی آ جاتیں، تمہارے انتظار میں سوکھ رہا تھا پتہ ہے نا؟" وہ کتنی گہرائی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا، زینب کی بے ترتیب دھڑکنیں تو تھیں ہی کچھ اور بھی انتشار کا شکار ہو کر رہ گئیں۔

"مجھے نہیں آنا تھا، آپ کو اتنی سی بات سمجھ نہیں آتی؟" چڑے ہوئے انداز میں کہہ کر وہ ماربل کے

فرش سے زردہ رنگ کو گیلے کپڑے سے صاف کرنے لگی، کیبنٹ کو دراڑیں آ گئی تھیں جسے تاسف کی نگاہ سے دیکھتے اس نے سائیڈ پہ رکھ دیا تھا۔

''کیوں؟ کیا اس لئے کہ تم خود بھی یہ حسین اتفاق چاہتی تھیں؟'' جہان کی بات پہ اس کے اعصاب کو جھٹکا لگا تھا، اس نے پلٹ کر تحیر آمیز غیر یقینی سے جہان کو دیکھا اور اس کی معنی خیز مسکراہٹ پہ جی جان سے جل اٹھی تھی۔

''دماغ ٹھیک ہے آپ کا؟ خبردار جو مجھ سے اس قسم کی فضول بات کی ہو۔''

''یہ فضول بات نہیں ہے محترمہ۔'' جہان کے اطمینان میں ذرا جو فرق آیا ہو، فریج کا دروازہ کھول کر وہ ایک سرخ اور صحت مند سیب نکال کر کرچ کرچ کھا رہا تھا۔

''پھر کیا ہے یہ؟'' زینب کا انداز ہنوز کڑا تھا۔

''بیوی سے رومانس کا ایک طریقہ ہے۔'' اس نے کاندھے جھٹکے تھے، زینب کو صحیح معنوں میں آگ لگ گئی۔

''آپ کی بیوی وہاں باہر بیٹھی ہے۔'' اس نے انگلی سے لان کی سمت اشارہ کیا، چہرا لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

''ایک میرے سامنے بھی کھڑی ہے۔'' جہان نے اسی سکون کا مظاہرہ کیا، زینب نے ایک دم سے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

''کیا چاہتے ہیں آپ؟'' وہ خاص تاخیر سے بولی تو لہجہ تب بھی غصیلا ہی تھا۔

''تم سے صلح۔'' جہان مسکرا دیا۔

''میرا آپ سے ہرگز کوئی جھگڑا نہیں ہے۔'' اس نے جیسے بات نپٹانی چاہی۔

''پھر کاٹ کھانے کو کیوں دوڑ رہی ہو، بات کیوں نہیں مانتی۔''

''آپ مجھے غصہ دلا رہے ہیں، کیوں زبردستی کر رہے ہیں؟'' وہ کوئلے کی طرح چٹخی۔

''اس قسم کی الزام تراشی مت کرو زینی، میں نے کوئی زبردستی نہیں کی ہے تم سے تم بھی گواہ ہو۔'' وہ شاید کچھ جھنجلا رہا تھا، زینب کے چہرے نے ایک دم سے بھاپ چھوڑ دی، وہ جھلس کر رہ گئی تھی۔

''آپ چلے جائیں یہاں سے جے۔'' اس نے ایک دم سے رخ پھیر لیا تھا، اس کی آنکھوں میں اس ذلت پہ آنسو اترنا شروع ہو گئے تھے، جہان نے کچھ دیر تک اس بے بس نظروں سے دیکھا تھا پھر ہونٹ بھینچ کر پلٹ گیا تھا، وہ سمجھ نہیں سکتی تھی، مگر اس کی جانب اپنے وقار اور ان کو پکل کر اختیار کیا گیا سفر جہان کو ہر بار شدید تھکن سے دوچار کر جاتا تھا۔

☆☆☆

گر سیاہ بخت ہی ہونا تھا نصیبوں نے میرے
زلف ہوتے تیری یا تیرے رخسار کا تل

معاذ نے اسے دیکھتے ہوئے مسکراہٹ دبا کر شعر پڑھا، پرنیاں کا چہرا حیا کی سرخی سے ایک دم دہک اٹھا، وہ ہر روز جاتے کتنی بار اس سے پوچھتا اس کے چلہ نہانے میں کتنے دن رہ گئے ہیں وہ ہر روز بتاتی مگر وہ آج جھنجلا گئی تھی۔

''آخر آپ کو کیا دلچسپی ہے؟ ابھی بہت دن پڑے ہیں۔''
''مجھے نہیں تو اور کسے دلچسپی ہوگی بھلا؟ فراق یار کا اختتام اسی دن ہوگا جناب۔'' اس کی آنکھیں نچانے پہ پرنیاں کا شرم سے برا حال ہو گیا تھا۔
''آپ اتنے بدتمیز کیوں ہیں معاذ۔'' وہ کھسیاہٹ مٹانے کو یہی کہہ سکتی تھی۔
''اس میں کیا بدتمیزی ہے بھلا؟'' معاذ نے منہ پھلا کر سوال کیا تھا، اب وہ اسے جواب میں کیا کہتی ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی۔
''مما کہہ رہی ہیں، جس دن میں چلہ نہاؤں گی، وہ مجھے اپنے کمرے میں لے جائیں گی۔''
''واٹ؟'' وہ زور سے چیخا پھر اسے گھورنے لگا۔
''مطلب کیا ہے ان کی اس بات سے؟''
''مطلب تو واضح ہے جناب، انہیں اپنے بیٹے پہ اعتماد ہے نہ بھروسہ، جبکہ ڈاکٹر نے بہت سخت احتیاط کی ہدایت کی ہوئی ہے۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولی تو معاذ نے دانت کچکچائے تھے۔
''مما کو تو میں خود دیکھ لوں گا، یہ بتاؤ ان کی اس سازش میں تم بھی شریک ہو نا؟'' وہ سخت مشکوک نظر آنے لگا، پرنیاں کی ہنسی چھوٹنے لگی تھی۔
''میں کیوں شریک ہوں گی، مجھے تو انہوں نے خود ہی سمجھایا تھا۔''
''ہاں تم کہاں میری طرح بے قرار ہو گی، محبت میں نے کی ہے تم نے تھوڑی۔'' وہ پھر آہیں بھرنے لگا، ساتھ ہی الزام تراشیوں پہ بھی اتر آیا، پرنیاں نے جان بوجھ کر اسے کچھ اور چڑایا۔
''بالکل جہاں محبت ہوتی ہے بے قراری بھی ہوتی ہے، صد شکر ہم نے ایسا کوئی روگ نہیں پالا ہوا۔'' معاذ نے اسے جارحانہ نظروں سے دیکھا تھا، پھر ایک دم اس کی کلائی پکڑ کر مروڑی۔
''کیا واقعی میں تمہیں اچھا نہیں لگتا؟''
''اتنے برے بھی نہیں ہیں۔'' وہ جیسے ان چھڑانے کو بولی تھی۔
''میں کتنا برا ہوں یہ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا، پناہ مانگو گی مجھ سے۔'' اس کی آنکھوں میں شوخ رنگ چھلک آئے تھے، پرنیاں نے سخت کنفیوژ ہوتے اسے دور دھکیلنا چاہا تھا مگر اسی پل اپنی دھیان میں زیاد اندر آیا تھا، معاذ تیزی سے پرنیاں سے الگ ہوا اور خوامخواہ کھنکارا، زیاد نے اسے غصے سے دیکھا تھا۔
''محترم یہ آپ کا بیڈ روم نہیں ہے۔''
''آپ کیوں جیلس ہو رہے ہیں؟'' معاذ نے اس کے کچھ اور تپنے کا انتظام کیا تھا گویا، جبکہ پرنیاں اچھی خاصی خجل نظر آ رہی تھی۔
''جیلس کیوں نہیں ہوں گا، یہاں سب اپنے گھربار والے ہو گئے، اک میں ہی اکیلا پھر رہا ہوں، میں کہتا ہوں کسی کو میرا ابھی خیال ہے کہ نہیں ظالمو۔'' وہ اپنا دکھڑا لے کر بیٹھ گیا تھا۔
''یار اور بکھیڑے کم ہیں جان کو، یہ زندگی غنیمت ہے، عیش اڑا لو جتنے اڑانے ہیں۔''
''یہ عیش آپ نے کیوں نہ اڑا لیے، آپ کو اپنی باری تو بڑی جلدی تھی۔'' زیاد نے تڑپ کر چمک اٹھنے والے انداز میں باقاعدہ ہاتھ لہرا کر طعنہ مارا، پھر پرنیاں کو مخاطب کیا تھا۔

''بھابھی آپ ہی خیال کر لیں۔'' اس کے انداز میں بے چارگی سی بے چارگی تھی، پرنیاں کو ہنسی آ گئی تھی۔

''او کے میں نوریہ کو قائل کرنے کی کوشش کروں گی۔''

''اللہ آپ کا بھلا کرے۔'' وہ باقاعدہ دعائیں دیتا رخصت ہو گیا، اسی وقت مما عدن کو لئے چلی آئی تھیں، جس کی مالش کے بعد انہوں نے اسے نہلایا تھا، محترم اب مزے سے سو رہے تھے، وہ عدن کے سب سے زیادہ ناز اٹھایا کرتی تھیں۔

''مما عدن کا ہیئر بھلا کون چینج کیا کرے گا؟'' مما نے عدن کو اس کی گود میں دیا تو پرنیاں نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا تھا۔

''کون کیا کرے گا؟'' انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''معاذ کیا کریں گے۔'' وہ اپنی بات کے اختتام پہ شرارت بھرے انداز میں کھلکھلائی تھی، معاذ پہلے حیران ہوا پھر اس کی شرارت سمجھ کر اسے گھورتے ہوئے اپنا کاندھا زور سے اس کے کاندھے سے مارا تھا۔

''تمہیں کس لئے رکھا ہے، صرف میری نہیں میرے بیٹے کی بھی آیا ہو تم۔'' وہ ہنس رہا تھا، پرنیاں کا منہ بن گیا۔

''دیکھ رہی ہیں مما انہیں، یہ ہے ان کے نزدیک میری حیثیت اور دعوے بڑے بڑے کرتے ہیں۔'' پرنیاں نے مصنوعی خفگی سے مما سے شکایت جڑی تھی، جواب میں معاذ نے اس پہ چڑھائی کر دی۔

''ہاں تو جو تم نے مجھے کہا اس میں میری انسلٹ نہیں ہوئی؟''

دونوں کی نوک جھونک بڑھنے لگی، وہ ہنس بھی رہے تھے اور لڑ بھی اس لڑائی میں بھی مان تھا محبت تھی اور رشتے کی خوبصورتی زندگی کا یہ رنگ کتنا حسین تھا، یہ نہیں تھا کہ پرنیاں یا معاذ نے کڑا وقت نہیں دیکھا تھا مگر ان کی پریشانی بالآخر ختم ہو گئی تھی، زندگی کی خوبصورتی نے بالآخر انہیں اپنے سنگ شامل کر لیا تھا، ایک بس وہ تھی جس کے لئے زندگی کا ہر حسین رنگ پھیکا پڑ گیا تھا، اس کا دل دکھ سے بھرنے لگا تو وہیں سے پلٹ گئی تھی۔

(جاری ہے)

اتنی سی بات
کنول ریاض

"ایک تو یہ آج کل کی نسل، پتا نہیں خود کو سمجھتی کیا ہے، بڑوں کی بات کا کوئی پاس ہی نہیں۔" میں نے غصے سے چینی اور پتی کے جار کیبنٹ میں پٹختے ہوئے سوچا۔

"خیر بہت کر لی ان بچوں نے من مانی مگر اب ہوگا وہی جو پہلے سے طے تھا سب چڑھتی جوانی کا خمار ہے خود ہی چند دنوں میں اتر جائے گا اور جب مضبوط بندھن میں بندھ گئے تو سب بھول بھال جائیں گے۔"

چائے کا مگ لئے میں لاؤنج میں چلی آئی اور ہلکے ہلکے سپ لیتے آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے خود کو پرسکون کرنے لگی، دراصل بات یہ ہے کہ ہم چار بہن بھائی ہیں میں یعنی فرزانہ سب بہن بھائیوں میں بڑی ہوں۔

حیدر اور ولید میرے آنگن کے ستارے ہیں مجھ سے چھوٹا بھائی فیصل اور بہن شمع جڑواں ہیں فیصل کے ہاں بڑی منتوں مرادوں کے بعد شادی کے آٹھ سال بعد بیٹی کرن پیدا ہوئی اور پھر حرا اور ثنا جڑواں پیدا ہوئیں جبکہ شمع کے ہاں شادی کے دوسرے سال ہی فہد اور پھر یکے بعد دیگرے ربیع، انس اور فروا پیدا ہوئے جبکہ سب سے چھوٹے بھائی حمزہ کے ہاں اس کا اکلوتا جگر گوشہ ارسلان ہے جو سب میں چھوٹا اور گھر بھر کا لاڈلا ہے یہ ارسلان ہی کی سالگرہ کا قصہ ہے کہ اس کی پہلی سالگرہ پر ہم سب بہن بھائی اماں کے ہاں اکٹھے ہوئے تو اپنی اس محبت اور یگانگت کو دوام بخشنے کے لئے ہم لوگوں نے زبانی کلامی بچوں کی بات آپس میں طے کر دی۔

میرے حیدر کے لئے کرن جبکہ فہد کے ساتھ حرا، ربیع کے ساتھ ثنا اور ولید کے لئے فروا چنی گئی رہ گئے انس اور ارسلان تو وہ جہاں قسمت انہیں لے جاتی۔

اس بات کو سات سال گزر چکے تھے ارسلان آٹھ سال کا ہو گیا تھا جبکہ باقی بچے یا تو پڑھائی مکمل کر چکے تھے یا آخری سالوں میں تھے، حیدر اور فہد باپ کے بزنس میں ہاتھ بٹا رہے تھے تو کرن بی اے کر چکی تھی جبکہ ربیع میڈیکل کے تیسرے سال میں تھی ولید بی بی اے کے آخری سال اور ثنا اور حرا بھی بی ایس سی کے آخری سال میں تھیں، ارسلان اور فروا بالترتیب بی سی ایس اور آئی سی ایس فائنل ایئر میں تھے۔

تو ایسے میں جب میں حیدر اور کرن کی شادی کا سوچ رہی تھی تو وہ کچھ ہو گیا جس کی قطعاً مجھے کوئی امید ہی نہ تھی، فہد میرا بھانجا جو حرا کے ساتھ منسوب تھا اس کا رجحان کرن کی طرف جا نکلا اور کرن بھی فہد کو دل ہی دل میں چاہنے لگی، جب تک یہ بات ہم بڑوں کے علم میں آئی پانی سر سے گزر چکا تھا، فہد نے شمع کو کرن کے لئے رشتہ لے جانے کا کہا تو شمع نے ہم بڑوں کی طے کردہ نسبت اس کے گوش گزار کی جسے سن کر بقول شمع فہد آپے سے باہر ہو گیا تھا اس کا کہنا تھا کہ اول تو بچپن کی نسبت کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ انتہائی احمقانہ فعل تھا اور دوسرے یہ کہ اگر آپ لوگوں نے ایسا کچھ طے کیا تھا تو بھی ہم سب کی تلافی ممکن نہ تھی، کرن بھی فہد کے علاوہ کسی اور کا تصور نہیں کر سکتی، ہفتہ دس دن تک اس بات کا حل نکالنے کی کوشش میں ہلکان شمع بالآخر میرے پاس چلی آئی تھی، ساری بات سن کر میں نے اور شمع نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ ہمیں جلد از جلد بچوں کی خاص طور سے کرن اور حیدر کی شادی یا پھر نکاح کر دینا چاہیے تا کہ کرن کے حصول میں ناکامی کے بعد فہد خود بخود اس کا خیال دل سے نکال کر حرا سے شادی کی حامی بھر لے۔

یہ سب طے کر لینے کے بعد میں کل سے خفگی بھرے انداز میں تو جوان نسل کی حرکتوں پہ جل بھن رہی تھی اور ایسا کرنے میں میں حق بجانب تھی ایک ہمارا دور تھا جہاں ماں باپ نے چاہا وہی سر جھکا کر ہاں کر دی اور ایک یہ آج کل کے بچے تھے، اپنی مرضی اپنی پسند سے کم یہ راضی ہی نہ ہوتے تھے، میں انہی فکروں میں غلطاں تھی کہ اچانک کسی کے زور زور سے رونے پیٹنے کی آواز سن کر ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی، دروازے کی چٹخنی گرا کر جیسے ہی باہر جھانکا تو ساتھ والی زبیدہ نظر آئی وہ بھی مجھے دیکھ کر تیزی سے میری جانب لپکی۔

''خالدہ وفات پا گئی ہے۔'' گلوگیر لہجے میں اس نے کہا تو میں حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی۔

''کون سی خالدہ؟'' گومگو کی کیفیت میں، میں نے سوال کیا۔

''ارے یہ اپنی سامنے والی خالدہ..... بھٹی ہاؤس والی۔'' زبیدہ نے تفصیلاً بتایا تو میں چند لمحوں کے لئے کچھ بول ہی نہ سکی۔

''اسے کیا ہوا اچانک؟ ابھی پرسوں تک تو بھلی چنگی تھی؟'' بمشکل میں نے پوچھا۔

''بس بہن یہ آج کل کی نسل، بچے ہی ماں کو لے ڈوبے پرسوں رات ہی ماں کی بچوں سے کسی بات پہ تو تو میں میں ہوئی وہیں پہ بی پی شوٹ کر گیا اور ہارٹ اٹیک کی صورت بیچاری کو لے ڈوبا، میں وہیں جا رہی ہوں جانا ہے تو آ جاؤ۔'' زبیدہ نے تفصیل بتا کر مجھے ساتھ چلنے کو کہا تو میں دوپٹہ درست کرتی دروازے کی چابیاں تھامے اس کے ساتھ ہو لی، خالدہ سے میری بھی اچھی علیک سلیک تھی۔

میری ہی ہم عمر تھی تین بیٹیاں اور چار بیٹے تھے اس کے بڑے تین بیٹے شارجہ میں مقیم تھے اور ان میں سے دو شادی شدہ تھے جبکہ بڑی بیٹی کی بھی ایک سال پہلے ہی رخصتی کی تھی۔

چھوٹی دو بیٹیاں پڑھائی سے فراغت پا چکی تھیں جبکہ سب سے چھوٹا بیٹا میٹرک کا طالبعلم تھا، خالدہ کے گھر کہرام مچا ہوا تھا، بیٹیاں ماں کی چارپائی کے گرد رو رو کر بے حال ہو رہی تھیں جبکہ بیٹا ایک ہاتھ سے موبائل تھامے بھائیوں کے ساتھ بات کر رہا تھا تو دوسرے ہاتھ سے اپنے بہتے آنسوؤں کو پونچھے چلا جا رہا تھا، باہر بیٹھے تینوں بیٹے ماں کی جدائی سے نڈھال تو تھے ہی لیکن ساتھ ہی ساتھ انہیں یہ دکھ بھی رلائے جا رہا تھا کہ وہ آخری وقت میں اپنی ماں کو کاندھا بھی نہیں دے سکتے تھے، وہاں موجود ہر شخص کی آنکھ ان بچوں کی اس بے بسی پہ اشکبار تھی کہ لاکھوں کا بینک بیلنس رکھنے والے وہ تینوں نوجوان اس وقت اتنے مفلس تھے کہ چاہنے کے باوجود اپنی ماں کی آخری رسومات پہ نہیں پہنچ سکتے تھے، سب سے چھوٹی بیٹی ماں کے پاؤں پکڑے مسلسل ایک ہی تکرار کیے جا رہی تھی۔

''اللہ کے واسطے امی مجھے معاف کر دیں، ایک بار اٹھ جائیں ہم آپ کی ساری باتیں مانیں گے، پلیز امی ایک بار......''

بچی کی بار بار کی تکرار پہ میں حیرت زدہ سی اسے دیکھنے لگی، ایسی کیا بات تھی کہ جو نوبت یہاں تک پہنچ گئی؟

''بس بہن اللہ رحم کرے ہر کسی پہ اور ایسا وقت نہ دکھائے کہ پیٹ کے جنے ماں جائیوں میں جدائی ڈلوا دیں پر اب تو ہر گھر کی یہی کہانی ہے۔''

میرے پیچھے دھیمی سی آواز میں کوئی عورت بولی تو میں نے بے ساختہ گردن پیچھے موڑی ایک

عورت جو یقیناً خالدہ کی رشتہ دار تھی اپنے ساتھ بیٹھی ایک اور عورت کو بتا رہی تھی تجسس کے مارے میرے بھی کان کھڑے ہو گئے، جبکہ میری توجہ سے بے نیاز وہ اپنی ساتھی کو زور وشور سے خالدہ کی کہانی سنانے میں مصروف ہو گئی۔

''تین تین بھائی تھے یہ خالدہ سب سے بڑی تھی، اس سے چھوٹی ساجدہ اور پھر بھائی خالد جو ایک طرح سے ان کے لئے بیٹوں کی جگہ ہے، بہنوں سے کافی چھوٹا اور ماں کے مرنے کے بعد خالدہ نے ہی اس کو جذباتی طور پر سنبھالا تھا حالانکہ بال بچوں والا ہے لیکن ابھی تک ماں بہنوں کے پلو سے بندھا ہے اور یہ خالدہ بھی بڑا ہی خیال کرتی ہے اس کا اور اس کے بچوں کا کپڑے پیسے ہر طرح سے عیش حاصل تھی۔''

''اُف...... یہ ہم عورتوں کی داستاں گوئی کی عادت، مجال ہے کہ سیدھی سیدھی بات کریں گھما پھرا کر اور جلیبی کی طرح بل دار باتیں۔''

میں نے کوفت سے پہلو بدلا کیونکہ مجھے اصل بات جاننے کی بے چینی تھی۔

''تو پھر ناراضگی کیسے ہو گئی ان لوگوں میں، کہاں کو اتنا پیار سننے میں آتا تھا ان سب کا۔''

دوسری عورت نے دھیمے سے بات کو اصل رخ پہ موڑا تو میں بھی ہمہ تن گوش ہو گئی۔

''خالدہ نے اپنے بیٹے کا نکاح کیا تھا ساجدہ کی بڑی بیٹی سے جبکہ بچی کی مرضی شامل نہ تھی بس ماں نے زبردستی کر کے نکاح پڑھوایا تھا لیکن نکاح کے ایک سال بعد بھی جب لڑکی کسی طور رخصتی پہ آمادہ نہ ہوئی تو اس نے طلاق لے لی بس وہ دن اور یہ دن خالدہ کے ساتھ ساتھ اس کے بھائی خالد نے بھی ساجدہ کا بائیکاٹ کر رکھا ہے حالانکہ اب خالدہ کا بیٹا بھی شادی شدہ ہے اور ایک خوش باش زندگی گزار رہا ہے اور ساجدہ کی بچی بھی اب بال بچوں والی ہے، بارہا ساجدہ نے معافی مانگ کر راضی ہونا چاہا اور کچھ کچھ خالدہ بھی آمادہ تھی راضی نامے پہ لیکن یہ آج کل کے بچے، خالدہ کی بیٹیاں پرسوں رات بھی خالدہ سے اسی بات پہ لڑیں تھیں کہ وہ کیوں چھپ چھپ کر اپنی بہن ساجدہ سے ملتی ہے حالانکہ اس کی بچی نے ان کے بھائی کی توہین کی تھی طلاق لے کر اور ساتھ میں مزید زہر فشانیاں، بس وہی خالدہ کو لے ڈوبیں، اب کے بیچاری ایسا گری کہ پھر اٹھ ہی نہ پائی۔''

تاسف زدہ انداز میں کہتے وہ عورت ابھی مزید کچھ اور کہنے لگی تھی کہ اچانک ایک شور اٹھا تھا اور خالدہ کے گھر کے کھلے دروازے سے کوئی عورت روتی دھوتی اندر داخل ہوئی، چہرے کے نقوش میں بہت حد تک خالدہ کی مشابہت تھی میرے ذہن میں ایک دم ساجدہ کا خیال ابھرا۔

وہاں موجود بہت سی عورتوں کے منہ سے ایک دم ساجدہ کا نام پھسلا تو میرے خیال کی تصدیق ہو گئی، خالدہ کا بھائی خالد جو پہلے ایک طرف کھڑا سر پہ ہاتھ رکھے اونچی آواز میں رو رہا تھا، بہن کو دیکھ کر لپک کر اس کی طرف آیا اور وہ بہن جس سے مدتوں سے اس نے جینا مرنا ختم کر رکھا تھا اس کے گلے لگ کر ایسا رویا کہ ہر آنکھ اشکبار ہو گئی، خالدہ جیسی بہن کا غم بانٹنے کے لئے اسے اپنی ماں جائی کے کاندھے کی ہی ضرورت تھی کہ ان کا دکھ سانجھا تھا، بچوں کی ماں مری تھی تو وہ تینوں بہنیں ایک ساتھ تھیں ماموں انہیں یاد نہ تھا سچ کہتے ہیں کہ ایک ماں کے پیٹ سے جنے دکھ سکھ کی سانجھ میں بھی ایک ہی ہوتے ہیں کہ دکھ کی سانجھ ہی قریب کرتی ہے یہی حال ساجدہ اور خالد کا تھا ان کی بہن دنیا سے منہ موڑ گئی تھی یہ دکھ نہیں مل کر بانٹا تھا اور میں سکتے کی سی کیفیت

میں کھڑی یہ سارے مناظر دیکھ رہی تھی، میرا ذہن اس بات کو قبول کرنے کو تیار نہ تھا کہ اگر ہم بھی اپنے بچوں کے بارے میں اپنی مرضی کے فیصلے کریں گے تو ایسا ہی ایک منظر کچھ عرصے بعد میرے گھر میں بھی وقوع پذیر ہو سکتا ہے، بس لمحے بھر کی بات تھی اور فیصلہ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

آج فہد اور کرن کا نکاح ہے، جی آپ درست سمجھے خالدہ کے گھر کے مناظر نے میری آنکھیں کھول دی ہیں اور میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ آپس میں بچوں کے رشتے کر کے جہاں ہم مزید قریب ہوتے ہیں وہیں کبھی کبھی غلط فیصلے ہمارے موجودہ رشتے میں دراڑیں ڈال دیتے ہیں اور میں نے اپنے گھر کو انہی دراڑوں سے محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے اگرچہ فہد اور کرن کے رشتے کا سن کر جس طرح سے میرے حیدر نے چپ کی بکل اوڑھی ہے وہ میرا کلیجہ نوچ جا رہی ہے

حیدر جوان ہے اور آج کل کے زمانے کے تقاضوں سے آشنا جلد ہی انشاءاللہ وہ اپنی دنیا میں لوٹ آئے گا لیکن اگر میں زبردستی کر لیتی تو حیدر کے ساتھ ساتھ باقی تینوں بچوں کرن، حرا اور فہد کی زندگی بھی ناآسودہ ہوتی جو ہم بڑوں کو بھی تکلیف دیتی اب چار بچوں کی زندگی سے کھیلنے سے کہیں بہتر ہے کہ حیدر کا دکھ میں برداشت کر لوں اور اپنے بہن بھائیوں کو جوڑے رکھوں یہی میری کامیابی ہے۔

اپنے دل کی حکایت سے نظر چراتے میں نے سامنے اسٹیج پہ بیٹھے جوڑوں پہ نظر ڈالی فہد اور کرن کے ساتھ ساتھ آج ولید اور حرا کی بھی رسم منگنی تھی حیران مت ہوں جب ہم بڑوں نے اپنے بچوں کی خوشیوں کا طے کر ہی لیا تھا تو پھر ولید اور حرا کو اس حق سے کیوں محروم رکھتے رہی فروا تو پچھلے ہفتے اس کی منگنی اس کے تایازاد سے فروا کی مرضی اور خوشی سے کر دی گئی تھی بات رشتوں کو مضبوط کرنے کی ہی ہے ناں بس اک ذرا سی ترتیب ہی تو بدلی ہے اور اب اتنی سی بات کے لئے کیا رنجور ہونا۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM
تمہارے عشق سے
قرۃ العین خرم ہاشمی
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

کبھی خود کو تجھ میں سمو کے
میں لکھوں چاہتوں کے مکالمے
کبھی نام اپنا کسی نکال لوں
تیرے نام کی کسی فال سے
جو تیرے خیال کو جاوداں
جو مرے سخن کو امر کر دے
وہی ایک لمحہ تراش لوں
تیرے ہجر کے مہ و سال سے

آج صبح سے ہی لندن کا موسم ابر آلود تھا، گھنے سیاہ کالے بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ لیا تھا اور دن کی روشنی کو شام کے سنہری پن میں بدل کر رکھ دیا تھا، کچھ ہی دیر بعد موسلا دھار بارش نے ہر طرف جل تھل کر دی تھی۔

سسٹر ماریہ نے بارش سے بچنے کے لئے سر پہ چھتری تان رکھی تھی، مگر ہوا کے ساتھ اُڑتے بارش کی بوندوں نے اسے کافی حد تک بھگو دیا تھا، جس کی سسٹر ماریہ کو کوئی پرواہ نہیں تھی، بارش کے قطروں نے اس کے معصوم چہرے کو بھگو رکھے تھے اور اس کے ساتھ ہی سسٹر ماریہ کی آنکھوں سے ٹپکتے آنسو بھی شامل تھے۔

قبرستان میں بہت تھوڑے لوگ موجود تھے اور ان میں سے بھی مرنے والے کو صرف سسٹر ماریہ ہی قریب سے جانتی تھی، سسٹر ماریہ سے اس کا تعلق قائم ہوئے بھی بہت لمبا عرصہ نہیں گزرا تھا، مگر کسی سے تعلق قائم کرنے اور اسے سمجھنے کے لئے وقت کا سفر کسی ایک خاص لمحے میں طے ہوتا ہے اور اسی لمحے کی قید میں آ کر بہت سے انجان لوگ ہمیشہ کے لئے اپنے بن جاتے ہیں اور ان کہے دل کے نہاں خانے میں چھپے رازوں کے امین بن جاتے ہیں اور ایسا ہی رشتہ تھا سسٹر ماریہ کا، مرنے والی سے، سسٹر ماریہ نے بھیگی پلکیں اٹھا کر آسمان سے برستے پانی کو دیکھا۔

مکمل ناول

''کتنی عجیب بات ہے میں نے زندگی میں کبھی تمہیں روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا باوجود اس کے کہ تمہاری آنکھیں ہمیشہ نم رہتی تھیں، جیسے دل کے اندر پھیلا غم آنکھوں میں نم بن کر پھیلا ہو، مگر تمہارے ہونٹوں پہ پھیلی افسردہ سی مسکراہٹ۔'' سسٹر ماریہ نے جھک کر قبر کی نم مٹی پہ ہاتھ پھیرا اور آہ بھری۔

''ایسا لگتا ہے جیسے جاتے جاتے تم نے اپنے سب آنسوؤں، آسمان کو دان کر دیئے مگر یہ سوچے بغیر کہ ان آنسوؤں کی اصل زمین تو کب سے سیراب ہونے کے لئے منتظر ہے اپنے جذبوں کے بنجر پن کے ساتھ دنیا کے لئے تو یہ شفاف پانی کے قطرے ہیں مگر میں جانتی ہوں کہ یہ تمہارے وہ آنسو ہیں جنہیں تم نے ہمیشہ خود میں سمو کر رکھا تھا۔'' سسٹر ماریہ نے خود کلامی کی جیسے قبر میں سویا وجود اسے سن رہا ہو، احساس کے رشتے ایسے ہی ہوتے ہیں، سسٹر ماریہ دھیرے سے اٹھی اور ایک الوداعی نظر قبر پہ ڈالی اور مڑ کر قبرستان کے پھاٹک کو کھول کر باہر کو نکل گئی، اب اسے مٹی کے نیچے سوئے ہوئے وجود سے کیا وہ وعدہ پورا کرنا تھا جو سیاہ جلد کی ڈائری میں قید اس کی الماری میں بند پڑا تھا۔

☆☆☆

''میں تمہارے ساتھ اپنے سارے خواب چاہتا ہوں۔'' سمندر کی لہروں سے کھیلتی لڑکی ٹھٹک کر رک گئی، اس کے خوبصورت نیلے رنگ کے کپڑے اسے پانی کا حصہ بتا رہے تھے اس کی گہری گہری سنہری جھیل جیسی آنکھوں میں حیرانی مجسم تھی، تیز ہوا سے اڑتی لٹیں اس کے خوبصورت چہرے سے لپٹ رہی تھی جن سے بے پرواہ وہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگی جو پینٹ کے پائنچے چڑھائے کہنی تک شرٹ کے بازو فولڈ کئے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے سمندر میں کھڑی اس جل پری کو دیکھے رہا تھا جو اس کے دل کا مکین ہو کر بھی معصوم اور انجان تھی۔

''تم جانتی ہو میرے خواب کیا ہیں؟'' اس نے جل پری کے وجود کو نظروں کے حصار سے آزاد کیا اور واپس جاتی لہروں کو دیکھتے ہوئے اپنے خواب سنانے لگا۔

''بہت چھوٹے چھوٹے خواب ہیں میرے، میں اپنے گاؤں کی سرسبز لہراتی فصلوں میں تمہارے ہنستے مسکراتے وجود کو قید کرنا چاہتا ہوں جب بارش کی بوندیں میرے صحن کی سرخ اینٹوں پہ ناچے میں تمہیں اس بارش میں بھیگتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں، سرسوں کے کھلے پیلے پھولوں میں تمہیں ڈھونڈنا چاہتا ہوں اور تم مجھ سے چھپن چھپائی مجھ سے ہی آن ٹکراؤ اور پھر بے ساختہ ہنس پڑو، میرے چھوٹے سے گھر کے کونے کونے میں تمہاری آہٹیں ہوں، میرے گھر کی ہر چیز پہ تمہارا لمس، تمہاری نرماہٹیں ہوں، میرے دن، میری شاموں، میری رات کو، مقصد مل جائے، ان میں رنگ بھر جائیں اگر تم ان میں شامل ہو جاؤ۔'' اس نے گہری سانس لے کر اپنی نظریں دوبارہ مجسمہ بنی لڑکی پہ ڈالی اور پاس آ کر دھیرے سے اس کے چہرے کو چھوتی بالوں کی لٹ کو چھوا اور بے اختیار ہو کر بولا۔

''تم جانتی ہو تم میری ذات کا سورج ہو، جس کی کرنوں سے میرے ذات کے چور اور چھپے ہوئے کونے روشن ہو گئے ہیں، میں کہیں بھی جاؤں میں کچھ بھی کروں میرا مرکز ہمیشہ تم رہی ہو، بالکل ایسے جیسے سورج مکھی کے پھولوں کا رخ ان کا مرکز ہمیشہ سورج ہی رہتا ہے، میں لاکھ کوشش کروں مگر میرا ہر راستہ تم سے شروع ہو کر تم تک ہی آتا ہے، مجھے لگتا ہے کہ تم میری ذات کا

وہ گم شدہ حصہ ہو جس میں میرے وجود کی تکمیل چھپی ہوئی ہے اور میں تم سے مل کر اپنی تکمیل کرنا چاہتا ہوں۔" وہ ایک قدم پیچھے ہٹا اور اپنا خوبصورت اور مضبوط مردانہ ہاتھ اس جل پری کے سامنے پھیلاتے ہوئے بولا۔

"کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟" وہ ہاتھ پھیلائے اپنے وجود کا گم شدہ حصہ مانگ رہا تھا اور وہ حیرانی سے ساکت ہو کر اس کے پھیلے ہاتھ کو دیکھتی نفی میں سر ہلاتی چند قدم پیچھے ہٹی اور پھر ایک دم پلٹ کر بھاگ گئی۔

اور وہ حیران و پریشان سا اسے جاتے دیکھنے لگا، اپنے پھیلے خالی ہاتھ پہ نظر ڈالتے ہی وہ سختی سے لب بھینچ کر رہ گیا اور دور جاتے نیلے آنچل کو دیکھنے لگا، جو لمحہ بہ لمحہ اس سے دور ہوتی جا رہی تھی، مگر خود کو اس کے پاس ہی چھوڑ گئی تھی، احساس کی صورت میں۔

☆☆☆

عاشر تیز تیز قدم اٹھاتا ہسپتال کے اندر داخل ہوا، تھوڑی سی تلاش کے بعد اسے مشعل نظر آ گئی، جو بینچ پہ بیٹھی زار و قطار رو رہی تھی، عاشر پہ نظر پڑتے ہی وہ تیزی سے اٹھی اور اس کے کندھے سے لگ کر بے ساختہ رو پڑی اور آپریشن تھیٹر کے بند دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ٹوٹے ہوئے لفظوں میں بولی۔

"عاشر! وہ مما؟"

"ٹیک اٹ ایزی، میں آ گیا ہوں سب سنبھال لوں گا پلیز رونا بند کرو اور آنٹی کے لئے دعا کرو اس وقت انہیں دعا کی اشد ضرورت ہے۔" عاشر نے مشعل کا سر تھپکتے ہوئے نرمی سے کہا تو وہ اپنے آنسو صاف کرتی، زیر لب اپنی مما کی زندگی کے لئے دعا کرنے لگی، عاشر نے آہستگی سے اسے قریبی بینچ پہ بٹھایا اور خود ڈیوٹی پہ موجود ڈاکٹروں سے تفصیل پوچھنے لگا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر آپریشن تھیٹر سے باہر نکلا تو مشعل نے چونک کر اس طرف دیکھا، جہاں ڈاکٹر اور عاشر آپس میں بات کر رہے تھے، ڈاکٹر نے نفی میں سر ہلا کر عاشر کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو عاشر نے بہت خاموش اور افسردہ نظروں سے ڈری سہمی بیٹھی، خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھتی مشعل کو دیکھا جس کا چہرہ یک لخت سفید پڑ گیا تھا کسی انہونی کا خوف اس کا دل دہلا رہا تھا، عاشر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا، مشعل کے پاس آیا اور اس کے پاس پنجوں کے بل بیٹھ کر اس کے سرد اور نم ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔

"آئی ایم سوری مشعل! آنٹی اب اس دنیا میں نہیں رہی ہیں۔" عاشر کے منہ سے نکلے الفاظ مشعل کو پتھر بنا گئے اور وہ ساکت اور پھٹی پھٹی نظروں سے عاشر کو دیکھنے لگی۔

آج اس نے اپنا آخری خونی رشتہ بھی کھو دیا تھا، اس سے پہلے کہ عاشر کچھ سمجھتا مشعل بے ہوش ہو کر، اس کی بانہوں میں جھول گئی۔

☆☆☆

ثانیہ نے سبزی کی ٹوکری میں سے آلو نکالے اور انہیں چھیلنے لگی، دعا کو فرنچ فرائز بہت پسند تھے، ثانیہ چپس بنا کر ٹی وی لاؤنج میں چلی آئی جہاں اس کی ساس فرحت بیگم دو سالہ دعا کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف تھیں، ماں کو آتا دیکھ کر دعا نے خوشی سے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیئے اور توتلی زبان میں ماں کو پکارنے لگی، ثانیہ نے آگے بڑھ کر دعا کو گود میں لے لیا اور پھوامی کے پاس تخت پہ ہی بیٹھ کر اسے چپس کھلانے لگی اور ساتھ ساتھ باتیں بھی کرنے لگی۔

"آج بھائی صاحب کا فون آیا تھا بتا رہے تھے کہ مایا کا بہت اچھا رشتہ آیا ہوا ہے اس اتوار کو

بلایا ہے انہیں کھانے پہ، کہہ رہے تھے کہ ہم لوگ بھی ایک بار مل لیں تاکہ بات فائنل کی جائے، تمہیں تو پتا ہے کہ بھائی صاحب، عنادل کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے ہیں۔" فرحت بیگم نے مسکراتے ہوئے اپنے اکلوتے بیٹے عنادل کا ذکر کرتے ہوئے کہا تو ثانیہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

"جی پھپھو! امی سے بات ہوئی تھی میری وہ بھی کافی مطمئن اور خوش لگ رہی تھیں۔" ثانیہ نے دعا کے منہ میں چپس ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹا! اللہ بہتر کرے اور اچھا وقت لائے، بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے یہ بھی والدین کے کندھوں پہ۔" فرحت بیگم نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

ثانیہ کے والد جنید رضوی کی چھ بیٹیاں ہی تھیں، بیٹا کوئی نہیں تھا مگر انہوں نے ہمیشہ عنادل کو اپنا بیٹا ہی سمجھا تھا اور عنادل نے بھی انہیں بیٹے ہونے کا پورا مان دیا تھا۔

فرحت بیگم جوانی میں ہی بیوہ ہو گئیں تھیں، عنادل اور شامین ان کے دو ہی بچے تھے، ماں باپ تو تھے نہیں ان کا میکہ اپنے اکلوتے اور بڑے بھائی جنید رضوی کے دم سے قائم تھا، جنہوں نے باپ اور بھائی دونوں کا مان دیا تھا ہمیشہ، فرحت سے چھوٹی ایک بہن نائلہ تھیں جو عرصہ دراز سے شارجہ میں مقیم تھیں اور ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، شامین کی شادی ان کے دوسرے نمبر والے بیٹے سے چار سال پہلے ہو چکی تھی اور وہ شارجہ میں بہت خوش مطمئن زندگی گزار رہی تھی۔

شوہر کے مرنے کے بعد ملنے والے جائیداد کے حصے کو بیچ کر انہوں نے فیصل آباد میں اپنے بھائی کے گھر کے پاس ہی گھر لے لیا تھا، جنید رضوی کا گھر دو گلیاں چھوڑ کر تھا۔

مگر ہر وقت کا آنا جانا لگا رہتا تھا، جنید رضوی کی چھ بیٹیاں تھیں اور ثانیہ چوتھے نمبر پہ تھی اس سے بڑی تینوں بہنوں کی شادی ہو چکیں تھیں، جن میں سے صائمہ آپی جو پہلے نمبر پہ تھیں، شادی کے بعد سے لندن میں مقیم تھیں اور ان سے چھوٹی فرحین سعودیہ اور رائمہ کی شادی کراچی میں ہوئی تھی، ثانیہ کا رشتہ بہت پہلے ہی فرحت بیگم عنادل کے لئے مانگ چکی تھیں۔

اب ثانیہ سے تین سال چھوٹی زویا کی باری تھی جو تعلیم مکمل کر چکی تھی۔

"عنادل کو یاد سے بتا دینا یہ ناں ہو کہ اتوار کو اس نے کچھ اور پلان کیا ہوا ہو۔" فرحت بیگم نے ثانیہ کو یاد دہانی کروائی تو وہ سر ہلا کر رہ گئی اور ٹشو سے دعا کا منہ صاف کرتی ہوئی بولی۔

"جی پھپھو! شام کو آئیں گے تو بتا دوں گی، ان کی تو اتوار بھی کافی بزی گزرتی ہے۔" ثانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور دعا کو گود سے اتار کر نیچے قالین پہ کھلونے دے کر بٹھایا اور کچن میں آ کر شام کے کھانے کی تیاری کرنے لگی۔

☆☆☆

آفس ٹائم ختم ہونے کے بعد وہ تیز تیز قدم اٹھاتی میٹرو اسٹیشن کی طرف جا رہی تھی جو یہاں سے قریب ہی تھا، اسی وقت کوئی اور بھی اس کے برابر قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا، وہ دیکھے بغیر بھی جانتی تھی کہ وہ کون ہے؟

کیونکہ روز اسی طرح وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا تھا، میٹرو سٹیشن پہ جا کر دونوں کی سمت بے شک بدل جاتی تھی، مگر وہ روزانہ سے بحفاظت اپنی نگرانی میں میٹرو اسٹیشن تک چھوڑتا تھا اور اس کے جانے کے بعد اپنی مطلوبہ ٹرین میں سوار ہوتا تھا، چاہے اسے گھر پہنچنے میں کتنی دیر ہو جاتی، مگر وہ اپنی محبت میں ایسا ہی تھا، پاگل پاگل سا، دیوانہ

اور کبھی کبھی اسے لگتا تھا کہ وہ اسے بھی اپنے جیسا بنا دے گا۔

''پچھلے دس دن سے میں تمہارے انکار کے پیچھے چھپی اصل وجہ جاننے کی کوشش کر رہا ہوں مگر ناکام رہا ہوں۔'' اس نے ساتھ چلتے ہوئے سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے بے بسی سے اعتراف کیا۔

''اصل وجہ سے آپ بہت اچھی طرح واقف ہیں۔'' اس نے کوفت سے ساتھ چلتے شخص کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جس کے لمبے چوڑے وجود کے پیچھے سب چھپ سا جاتا تھا حتیٰ کہ وہ خود بھی۔

''میں نہیں مانتا اس بات کو۔'' اس نے ایک لمحے کو رک کر پھر لاپروائی سے کہا تو اس کی بات سن کر وہ رک گئی اور غصے سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''پھر آپ یہ سمجھ لیں اقرار یا انکار کرنا میری ذاتی پسند و ناپسند پہ منحصر ہے اور یہ میرا حق بھی ہے۔'' اس نے اپنی سنہری آنکھوں میں سرد مہری کو سموتے ہوئے کہا۔

''چلو ایسا کرو کہ تم مجھے کوئی ایک ہی سولڈ اور مضبوط وجہ بتا دو، اپنے انکار کی، میں تمہارے راستے سے ہٹ جاؤں گا۔'' اس نے اپنی نظروں کی گرفت میں اس کا بے زار بے زار سا چہرہ قید کرتے ہوئے کہا تو وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

''اچھا اگر یہ سوال ہی میں آپ سے کروں؟ آپ کے پاس کیا وجہ ہے اپنی بات پہ قائم رہنے کی؟'' اس نے اپنی سنہری کانچ جیسی آنکھوں سے اس کی جذبے لٹاتی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

اگر کچی محبت کے جادو سے بچنا ہو تو کبھی بھی ایسی آنکھوں میں نہیں جھانکنا چاہیے جس کے دل کا راستہ آپ کے لئے کھلا ہو، آنکھوں کا سحر باندھ دیتا ہے، سدھ بدھ کھو دیتا ہے اور یہی غلطی وہ کر بیٹھی تھی مخاطب کی آنکھوں میں چھپی محبت نے اسے ہپناٹائز کر دیا اور وہ سارے لفظ ساری مزاحمت بھول کر یک ٹک اسے دیکھے گئی۔

''میرے لئے وجہ یہ دل ہے۔'' اس نے اپنے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میرے لئے وجہ تم ہو، تم ایک بار مانو تو سہی میں وجوہات کے ڈھیر لگا دوں گا۔'' اس نے ہمیشہ کی طرح سنہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جذبے سے کہا اور یہی وہ لمحہ تھا جب اس کی سنہری آنکھوں میں سرد مہری کے کانچ پہ، محبت کا پتھر لگا اور سرد مہری کے کانچ ٹوٹ کر دور دور تک بکھر گئے، محبت نے دل تک جانے کا راستہ کھوج لیا تھا، محبت کا لمس، دل کی بنجر زمین پر، بارش کی پہلی بوند کی طرح پڑا تو ساری مٹی مہک اٹھی اور اس کی خوشبو نے سانسیں معطر کر دیں اس نے گھبرا کر نظریں جھکائیں اور پہلے کی طرح سخت لہجے میں بولی۔

''میرا جواب اب بھی وہی ہے امید ہے کہ آپ دوبارہ میرے راستے میں نہیں آئیں گے۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑی اور آگے جانے کے لئے قدم بڑھائے جب اس نے اپنی پشت پہ اس کی آواز سنی۔

''اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ تم جسے راستہ کہہ رہی ہو وہ میری منزل ہے، میرا حاصل ہے اور اس کے بغیر میں کچھ بھی نہیں ہوں۔'' اس نے افسردگی سے خود کلامی کی اور اسے خود سے دور جاتا دیکھنے لگا، مگر وہ آج بھی یہ پہیلی سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ جتنا اس سے دور جاتی ہے اسے اتنا ہی کیوں اپنے قریب محسوس ہوتی تھی۔

یہ کیسا میکنزم تھا؟ یہ محبت کا کون سا فارمولا تھا، یہ دو دلوں کی کون سی فریکوئنسی تھی کہ جسے سمجھ کے بھی، وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا اور نہ ہی اسے سمجھا پا رہا تھا۔

☆☆☆

مشعل مما کی تدفین ہونے سے لے کر اب تک اسی گم صم سی حالت میں بیٹھی ہوئی تھی، چند دوستوں اور حاشر کے علاوہ اس مشکل وقت میں اور کوئی نہیں تھا اس کا ساتھ دینے کے لئے، حاشر نے ان تین دنوں میں اس کا بہت خیال رکھا تھا اور اسی وجہ سے وہ مشعل کو اپنے ساتھ اپنے اپارٹمنٹ میں لے آیا تھا، کیونکہ فی الحال مشعل کو اکیلے چھوڑنے والی صورتحال نہیں تھی۔

''مشعل کچھ کھا لو کب تک ایسے بھوکی پیاسی رہو گی۔'' حاشر نے بھاپ اڑاتا کافی کا مگ اور سینڈوچ گم صم سی بیٹھی مشعل کے سامنے رکھے اور اس کے پاس بیٹھ کر اس سے باتیں کرنے لگا اور باتوں باتوں میں ہی حاشر نے اسے کافی کے ساتھ سینڈوچ کھلا کر نیند کی میڈیسن دے دی۔

''تھوڑی دیر لیٹ جاؤ بہتر محسوس کرو گی۔'' حاشر نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا، مشعل روبوٹ کی طرح اس کے حکم کی تکمیل کرتی، اس کے ساتھ چل پڑی۔

حاشر اسے گیسٹ روم میں لے آیا اور بیڈ پہ بٹھا کر بولا۔

''ویسے تو تم میری بیوی ہوتے کے ناطے میرے بیڈ روم میں سونے کی حقدار ہو مگر میں کوئی بھی راستہ تمہاری مرضی اور خوشی کے بغیر شروع نہیں کرنا چاہتا، تم اب آرام کرو، صبح بات کریں گے۔'' حاشر نے نرمی سے اس کا گال تھپتھپایا اور کمرے سے باہر چلا گیا، آج سے دو ماہ پہلے جس رشتے کو اپناتے ہوئے وہ تذبذب کا شکار تھی، آج اسے اسی رشتے پہ فخر اور اطمینان محسوس ہو رہا تھا۔

مما کی زندگی میں ہی ان کی مرضی اور پسند سے، بہت سادگی سے ان دونوں کا نکاح ہوا تھا، رخصتی ابھی مشعل نہیں چاہتی تھی کیونکہ مما کو فی الحال اس کی ضرورت تھی اور تین دن پہلے ہونے والے ایک روڈ ایکسیڈنٹ نے اسے اس واحد رہ جانے والے رشتے سے بھی محروم کر دیا تھا مشعل نے اپنے آنسوؤں کو بہنے دیا اور بیڈ سے ٹیک لگا کر اپنے دردناک ماضی کو یاد کرنے لگی، جس نے اسے سوائے محرومی کے کچھ نہیں دیا تھا۔

☆☆☆

مشعل کے پاپا محسن علی کا تعلق پاکستان سے تھا، محسن علی اپنے والدین کی ڈیتھ کے بعد اپنے حصے کی جائیداد بیچ کر لندن آ گئے تھے، وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے، ان کے والد کے باقی بہن بھائی سوتیلے تھے اور محسن علی کے والدین اپنی زندگی میں ہی ان سے حصہ لے کر الگ ہو چکے تھے۔

والدین کے انتقال کے بعد محسن علی کے لئے پاکستان میں کوئی کشش باقی نہیں رہی تھی، سوتیلے رشتوں کی رنجشوں اور تلخیوں سے بچتے ہوئے وہ لندن آ گئے اور یہاں آ کر اپنے لئے نئی زندگی کا آغاز کیا۔

وہ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ جاب بھی کرتے تھے، دوران تعلیم ان کی ملاقات مشعل کی مما مہکی سے ہوئی، جس کا اصل نام مہک تھا، مگر سب میں مہکی کے نام سے مشہور تھیں۔

مہکی کی پیدائش اور تربیت انہی آزاد فضاؤں میں ہوئی تھی، وہ امیر والدین کی بہت لاڈلی اور ضدی بیٹی تھی اکلوتی ہونے کی وجہ سے ہر جائز و ناجائز بات منوا لینے والی نہایت خوبصورت اور طرح دار۔

نجانے کیسے اس باغی اور آزاد فضاؤں کی دلدادہ لڑکی کا دل سنجیدہ اور اپنے کام سے کام رکھنے والے محسن علی پہ آگیا، ہر کام کی طرح مہکی کی یہ محبت بھی بہت جذباتی اور طوفانی قسم کی ثابت ہوئی محسن علی بھی خوبصورتی اور مردانہ وجاہت میں اپنی مثال آپ تھے، اگر مہکی ان پر مرمٹی تھی تو کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔

مہکی نے اپنے والدین سے محسن علی کو ملوایا، مہکی کے والدین کو بھی محسن علی اپنی ضدی اور لاڈلی بیٹی کے لئے بہت مناسب لگا، جس کے آگے پیچھے بھی کوئی نہیں تھا۔

تعلیم سے فارغ ہوتے ہی دونوں نے شادی کر لی، مہکی کے والدین نے ایک لگژری اپارٹمنٹ دونوں کو گفٹ کیا جسے محسن علی نے مہکی کے بے حد اصرار پہ قبول کر لیا اور دونوں نے اپنی نئی زندگی کا آغاز وہاں سے کیا۔

شادی کے شروع کے دو سال بہت اچھے گزرے، دونوں میں پہلا اختلاف تب ہوا جب ڈاکٹرز نے مہکی کو ماں بننے کی خوشخبری سنائی، مہکی فی الحال بچہ نہیں چاہتی تھی مگر محسن علی کی یہ شدید خواہش تھی اور وہ بہت خوش بھی تھے مہکی نے محسن علی کو بغیر بتائے ڈاکٹر سے اپارشن کرنے کے لئے کہا، مگر ٹائم کافی گزر چکا تھا اس طرح کا کوئی بھی کام خود مہکی کے لئے رسک کا باعث بن سکتا تھا۔

مہکی نے دل پہ جبر کر لیا تھا، محسن علی ان دنوں مہکی کا بہت خیال رکھ رہا تھا، جیسے وہ کانچ کی نازک گڑیا ہو، ذرا سی بے احتیاطی سے ٹوٹ جائے گی۔

مہکی کو محسن علی کا اس طرح دیوانہ وار اپنے اردگرد پھرنا بہت اچھا لگ رہا تھا، مگر بچے کی وجہ سے اس کی طبیعت بہت عجیب سی رہتی تھی، ویٹ بڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ آزادانہ گھومنے پھرنے سے بھی رہ گئی، پھر مشعل کی خوبصورت شکل میں ایک گڑیا کا تحفہ ملا، اس دن محسن علی بہت خوش تھے، مشعل بہت خوبصورت تھی اس نے نقوش اپنے باپ کے چرائے تھے اب اصل مسئلہ مشعل کی پرورش کا تھا جس کے لئے مہکی بالکل تیار نہیں تھی، اس نے بچہ پیدا کر دیا تھا اس کے لئے یہ ہی بہت تھا۔

مشعل کے لئے مہکی نے ایک گورنس کا بندوبست کر لیا، اس طرح وہ بالکل مشعل کی ذمہ داری سے آزاد ہوگئی محسن علی گورنس رکھنے کے حق میں نہیں تھے، مگر مشعل اتنی چھوٹی تھی کہ وہ اسے اکیلے نہیں سنبھال سکتے تھے، مگر جاب سے آنے کے بعد ان کا زیادہ تر وقت مشعل کے ساتھ گزرتا تھا، مشعل بھی ماں سے زیادہ اپنے باپ سے اٹیچڈ تھی، مشعل اپنی ماں سے ڈرتی تھی کیونکہ اب وہ اکثر غصے میں چیختی چلاتی تھیں، جبکہ اس کے بابا غصے میں بھی آواز اونچی نہیں کرتے تھے، مشعل کی شخصیت پہ اپنے باپ کی بہت گہری چھاپ تھی۔

مشعل نے مہکی کو ہمیشہ بہت مصروف اور ایکٹو دیکھا تھا جس کے لئے اپنے گھر اپنے شوہر یا بیٹی کے لئے کوئی ٹائم نہیں تھا۔

مشعل جوں جوں بڑی ہو رہی تھی اس کے ماں باپ کے درمیان خلیج بڑھتی جا رہی تھی محسن علی کو مہکی کے آزادانہ طور طریقے بہت کھلنے لگے تھے، جبکہ مہکی کو محسن علی کی روک ٹوک بہت بری لگتی تھی، وہ محسن علی کو کنزرویٹو کہتی تھی، جو عورت کی آزادی کے خلاف تھا۔

مگر اس میں مہکی کا قصور نہیں تھا، وہ جس معاشرے کی پروردہ تھی، وہاں پابندیوں کا تصور نہیں تھا اور نہ ہی مرد کی حکمرانی کو کسی خوشی تسلیم کیا جاتا تھا، بہت حد تک اس میں قصور مہکی کے والدین کا بھی تھا جنہوں نے مسلمان ہوتے

ہوئے بھی مہکی کو اسلامی تعلیمات سے روشناس نہیں کروایا تھا۔

والدین فوت ہوتے کے بعد ساری جائیداد اور پیسہ مہکی کو مل گیا جس سے مہکی کو اور آزادی اور خودمختاری مل گئی۔

وہ اب محسن علی کو بالکل بھی کسی گنتی میں نہیں لیتی تھی، مشعل ان دنوں کالج کے پہلے سال میں تھی جب ایک رات کام سے واپسی پہ محسن علی کو کچھ ٹیرو نے روک لیا، محسن علی کی مزاحمت پہ انہیں گولیاں مار کر بھاگ گئے۔

مشعل کے لئے وہ رات قیامت کی تھی پاپا کی ڈیڈ باڈی کو دیکھ کر می کو سکتہ ہو گیا تھا، جو بھی تھا محسن علی سے انہوں نے محبت کی تھی، محسن علی کی موت مہکی کے لئے دھچکا ثابت ہوئی۔

اس دن پہلی بار اپنی مما کو روتے دیکھ کر مشعل کو لگا تھا کہ اس کی مما سچ میں پاپا سے محبت کرتی تھیں، مگر اپنی انا اور فطری ہٹ دھرمی کی وجہ سے اظہار نہیں کرتی تھیں۔

محسن علی کے جانے کے بعد گھر میں رہنے والے دونوں افراد ایک دوسرے سے اور دور ہو گئے تھے، مشعل بہت خاموش اور اداس رہنے لگی تھی جبکہ مہکی نے اپنا غم غلط کرنے کے لئے نشہ آور چیزوں کا استعمال شروع کر دیا تھا، اب مہکی نے پیسہ دونوں ہاتھ سے لٹانا شروع کر دیا تھا اس کے اردگرد عجیب سے لوگوں کا گھیرا رہتا، جن کے غلیظ اور ہوس زدہ نظریں مشعل کو بہت بری لگتی تھی۔

مشعل کو اپنے مما کے دوست بہت برے لگتے تھے، جو ہر وقت گھر میں محفل جمائے رکھتے تھے، اس دوران مشعل خود کو اپنے کمرے تک محدود رکھتی تھی اور اپنے باپ کو یاد کر کے بہت روتی تھی پھر ایک وقت ایسا آیا کہ مشعل کی مما کے پاس کچھ بھی نہیں رہا اور انہیں اپنا اپارٹمنٹ چھوڑ کر لندن کے ایک چھوٹے اور گندے علاقے میں چھوٹا سا فلیٹ لے کر رہنا پڑا۔

یہاں آ کر مما کی حالت مزید ابتری کی طرف جانے لگی، کیونکہ اچھے وقتوں کے سب دوست ساتھ چھوڑ کر جا چکے تھے۔

مشعل نے ایک سٹورز میں سیلز گرل کے طور پہ جاب کرنا شروع کر دی، ان دنوں وہ گریجویشن کر چکی تھی، اس سٹور کی اونر انڈین لیڈی تھی جو بہت مہربان اور اچھی تھی اسی سٹور میں اس کی ملاقات حاشر سے ہوئی تھی جو سٹور کی نگرانی کرنے کے ساتھ ساتھ اس انڈین لیڈی کا کرایہ دار بھی تھا۔

حاشر کو یہ اداس اداس اور کھوئی کھوئی سی مشعل بہت اچھی لگنے لگی تھی، حاشر کا تعلق انڈیا کی مسلم فیملی سے تھا، آہستہ آہستہ حاشر مشعل کے قریب آتا گیا اور اس کے حالات سے واقفیت حاصل کر لی۔

وہ مشعل کی پریشانی اور مشکل میں اس کے ساتھ ساتھ ہوتا تھا، پھر حاشر کو ایک بڑی کمپنی میں بہت اچھی جاب مل گئی۔

اسی دن حاشر نے مشعل کو پرپوز کیا، مشعل نے حاشر کو اپنی مما سے ملوایا، جنہوں نے اثبات میں سر ہلا کر اپنی رضامندی دے دی اور کچھ دنوں کے بعد دونوں کا نکاح سادگی سے مسجد میں ہوا، رخصتی کے لئے مشعل نے کچھ ٹائم مانگا تھا، وہ اپنی مما کو ایسی حالت میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی، اس بات کو دو مہینے گزر گئے تھے جب ایک دن نشے کی حالت میں مما گھر سے باہر نکلی اور ایک تیز رفتار کار نے انہیں ٹکر مار دی تھی اور سر پہ لگنے والی چوٹ ان کی موت کا باعث بنی۔

مشعل نے اپنے بچپن سے مما اور پاپا کی

لڑائیاں، اختلافات دیکھے تھے، اس نے ایک ڈرا سہما سا بچپن گزارا تھا، اسی لئے حاشر کی ہر پیش قدمی پہ وہ خاموش رہ جاتی تھی۔

مگر وہ ہی حاشر اس غم اور مشکل وقت میں اس کا سہارا بنا تھا اور غم اور دکھ میں بننے والے تعلق جتنی جلدی بنتے ہیں ان کی ثباتی اور بے ثباتی وقت بہت جلد سامنے بھی لے آتا ہے۔

مشعل نے اپنی دکھتی آنکھوں پہ دھیرے سے ہاتھ رکھا اور آنکھیں موند لیں، جیسے وہ ہر چیز سے فرار چاہتی تھی حتیٰ کہ خود سے بھی۔

☆☆☆

آج اتوار کا دن تھا اسی لئے عنادل دیر سے سو کر اٹھا اور شاور لینے کے بعد فریش موڈ میں قمیض کی آستین کہنیوں تک فولڈ کرتا لاؤنج میں چلا آیا جہاں قالین پہ بیٹھی دعا اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیل رہی تھی، عنادل نے بے اختیار اپنی خوبصورت بیٹی کو اٹھایا اور پیار کرنے لگا دعا بھی باپ کو دیکھ کر کھلکھلانے لگی۔

ثانیہ نے دعا کی کھلکھلاہٹیں سنیں تو مسکرا دی وہ سمجھ گئی تھی کہ عنادل اور دعا ایک دوسرے میں مگن ہیں، وہ جلدی جلدی ہاتھ چلا کر عنادل کا من پسند ناشتہ بنانے لگی، آج اس نے عنادل کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے قیمے بھرے پراٹھے بنائے تھے اور ساتھ دہی کا رائتہ ثانیہ ناشتہ بنا کر ٹرے اٹھا کر لاؤنج میں چلی آئی۔

''ثانیہ امی کہاں ہیں نظر نہیں آ رہی ہیں۔''

عنادل نے حسب توقع پہلا سوال ماں کی غیر موجودگی کے بارے میں کیا تو ثانیہ بے اختیار ہنس پڑی۔

''کیا ہوا؟'' عنادل نے حیرت سے اسے ہنستے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

''کیوں کیا میں ہنستے ہوئے اچھی نہیں لگتی ہوں۔'' ثانیہ نے مصنوعی خفگی سے پوچھا اور ٹرے میز پہ رکھ دی اور دعا کی طرف ہاتھ بڑھائے جو باپ کی گود میں چڑھی ہوئی تھی۔

''ابھی تو تم ویسے ہی بہت ہو اسی لئے تو امی کو اپنے لائق فائق خوبصورت بیٹے کے لئے پسند آ گئی تھی۔'' عنادل نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا تو ثانیہ بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی، عنادل دعا کو گود میں بٹھائے صوفے پہ بیٹھ گیا اور ناشتہ کرنے لگا، ساتھ ساتھ دعا کو بھی چھوٹے چھوٹے نوالے پکڑانے لگا، دعا نے ماں کے پاس جانے سے انکار کر دیا تھا باپ کے سامنے وہ کسی کی بھی نہیں سنتی تھی، ثانیہ اچھی طرح اس کی عادت کے بارے میں جانتی تھی۔

عنادل کے ناشتہ ختم کرنے تک ثانیہ چائے کا گرما گرم مگ بھی لے آئی اور عنادل کے سامنے کشن پہ بیٹھتی ہوئی بولی۔

''پھپھو امی صبح ہی ابو کی طرف جا چکیں ہیں۔'' ثانیہ نے اپنے باپ جنید رضوی کا ذکر کرتے ہوئے کہا تو عنادل چونک گیا۔

''ہاں یاد آیا آج زویا کے رشتے کے سلسلے میں کچھ لوگوں نے آنا تھا، ماموں نے فون کر کے مجھے بتایا تھا، امی اور تم نے ہی یاد دہانی کروائی تھی مگر میرا بھی دماغ ہر بات بھولنے لگا ہے۔'' عنادل نے تاسف سے کہا۔

''اس لئے عنادل خان اب آپ بوڑھے ہو رہے ہیں اور اس عمر میں یادداشت ایسے ہی دھوکا دے جاتی ہے۔'' ثانیہ نے شرارتاً کہا۔

''جی جی ثانیہ بی بی آپ مجھ سے کچھ سال ہی چھوٹی ہیں پھر تو آپ بھی بوڑھی ہوئیں ناں؟'' عنادل نے حساب برابر کرتے ہوئے کہا۔

''عنادل! آپ نہیں جانتے کہ آپ کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا میری خوش نصیبی ہے اور وہ

وقت کتنا اچھا ہو گا جب ہم دونوں اولڈ ایج میں ہوں گے اور اسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ نوک جھونک کرتے اپنا وقت گزاریں گے۔"
ثانیہ نے اپنی تھوڑی گھٹنوں پہ رکھتے ہوئے محبت کے روشن سے خواب سجائی آنکھوں سے کہا تو چائے کا مگ ہونٹوں سے لگاتا عنادل چونک گیا اور بہت خاموشی سے ثانیہ کا خوبصورت چہرہ دیکھنے لگا جس پہ اس کی محبت کے رنگ بکھرے ہوئے تھے اور محبت کرنے والا ہر چہرہ بہت خوبصورت اور حسین ہوتا ہے۔ نہ جانے کیوں عنادل نے اس منظر سے آنکھ چرائی اور بولا۔
"چلو تم اور دعا میرے آتے تک جلدی سے تیار ہو جانا میں کچھ کام نمٹا لوں پھر ماموں کی طرف چلتے ہیں وہ بھی انتظار کر رہے ہوں گے۔"
عنادل نے چائے کا مگ میز پہ رکھا اور دعا کو پیار کر کے ثانیہ کی گود میں دیا اور کار کی چابیاں اٹھا کر گھر سے باہر نکلتے ہوئے بولا، تو ثانیہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

☆☆☆

دو روز سے مسلسل ہونے والی موسلا دھار بارش نے دوبئی کے صحراؤں میں عجب سے رنگ بھر دیے تھے۔
اور اسی برستی بارش میں سر پہ چھتری تانے، اس نے جلدی سے سڑک کراس کرنے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں وہ سامنے سے آتی تیز رفتار کار کو نہ دیکھ سکی، جب تک اسے اندازہ ہوا کار اسکے سر پہ پہنچ چکی تھی، اس نے بے اختیار خوفزدہ ہو کر آنکھیں بند کر کے، دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا، چھتری اڑ کر دور جا گری، اچانک ہی کسی نے اسے دھکا دے کر سائیڈ پہ کیا، وہ سڑک کے کنارے گر گئی کئی گاڑیوں نے بریکیں لگائیں، اس کے کانوں میں گاڑی کے ٹائر چرچرانے کی آواز آئی اس نے ہوش سنبھالتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا جہاں سڑک پہ ایک شخص زخمی حالت میں اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا، وہ اٹھی اور بھاگتی ہوئی اس شخص تک پہنچی، اس دوران کچھ اور لوگ بھی جمع ہو گئے تھے، اس کے چہرے پہ نظر پڑتے ہی وہ چونک گئی۔
"آپ.....!" مگر سامنے والے کے چہرے پہ تکلیف کے اثرات دیکھ کر اس نے کچھ کہنے کا ارادہ ترک کیا اور فوراً ایک ٹیکسی کو روکا اور اسے لے کر قریبی ہاسپٹل آ گئی، شکر تھا کہ اسے زیادہ چوٹ نہیں لگی تھی اور وہ اپنے قدموں پہ چل رہا تھا، ہاسپٹل میں اسے فوری ٹریٹمنٹ دیا گیا، کار نے اس کے دائیں کندھے کو ہٹ کیا تھا۔
"تم ٹھیک ہو ناں؟" وہ ڈاکٹر سے مل کر واپس آئی تو کندھے پہ پٹی باندھے اور ہاتھ رکھے وہ بے اختیار اسے دیکھ کر پوچھنے لگا، وہ گہری سانس لے کر رہ گئی، اتنی تکلیف میں بھی اسے فکر تھی تو اس کی۔
"ڈاکٹر نے تمہیں دو ہفتے مکمل ریسٹ کرنے کو کہا ہے اور پلیز ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق عمل کرنا اور یہ میڈیسن ٹائم پہ لینا تاکہ....."
"تم اگر اسی طرح میری فکر کروں گی، میرے لئے پریشان رہو گی تو سچ میں میں کبھی بھی ٹھیک نہیں ہونا چاہوں گا۔" سامنے والے نے بہت اطمینان سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔
"فضول مت بولیں، ویسے آپ سے توقع بھی ایسی باتوں کی ہی کی جا سکتی ہے کیونکہ....."
اس نے شرارت سے کہتے ہوئے نچلے ہونٹ دانتوں کے نیچے دبایا، مگر اس کی سنہری آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

''تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں فضول ہوں اور اسی لئے فضول باتیں ہی کرتا ہوں۔'' اس نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا تو وہ بے اختیار مسکرانے لگی، بارش سے بھیگے وجود پہ روشن سی مسکراہٹ نے اسے بے خود سا کر دیا وہ دل میں شور اٹھاتے جذبوں سے گھبرا کر نظریں جھکا گیا کہ کہیں وہ غلط ہی نہ سمجھ جائے۔

''تمہارے لئے تمہاری خوشی کے لئے سب کچھ منظور ہے چاہے فضول بولو یا کچھ بھی۔'' کندھے میں اٹھتی ٹیس کو دباتے ہوئے اس نے دھیرے سے کہا، تو وہ ٹھٹک گئی اور پھر لاپروائی سے بولی۔

''اچھا پھر سے شروع مت ہو جانا اور جیسا ڈاکٹر نے کہا ہے ویسا ہی کرنا۔'' اس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں مگر ایک شرط پہ اگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ آج کے بعد تم مجھ سے ناراض نہیں ہو گی، تم نہیں جانتی کہ میں سب کچھ افورڈ کر سکتا ہوں مگر تمہاری ناراضگی نہیں تم ناراض ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے سب ترتیب الٹ پلٹ کر کے رکھ دی ہو، سب کام مجھ سے غلط ہونے لگتے ہیں، کرنا کچھ ہوتا ہے اور کرتا کچھ ہوں ایسے جیسے زندگی خفا ہو کر دور جا بیٹھی ہو، مجھے کچھ اور تم مانو یا نہ مانو مگر ہم اچھے دوست بن کر تو رہ سکتے ہیں ناں۔'' اس نے بے بسی سے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

''پاگل ہو تم سچ میں۔'' اس کی سنہری آنکھوں میں درد سا ابھرنے لگا تھا، جیسے اس نے چھپانے کے لئے رخ پھیر لیا، مگر وہ ان سنہری آنکھوں کے ہر راز سے واقف ہو چکا تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں تمہارا شکریہ ادا کیسے کروں، تم نے میری خاطر خود کو اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو۔''

''تم نے ایسا کیوں کیا؟'' کچھ دیر کے توقف کے بعد اس نے لب کاٹتے ہوئے سوال کیا۔

''سچ بولوں یا جھوٹ؟'' اس نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''سچ...... بالکل سچ۔'' اس نے فوراً جواب دیا۔

''سب کی طرح مجھے بھی اپنی زندگی سے بہت پیار ہے اور میں نے بھی صرف اپنی زندگی کو ہی بچایا ہے چاہے تم کچھ بھی کہو یا پھر کچھ بھی سمجھو۔'' اس نے لاپروائی سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا جبکہ وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھنے لگی اور پھر سرسراتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''تم خود کو ضائع کر رہے ہو۔'' وہ بے اختیار مسکرانے لگا۔

''تم کیا جانو یہ زیاں نہیں ہے یہ تو بس خود کو فنا کر دینا ہے کسی کے لئے اور بس...... مگر خیر تم نہیں سمجھو گی، اب چلیں؟'' اس نے گم صم سے کھڑی لڑکی سے کہا، جو دھیرے سے اثبات میں سر ہلاتی اس کے لنگڑاتے قدموں کا ساتھ دینے لگی، مگر وہ ابھی بھی محبت کے اس نئے روپ اور انداز پہ حیران و پریشان تھی جو بغیر کسی غرض کے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

محبت اس طرح بھیجو
کہ جیسے پھول پہ تتلی اترتی ہے
ہوا میں ڈولتی
پر تولتی تتلی
لرزتی، کپکپاتی، پنکھڑیوں کو پیار کرتی ہے
تو ہر پتی نکھرتی ہے
محبت اس طرح بھیجو
کہ جیسے......

چار سو خوشبو بکھرتی ہے
محبت اس طرح بھیجو
کہ جیسے خواب آتا ہے
جو آتا ہے تو
دروازے پہ دستک تک نہیں ہوتی
بہت سرشار لمحے کی
مدھر چپ میں
کسی بلکورے لیتی آنکھ کی خاطر
کسی بے تاب سے ملنے
کوئی بے تاب آتا ہے
محبت اس طرح بھیجو
کہ جیسے
جھیل میں مہتاب آتا ہے!!!

موسم بدل رہا تھا بہار کی آمد نے درختوں کو سبزہ بخش دیا تھا، طرح طرح کے خوبصورت پھول اور ان کی دلفریب خوشبو میں کسی ان دیکھے جہاں کا رستہ دیکھاتی تھیں مشعل نے سرشار قدموں سے چلتے مسکرا کر ہرے بھرے درخت کو دیکھا، جس پہ کاسنی رنگ کے بہت خوبصورت پھول کھلے ہوئے تھے، بہار درختوں پہ ہی نہیں اب کے اس کی اداس زندگی میں بھی آئی تھی اور ٹھہر سی گئی تھی۔

حاشر کے ساتھ زندگی کا آغاز کیے اسے چھ مہینے گزر چکے تھے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ ساتھ اس کا محبت پہ یقین بڑھتا جا رہا تھا، حاشر کی محبت نے اس کے دل سے ہر ڈر ہر خوف کو نکال دیا تھا، حاشر کو ایک امریکن کمپنی میں بہت اچھی جاب مل گئی تھی اور اس کی ترقی کی راہیں بہت واضح تھیں، مشعل نے سٹور کی جاب چھوڑ دی تھی، وہ صرف حاشر کے اپارٹمنٹ میں کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر حاشر کی راہ دیکھتی گھر کو سجاتی سنوارتی اچھے اچھے کھانے بناتی، گنگناتی زندگی کے اس نئے روپ کا مزہ اٹھا رہی تھی، ویک اینڈ پہ یا اکثر رات کو وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے لندن کی سڑکوں پہ نکل جاتے، حاشر کی ہر بات پہ مشعل کی زندگی سے بھرپور ہنسی گونجتی تھی، مشعل نے حاشر کے ساتھ مل کر زندگی کے بہت سے خواب دیکھے اور سجائے تھے۔

اب مشعل کو سمجھ آنے لگی تھی کہ محبت کیسے مردہ زمینوں کو اپنے لمس سے زندہ کر دیتی ہے، محبت زندگی کو کتنا مکمل اور خوبصورت بنا دیتی ہے، مشعل کو لگنے لگا تھا کہ اسے بھی حاشر سے محبت ہونے لگی ہے۔

مشعل نے درخت کے نیچے سڑک پہ گرے کاسنی رنگ کے پھولوں کو اپنی جھولی میں بھر لیا اور ان کی نرم پتیوں پہ ہاتھ پھیرتی دھیرے سے مسکرا دی۔

''محبت بھی تو ان کاسنی رنگ کے پھولوں جیسی ہے ناں۔''

☆☆☆

''شکر ہے کہ شادی کی تاریخ فائنل ہو گئی ہے اب سب سے پہلے بہنوں کو مطلع کروتا کہ وہ آسانی سے شادی میں شرکت کر سکیں، سب ہی تو دور دیسوں میں بیاہی گئیں ہیں۔'' فرحت بیگم نے کریلے چھیلتے ہوئے ثانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، جو کام والی سے اپنی نگرانی میں صفائی کروا رہی تھی۔

''جی پھپھو امی! عنادل نے اسی دن سے سب کو اطلاع پہنچا دی تھی، بلکہ ابو اور امی کی بھی بات ہوئی تھیں صائمہ آپی اور فرحین باجی کچھ ہی دنوں تک اپنی سیٹیں کنفرم کروائے گی، باقی بچی رائمہ تو وہ کراچی میں ہے کسی وقت بھی آ سکتی ہے، نزہت پھپھو اور شامین تو پہلے ہی تیار بیٹھی ہوئیں ہیں، دیکھنا سب سے پہلے یہ لوگ پہنچیں گے۔''

ثانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو فرحت بیگم بھی ہنس دیں، شامین سے ملے انہیں بھی دو سال ہو چکے تھے، ابھی تو یہ شکر تھا کہ انٹرنیٹ نے فاصلوں کو ختم کر کے رکھ دیا تھا، صائمہ، فرمین، رائمہ اور شامین سے ہر دوسرے روز بات ہو جاتی تھی اس لئے دوری کا احساس کافی حد تک کم ہو جاتا تھا۔

''چلو شکر ہے زویا کی بات فائنل ہوئی، اب صرف امن رہ گئی ہے، پھر میرے بھائی کا آنگن خالی ہو جائے گا۔'' فرحت بیگم نے آبدیدہ ہوتے ہوئے کہا تو ثانیہ ان کے پاس آئی اور ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''پھپھو امی! امن تو ابھی کافی چھوٹی ہے تھرڈ ائر کی اسٹوڈنٹ ہے اس کی شادی ابھی کہاں ہوئی ہے؟ اور ویسے بھی میں ہوں ناں، امی ابو کے پاس وہ بھلا اکیلے کیسے ہوئے۔'' ثانیہ نے محبت سے کہا تو فرحت بیگم اثبات میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

''ابھی تو آپ آنے والے وقت کا سوچیں جب سب نے اپنے اپنے بچوں سمیت آ کر ڈیرے ڈال لینے ہیں، دیکھئے گا آپ بڑے خود ہی اتنے شور شرابے سے تنگ آ جائیں گے۔'' ثانیہ نے ہلکے پھلکے لہجے میں آنے والے وقت کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا تو فرحت بیگم بے ساختہ ہنس دیں۔

''اپنوں سے کوئی نہیں گھبراتا اور پریشان ہوتا، بس اللہ خیر کا وقت لائے۔'' فرحت بیگم حسب توقع جلد بہل گئیں، تو ثانیہ نے زیر لب آمین کہا اور جلے ہوئے کریلے اٹھا کر کچن میں چلی آئی، عنادل کو بھرے کریلے بہت پسند تھے اور آج ثانیہ کا ارادہ قیمہ بھرے کریلے بنانے کا تھا وہ جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔

☆☆☆

''تم جانتی ہو کہ پہلی بار میرا دل کب تمہارا اسیر ہوا تھا؟'' ایک دن لنچ آور میں ریسٹورنٹ میں کھانے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس نے اچانک سوال کیا اور حسب معمول اور حسب توقع اس کی سنہری جھیل جیسی آنکھوں میں لاعلمی بہت واضح تھی۔ جبکہ اس نے انکار میں بھی سر ہلایا۔

''ہوں مجھے اندازہ تھا۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے خود کو سراہتے ہوئے کہا، تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

''خیر محترمہ گھورنا بند کرو، تاکہ میں آگے بات کر سکوں، واللہ تمہاری یہ آنکھیں تو کچھ اور کرنے ہی نہیں دیتیں۔'' اس نے بے چارگی سے کہا تو اس نے جھینپ کر آنکھیں جھکا لیں اور اپنی پلیٹ میں ادھر سے ادھر چمچ پھیرتی اس کی اگلی بات کی منتظر تھی۔

اس نے پانی کا گلاس اپنے لبوں سے لگایا اور بے دھیانی میں بھی دھیان اس کی طرف لگائے بیٹھی، اس گلابی لباس میں ملبوس، کسی ان کہی سی داستان جیسی لڑکی کو دیکھا، جس کے خوبصورت بال کچھ شانے پہ اور کچھ پشت پہ بکھرے ہوئے تھے، اس نے دھیرے سے مسکرا کر گلاس میز پہ رکھا۔

''اب بول بھی چکو۔'' دفعتاً اس لڑکی نے جھنجھلا کر کہا، تو وہ معصومیت سے بولا۔

''میں نے کچھ بولنا تھا کیا؟'' مگر پھر اس کے غصے سے بھرے تیور دیکھ کر جلدی سے بولا۔

''اچھا اچھا یاد آ گیا، بتاتا ہوں۔'' اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا تو وہ سر جھٹک کر ریسٹورنٹ کی ونڈو (کھڑکی) سے باہر نظر دوڑانے لگی۔

''وہ ایک بہت عام سا دن تھا مگر مجھے نہیں

معلوم تھا کہ یہ عام سا دن میری زندگی کے سب سے خاص اور اہم دن میں بدل جائے گا اور مجھے اس خاص جذبہ کا اسیر بنا دے گا جسے لوگ محبت کہتے ہیں۔'' اس کی آواز میں کچھ ایسا خاص تاثر تھا کہ وہ بے اختیار گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی جس کی نظریں بظاہر اس پر تھیں مگر ذہن کہیں دور بھٹک رہا تھا، جیسے وہ تصور کی آنکھ سے دوبارہ وہ منظر دیکھ رہا تھا۔

''آفس کے پاس واقع اس قریبی پارک میں اکثر ہی ہم سب وہاں جاتے ہیں اور تم تو خاص کر، شاید تمہیں پارک کے کونے والے بینچ پہ بیٹھ کر، لوگوں کو دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے ناں۔'' اس نے پوچھا تو وہ دھیرے سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''اس دن بھی تم لنچ آور میں ہاتھ میں کوک کا ٹن اور برگر پکڑے اپنی مخصوص جگہ پہ آ کر بیٹھ گئی اور پارک میں ادھر سے ادھر نظریں دوڑانے لگی، جب تمہاری نظروں نے کچھ فاصلے پہ موجود ایک غریب اور مفلوک حال بچے کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا، غور سے دیکھنے پہ تمہیں اندازہ ہوا کہ وہ بچہ تمہیں نہیں تمہارے ہاتھ میں پکڑیں کھانے پینے کی چیزوں کو حسرت سے دیکھ رہا تھا، تم کچھ دیر تک اس بچے کے حسرت و یاس میں ڈوبے ہوئے چہرے کو دیکھتی رہی، پھر تم اپنی جگہ سے اٹھی اور دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی اس بچے تک پہنچی اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک کر بیٹھ کر تم نے پوچھا۔''

''برگر کھاؤ گے؟'' تم نے اپنے ہاتھ میں موجود برگر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا تو بچے نے بے اختیار اثبات میں سر ہلایا۔

''یہ تم لے لو مگر......'' تم نے اپنے ہاتھ میں پکڑا پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ایک دم سے ہاتھ روک کر کہا تب تک بچہ ایک طرف سے پیکٹ پکڑ چکا تھا اور اب سوالیہ نظروں سے تمہاری طرف دیکھ رہا تھا۔

''Give me one smile like an angel'' (مجھے ایک فرشتے کی طرح مسکرا کر دکھاؤ) بچے نے حیرت سے کچھ دیر تمہارا چہرہ دیکھا شاید اسے تمہاری بات سمجھ نہیں آئی تھی، مگر تمہارے چہرے پہ پھیلے نرم تاثر اور ہلکی سے مسکراہٹ اور ہاتھ میں آئے پیکٹ نے اسے بے اختیار ہنسنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

''ہاں بالکل ایسے ہی، میں دیکھنا چاہتی تھی کہ تمہاری گہری اداس کالی آنکھوں میں ہنسی کے جگنو چمکتے کتنے خوبصورت لگتے ہیں۔''

تم نے کچھ دیر تک اس کے معصوم چہرے پہ خوشی کے بکھرے رنگ دیکھتے ہوئے کہا تھا اور اپنے ہاتھ میں پکڑی دونوں چیزیں اسے پکڑا دیں تھیں، وہ بچہ خوشی خوشی وہاں سے چلا گیا تھا اور تم لے زمین سے اٹھتے ہوئے اپنے کپڑے جھاڑے اور رسٹ واچ میں ٹائم دیکھتی ہوئی کندھے پہ بیگ ڈالے وہاں سے چل پڑی۔

یہ جانے بغیر کہ تمہارے اندر کی اس خوبصورتی اور اچھائی نے پاس کھڑے کسی انجان شخص کو تمہارا اسیر بنا دیا تھا، تم جانتی ہو کہ بس ایک لمحہ ہی ہوتا ہے جب اچانک کسی کی محبت کا بیج ہمارے دل کی سرزمین میں لگتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی جڑیں ہر رگ میں محشر برپا کر دیتیں ہیں سانسوں میں ایسے بس جاتیں ہیں جیسے اس شخص کے بغیر سانس لینا ہی گناہ ہو۔

سچ میں محبت ایسے ہی مجبور و بے بس کر دیتی ہے ایسے ہی اچانک دل پہ حملہ آور ہوتی ہے کہ ہم کچھ کر بھی نہیں سکتے ہیں، سوائے اسے تسلیم کرنے اور اس کے سامنے سر خم کرنے کے اور میں نے

بھی اس لمحے اپنے دل میں تمہیں تسلیم کر لیا تھا۔"
اس نے بے اختیار ہو کر کہا تو وہ اپنی سنہری آنکھیں ایک دم سے جھکا گئی، مگر اس کے چہرے پہ پھیلی شفق بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔
"میں آج برملا اعتراف کرتا ہوں کہ اس دن سے میں تمہاری محبت کی دنیا میں دن سے رات کرتا ہوں اس محبت میں تمہارے ساتھ ایک ایک لمحے میں صدیاں جی رہا ہوں، پھر بھی لگتا ہے جیسے یہ بھی محبت میں کم ہے، محبت سیراب کیوں نہیں کرتی ہے محبت وقت اور عمروں کی قید سے آزاد ہونے کے باوجود وقت کو کتنا مختصر کیوں بنا دیتی ہے کہ تمہارے ساتھ جتنا بھی گزار لوں لگتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے۔" اس نے بے چارگی سے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو اس کی بے بسی اور انداز پہ وہ بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی، اس کی سنہری آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر ابھرنے لگا۔
اس کی ہنسی کی جلترنگ سے مسحور ہو کر وہ بے خود سے ہو کر اس کے لبوں کو مسکراتے اور سنہری آنکھوں میں پھیلی نمی کو دیکھنے لگا، بے اختیار اس کا دل چاہا کہ ان آنکھوں کی ساری نمی اس کے سنہری پن کے ساتھ اپنے دل کے خالی پیالے میں اتار لے اور اس جھلملاتے پانی میں صرف اس کے حسین چہرے کا عکس تیرتا ہو۔
سنہرے پانی میں تیرتا سفید گلاب سا معطر اس کا حسین چہرہ۔

☆☆☆

"کمپنی مجھے کچھ عرصے کے لئے اپنے ہیڈ آفس میں ٹرانسفر کر رہی ہے جو دوبئی میں ہے۔"
ڈنر سے فارغ ہو کر نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے حاشر نے مشعل سے کہا اور برتن اٹھاتی وہ ایک دم چونک کر رک گئی، اس کے چہرے پہ خوف سا پھیل گیا اور وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولی۔
"میں یہاں اکیلی کیسے رہوں گی؟" مشعل نے پریشان ہو کر پوچھا، تو کرسی سے اٹھتا حاشر اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر ٹھٹک گیا اور پھر دوبارہ واپس بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔
"تمہیں ہر دم یہ ڈر کیوں لگا رہتا ہے کہ میں تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔" حاشر نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
"اس لئے کہ میں نے اپنے خون کے رشتوں کو بھی پائیدار اور ادھورا دیکھا ہے، یہ چھ مہینے تمہارے ساتھ ایک خوبصورت خواب کی مانند لگتے ہیں، جیسے میں آنکھ کھولوں گی اور یہ خواب ٹوٹ جائے گا۔" مشعل نے گہری سانس لیتے ہوئے یاسیت سے کہا۔
"پاگل ہو تم جو ایسی باتیں سوچتی ہو، میں بہت پریکٹیکل سا بندہ ہوں بار بار شاید تمہیں یقین نہ دلا سکوں، مگر میں اپنی زندگی میں بہت آگے تک جانا چاہتا ہوں، بہت ترقی کرنا چاہتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم اس میں میرا ساتھ دو گی۔" حاشر نے سنجیدگی سے کہا تو مشعل کے آنسو گالوں پہ لڑھک گئے۔
"تو پھر میں کیا کروں میں کبھی بھی اتنی مضبوط نہیں ہو سکتی کہ کسی کے سہارے کے بغیر زندگی گزار سکوں۔" مشعل نے بے بسی سے اپنی کمزوری کا اعتراف کیا۔
"محترمہ اس وقت آپ صرف اتنا کریں کہ آپ آنسو صاف کریں اور میرے ساتھ چلنے کی تیاری کریں، کمپنی نے دوسری سہولتوں کے ساتھ ساتھ رہائش بھی دی ہے۔" حاشر نے نرمی سے اس کے رخسار کو چھو کر کہا تو وہ خوشی سے اچھل

پڑی۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں حاشر!'' مشعل نے پوچھا تو حاشر نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تو مشعل کھلکھلا کر ہنس پڑی، بھیگی آنکھوں کے ساتھ ایسے ہنستی وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

''شکر ہے تم ہنسی تو۔'' حاشر نے شرارت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مگر محترمہ وہاں جا کر مجھ سے کوئی گلہ یا شکوہ مت کرنا، کیونکہ میں آنے والے دنوں میں بہت بزی ہو جاؤں گا اور تمہیں مناسب وقت نہیں دے سکوں گا۔'' حاشر نے مشعل کو تصویر کا دوسرا رخ دیکھاتے ہوئے کہا تو سرشاری سے برتن اٹھاتی مشعل نے کہا۔

''کوئی بات نہیں میں ایڈجسٹ کرلوں گی بلکہ میں بھی جاب کرلوں گی، اس طرح بزی بھی ہو جاؤں گی اور ہم دونوں ساتھ بھی رہ لیں گے، اچھا وقت گزر جائے گا۔'' مشعل نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا تو حاشر اثبات میں سر ہلاتا اندر کمرے کی طرف چلا گیا۔

مشعل خوشی خوشی کچن سمیٹنے لگی یہ جانے بغیر کہ وقت کبھی بھی اتنی آسانی اور آرام سے نہیں گزرتا ہے، جیسا کہ ہم سوچتے یا دعویٰ کرتے ہیں۔

☆☆☆

ڈور بیل کی آواز پہ دعا کے کپڑے بدلتی ثانیہ نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔

''اس وقت کون آ گیا؟'' ثانیہ نے سوچتے ہوئے گھڑی کی طرف دیکھا جو دوپہر کے دو بجا رہی تھی، عنادل کچھ دیر پہلے ہی آفس سے گھر آیا تھا، ویک اینڈ ہونے کی وجہ سے ان کا آج آؤٹنگ پہ جانے کا ارادہ تھا، کیونکہ امن کافی دنوں سے ضد کر رہی تھی اور وہ عنادل کو وہ اپنی چھوٹی بہنوں کی طرح عزیز تھی، نزدیا اور امن بھی عنادل سے بھائیوں والے لاڈ ہی اٹھواتی تھیں۔

ثانیہ کو گود میں اٹھائے کمرے سے باہر نکلی تو عنادل ہاتھ میں کوئی پیکٹ پکڑے اندر داخل ہو رہا تھا۔

''کون تھا عنادل؟'' ثانیہ نے پوچھا تو اپنے دھیان میں جاتا عنادل چونک گیا۔

''آں...... کوئی نہیں، TCS تھا میرے نام پہ، آئی تھنک یہ گاؤں والی زمین کے پیپرز ہیں۔'' عنادل نے الٹ پلٹ کر پیکٹ کو دیکھا۔

''میں اسٹڈی میں ہوں پلیز اچھی سی چائے بنا کر دو۔'' عنادل نے غور سے پیکٹ پہ لکھے، بھیجنے والے کے ایڈریس کو پڑھا اور سٹڈی روم میں چلا گیا، ثانیہ سر ہلاتی دعا کو پھپھو امی کے پاس بٹھا کر چائے بنانے کچن میں چلی آئی۔

☆☆☆

دوبئی آنے اور سیٹ ہونے کے کچھ دنوں بعد ہی حاشر بری طرح کام میں بزی ہو گیا اپنے بڑے سے خوبصورت اپارٹمنٹ میں اکیلی بیٹھ کر حاشر کا انتظار کرتے کرتے مشعل شدید بوریت کا شکار ہونے لگی، اتنا بڑا دن کاٹنے نہیں کٹتا تھا، اکثر رات کو بھی حاشر گھر نہیں آتا تھا، کیونکہ اسے کام کے سلسلے میں مختلف آس پاس کی اسٹیٹس میں جانا پڑتا تھا، حاشر کی غیر موجودگی میں ایسے وقت کاٹنا مشعل کے لئے بہت مشکل ہو گیا تو اس نے جاب کرنے کا فیصلہ کرلیا، حاشر نے بھی اس کے فیصلے کو سراہا۔

نیوز پیپرز میں ایڈ دیکھ کر مشعل نے اپنی سی وی ایک دو کمپنیز میں بھیج دیں، جس میں سے ایک کمپنی نے اسے انٹرویو کال آئی اور خوش قسمتی سے وہ منتخب بھی ہو گئی، آفس کا ماحول کافی اچھا اور

دوستانہ تھا، اگرچہ مشعل کافی ریزرو اور لئے دیئے والی لڑکی تھی، مگر کچھ لوگوں سے جلد ہی اس کی دوستی ہوگئی، جس میں سے ایک پاکستانی لڑکی عدیلہ بھی تھی، عدیلہ بھی شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں تھی وہ اپنے شوہر کا ساتھ دینے کے لئے جاب کرتی تھی، آفس میں سوائے عدیلہ کے کوئی نہیں جانتا تھا کہ مشعل میرڈ ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حاشر اور مشعل اپنی اپنی مصروفیات کے جال میں پھنستے چلے گئے، ان کی شادی کو سال سے اوپر ہوگیا تھا، اب نجانے کیوں مشعل کو لگنے لگا تھا کہ حاشر اسے نظرانداز کرنے لگا ہے، اس کے رویئے میں عجب سی لاتعلقی در آئی تھی، جس محبت اور گرم جوشی کی بنیاد پہ مشعل نے مستقبل کے کئی خواب سجائے تھے وہ مفقود ہو کر رہ گئی تھی، ایسا لگتا تھا کہ جیسے ایک چھت کے نیچے دو اجنبی رہ رہے ہیں۔

حاشر کو شادی کی پہلی سالگرہ بھی یاد نہیں رہی تھی، مشعل نے وش کیا تو وہ چونک کر سر ہلا کر رہ گیا۔

محبت میں ایک خوبی ہے کہ وہ سامنے والے کی بدلتی نظروں کا بھید بہت جلدی پا لیتی ہے، محبت سچی اور خالص ہو تو اس میں الہام ضرور ہوتے ہیں۔

اب مشعل اکثر سوچتی تھی کہ جس جذبے کو اس نے محبت سمجھ لیا تھا وہ کہیں حاشر کی ہمدردی تو نہیں تھی، اگر ایسا ہی تھا تو مشعل زندگی کی بساط پہ ایک رشتہ اور ہار گئی تھی۔

''نجانے کیوں؟ مجھے رشتے راس نہیں آتے ہیں۔'' مشعل نے اپنے فلیٹ کی بالکونی سے سامنے سڑک پہ رواں دواں ٹریفک کو دیکھتے ہوئے اداسی سے سوچا تھا۔

☆☆☆

چلو یہ فرض کرتے ہیں
کہ
تم مشرق، میں مغرب ہوں
چلو یہ مان لیتے ہیں
بڑا لمبا سفر ہے یہ
مگر یہ بھی حقیقت ہے
تمہاری ذات کا سورج
بہت سا رستہ چل کر
میری ہستی میں ڈوبے گا

بارش کے بعد سے موسم بہت خوشگوار ہو چکا تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے طبیعت کے ساتھ ساتھ موڈ پہ بھی بہت اچھا اثر چھوڑا تھا۔

وہ دونوں بھی موسم کے مزے لیتے ہوئے آہستہ آہستہ چہل قدمی کرتے جا رہے تھے جب اس نے یہ نظم پڑھی۔

''سوری مجھے ایسے لفظ آئی مین پوئٹری سمجھ میں نہیں آتی۔'' اس نے شرارت سے کندھے اچکائے۔

''ہاں تو سمجھنے کو کہہ بھی کون رہا ہے، تم بس محسوس کرو میرے لفظوں کو تمہارا کام بس اتنا ہی ہے۔'' اس نے اپنی نظروں کے حصار میں اسے لیتے ہوئے کہا، مگر سامنے والے کے چہرے پہ ازلی لاپرواہی تھی، جیسے وہ ان باتوں کو سنتی ہی نہ ہو اور اگر سنتی ہے تو توجہ نہ دیتی ہو، اس کے معاملے میں وہ ایسی ہی تھی، سخت دل، لاپرواہ، خود میں مگن سی، اس دن کے ایکسیڈنٹ کے بعد سے ان کی دوستی پھر سے قائم ضرور ہوگئی تھی مگر اپنی اپنی جگہ پہ دونوں ہی محتاط رہتے تھے، ایک اظہار کرنے میں اور دوسرا اسے سننے میں۔

بعض لوگ اپنی ذات کے گرد اتنی دیواریں کھڑی کر لیتے ہیں کہ اس میں ان کا اصل چھپ جاتا ہے اور جب تک یہ دیواریں نہ گریں، کوئی

بھی ان تک نہیں پہنچ پاتا ہے اور دیوار گرانے کی کوشش بہت کم لوگ کرتے ہیں جبکہ وہ یہ کوشش مسلسل کر رہا تھا۔

☆☆☆

آج زویا کی مہندی تھی جس کے لئے گھر کے پاس ہی موجود گراؤنڈ میں انتظامات کیے گئے تھے۔

صائمہ آپی، فرحین باجی، رائمہ اور شاہین بھی بمعہ اپنی اپنی فیملیز کے آ چکیں تھیں اور خوب رونق لگائی ہوئی تھی، جنید رضوی کے ساتھ ساتھ فرحت بیگم کے گھر میں بھی اسی طرح شور شرابہ اور ہنگامہ رہتا تھا، وجہ شاہین اور اس کے دو شرارتی اور نٹ کھٹ سے بچے تھے، اس کے علاوہ شادی کی تیاریاں سب مل جل کر کر رہے تھے اور اسی طرح ہنستے بولتے شور مچاتے آج مہندی کا دن بھی آن پہنچا تھا۔

ثانیہ اور فرحت بیگم شادی سے کچھ دن پہلے ہی جنید رضوی کے گھر رہنے آ چکیں تھیں، عنادل آفس سے فری ہوتے ہی وہاں پہنچ جاتا اور شادی کے انتظامات دیکھنے کے ساتھ ساتھ سب کی کمپنی بھی انجوائے کرتا، عنادل نے کبھی بھی کسی موقع پہ جنید رضوی کو بیٹے کی کمی محسوس ہونے نہیں دی تھی اور نہ ہی ان سب کو بھائی کی، اسی لئے وہ سب بھی جان دیتی تھیں عنادل پہ۔

اور ایک بھائی کی طرح ہی اس کے مان اور لاڈ اٹھاتی تھیں، ثانیہ کے بارے میں شروع سے ہی سب کو علم تھا کہ فرحت بیگم نے اسے عنادل کے لئے پسند کیا ہوا ہے، اس لئے ثانیہ کے دل میں عنادل کے لئے جذبات اور تھے اور ایک مضبوط رشتے میں بندھ کر ان جذبات کو اظہار کا رستہ مل گیا تھا۔

''چلو جلدی کرو، سب پہنچ بھی چکے ہیں اور تمہاری تیاری ہی مکمل نہیں ہو رہی۔'' عنادل جو گاڑی میں کئی چکر لگا کر سب کو گراؤنڈ میں چھوڑ کر آیا تھا، ثانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، اب گھر میں صرف ثانیہ اور امن ہی رہ گئیں تھیں۔

''واؤ میری بیٹی کتنی پیاری لگ رہی ہے۔'' عنادل کی نظر جو نہی دعا پہ پڑی تو اسے اٹھا کر پیار کرتے ہوئے بولا، دعا کے لئے ثانیہ نے اس دن کی مناسبت سے بہت خوبصورت سا لہنگا لیا تھا۔

''جی بھائی! دعا ہے ہی بہت پیاری اپنی امن خالہ کی طرح۔'' امن پاس آ کر بولی تو عنادل ہنس پڑا اور پیار سے اس کے سر پہ چپت لگائی۔

''یہ پیاری سی خالہ اپنی پیاری سی بھانجی کو لے کر گاڑی میں بیٹھے، میں گھر کے لاک چیک کر کے آتا ہوں۔'' عنادل نے دعا کو امن کی گود میں دیا تو امن ہنستی ہوئی دعا کو پیار کرتی باہر کی طرف نکلی، اس کے پیچھے نک سک سے تیار خوبصورت سے ڈریس میں ملبوس ثانیہ بھی نکلنے لگی تو کچھ سوچ کر عنادل پلٹا۔

''اوہو میں تو بھول ہی گیا۔'' یہ کہہ کر عنادل باہر نکلا اور کچھ دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں گجرے تھے۔

''تمہارے لئے گجرے لایا تھا مگر افراتفری میں دینا بھول گیا۔'' عنادل نے مسکراتے ہوئے اپنی خوبصورت بیوی کی طرف دیکھا جس کا چہرہ ایک دم سے روشن ہو گیا تھا، اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، تو عنادل نے غور کئے بغیر گجرے اسے پکڑائے، حالانکہ ثانیہ اس کے ہاتھوں سے گجرے پہنا چاہتی تھی۔

''یہ لیں گجرے زوجہ صاحبہ! آپ کو بہت پسند ہیں ناں۔'' عنادل نے مسکراتے ہوئے ثانیہ

سے کہا اور اس کی ناک کو شرارت سے دباتا باہر نکل گیا تو ثانیہ ایک دم خاموش سی نظروں سے اس کی چوڑی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

"نہ کوئی سراہتی نظر ڈالی نہ کوئی شوخ جملہ گجرے بھی اس طرح دیئے جیسے فرض ادا کر رہے ہوں، نجانے کیوں کبھی کبھی مجھے ایسے لگتا ہے کہ جیسے عنادل صرف اور صرف اپنا فرض ادا کر رہے ہیں ایک اچھے شوہر ہونے کا، اچھے باپ بننے کا، ان کے رویئے میں وہ بے ساختگی اور وارفتگی نہیں ہے جو محبت کی پہچان ہوتی ہے، عنادل نے ہمیشہ یہ ہی کہا کہ مجھے کیا پسند ہے اور کیا نہیں، مگر کبھی یہ نہیں بتایا کہ انہیں خود کیا پسند ہے کیا نہیں، کیا انہیں میرے ہاتھوں پہ لگی مہندی اچھی لگتی ہے؟ کیا میرے ہاتھوں میں سجے گجرے انہیں بھی پسند ہیں؟" نجانے کیوں مگر کچھ ایسا ضرور تھا جو اس منظر کو مکمل نہیں ہونے دیتا تھا۔ اس وقت بھی ثانیہ کو وہ "کچھ" ملک تو ہو رہا تھا مگر وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"شاید یہ میرا وہم ہو۔" ثانیہ نے گہری سانس لیتے ہوئے اپنے ذہن میں ابھرتے سوالوں کو جھٹکا اور اپنے کام سے بھرے نفیس دوپٹے کو کندھے پہ ڈالتی باہر کی طرف چل پڑی، جہاں عنادل اس کا منتظر تھا، ثانیہ کے نکلتے ہی اس نے گھر کو لاک کیا اور کار کا فرنٹ ڈور کھول کر ثانیہ کو بٹھایا، پچھلی سیٹ پہ بیٹھی امن اور دعا کی ہنسی فضا میں خوبصورت جلترنگ بکھیر رہی تھی کہ ثانیہ اور عنادل بھی ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا اٹھے۔

☆☆☆

"یہ ریتا کون ہے؟" بیڈ پہ بیٹھی، حاشر کو تیار ہوتے دیکھ کر مشعل نے سرسری سے لہجے میں سوال کیا تھا مگر بالوں میں برش پھیرتا حاشر کا ہاتھ ایک لمحے کے لئے رکا تھا اور اس نے آئینے میں نظر آتے مشعل کے عکس کو غور سے دیکھا تھا پھر ہیر برش زور سے ڈریسنگ ٹیبل پہ پھینکتے ہوئے مڑا۔

"تمہیں بتایا تھا ناں میں نے کہ ریتا باس کی بیٹی ہے اور جس پروجیکٹ پہ میں کام کر رہا ہوں اس کو وہ ہی ہینڈل کر رہی ہے، مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو۔" حاشر نے مصروف سے لہجے میں بتاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"تمہارے باس کی بیٹی کیا اپنے سب اسٹاف سے اسی طرح فرینک ہے جیسے تمہارے ساتھ ہے۔" مشعل نے سنجیدگی سے سوال کیا تو حاشر تپ گیا۔

"اب تم جاہل عورتوں کی طرح مجھ پہ شک مت کرنے لگ جانا، انسان جہاں کام کرتا ہے وہاں اکثر و بیشتر ایسی دوستیاں قائم ہو جاتی ہیں یہ معمول کی باتیں ہیں کیا میں نے کبھی تم سے پوچھا یا چیک کیا ہے کہ اپنے میلز کولیگ کے ساتھ تمہاری کتنی فرینکنس ہے یا نہیں۔" حاشر نے ناگواری سے لفظ چباتے ہوئے کہا اور زور سے دروازہ بند کرتا گھر سے باہر نکل گیا، اسے ایک آفیشل ڈنر پہ جانا تھا، جہاں بقول اس کے کہ وہ مشعل کو نہیں لے جا سکتا تھا۔

مشعل نے خاموش اور ڈبڈبائی آنکھوں سے بند دروازے کو دیکھا، حاشر کے لفظ کتنے سخت اور تکلیف دہ ہوتے تھے اسے احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ مشعل کس اذیت اور تکلیف سے گزرتی ہے اور اب تو یہ معمول بن چکا تھا مشعل کی معمولی اور چھوٹی سی بات پہ بھی حاشر اسی طرح ری ایکٹ کرتا تھا کہ مشعل بہت کچھ سوچنے پہ مجبور ہو جاتی تھی کہ آخر حاشر کے بدلتے رویئے کی وجہ کیا ہے۔

اور پھر اسے بہت جلد پتا چل بھی گیا، حاشر کی مختلف لڑکیوں سے بڑھتی دوستیاں جن کی حدود و قیود کیا تھیں مشعل نہیں جانتی تھی، مگر راتوں کو دیر سے گھر آنا یا اکثر آنا ہی نہ، اس دوران ہی مشعل پہ انکشاف ہوا کہ حاشر شراب بھی پیتا ہے، مشعل کو یہ جان کر بہت تکلیف ہوئی۔

اور اب پچھلے کچھ ہفتوں سے حاشر کے موبائل پہ بار بار آنے والی ریٹا کی کالز اور مختلف میسجز سے مشعل کو اندازہ ہو چکا تھا کہ آج کل حاشر کی اصل مصروفیت کون ہے مشعل نے حاشر کے موبائل پہ ریٹا کے کچھ میسجز پڑھے تھے جو کسی طرح بھی ایک باس اور کولیگ کے تعلق کو ظاہر نہیں کرتے تھے بلکہ کسی اور طرف ہی اشارہ کرتے تھے۔

مشعل کو یاد ہے کہ یہاں آنے سے پہلے حاشر نے اسے کہا تھا کہ وہ زندگی میں بہت کامیابی اور ترقی چاہتا ہے اور اس کے لئے کچھ بھی کر سکتا تھا اور شاید ریٹا کی صورت میں اسے وہ سیڑھی مل چکی تھی اور اب اس کے لئے مشعل کو چھوڑنا پڑتا، تو وہ شاید ایک لمحے کی بھی دیر نہ کرتا۔

مشعل صبر اور دعا سے کام لے رہی تھی کیونکہ حاشر کے سوا اس کے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا، کوئی رشتہ نہیں تھا کبھی کبھی وہ بے اختیار خدا سے شکوہ کرنے لگتی تھی اسے لگتا تھا کہ دنیا میں اس سے زیادہ بدقسمت کوئی نہیں تھا جس کے دونوں ہاتھ خالی تھے جس کی زندگی میں کوئی سچا اور کھرا رشتہ نہیں تھا۔

مشعل نے روتے ہوئے سر گھٹنوں میں چھپا لیا، اپنے بازوؤں میں سمٹ کر خود ہی بکھرنا اور پھر خود ہی سمٹنا کیا ہوتا ہے یہ سب نہیں جان سکتے ہیں، مگر مشعل اس کرب سے اس تنہائی سے بارہا گزری تھی، اس کے کانوں میں امرت بن کر اترے لفظ کب کے کھو چکے تھے اس کے دل کی زمین اب بھی بنجر اور پیاسی تھی۔

اور اس زمین کو انتظار تھا محبت اور خلوص کی بارش کا، جو اس کی بنجر زمین کو سیراب کر کے پھر سے زرخیز بنا دے گی۔

☆☆☆

مہندی کا فنکشن ختم ہوتے ہی سب اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے تھے، عنادل تھکا ہارا سب سے لیٹ پہنچا تو جنید ماموں کے گھر میں ابھی بھی سب جاگ اور ہلا گلا کر رہے تھے، عنادل کو دیکھتے ہی اسے بھی اپنے ساتھ گھسیٹنا چاہا تو اس نے تھکن کا بہانہ کر دیا اور سب کے درمیان بیٹھی ہنستی مسکراتی ثانیہ سے اپنے گھر کی چابی مانگی، تو جنید رضوی چونک گئے۔

''عنادل بیٹا رات یہاں ہی رک جاؤ سب بچیاں اتنے عرصے بعد اکٹھی ہوئیں ہیں خوش ہو جائیں گی۔'' جنید رضوی نے شفقت سے کہا تو عنادل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ماموں جان ضرور رک جاتا مگر کل آفس میں ایک بہت ضروری فائل مکمل کر کے دینی ہے پھر آگے کچھ دن کی چھٹی بھی لی ہوئی ہے انشاء اللہ پھر مل کر بیٹھیں گے۔'' عنادل نے سب کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تو جنید رضوی اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے، فرحت بیگم آج کل اپنے بھائی کے گھر ہی قیام پذیر تھیں۔

جنید رضوی، عنادل کو چھوڑنے گیٹ تک آئے تھے اور پھر کچھ یاد آنے پہ چونک کر پوچھنے لگے۔

''تمہیں رجسٹری مل گئی ہے؟''

''جی ماموں دو تین دن پہلے ڈاک کے ذریعے وصول ہوئی ہے کچھ کاغذی کارروائی رہتی تھی میں نے وکیل سے بات کر لی تھی انشاء اللہ

کچھ دنوں تک زمین کی منتقلی میرے نام ہو جائے گی۔" عنادل نے تفصیل سے بتایا تو جنید رضوی سر ہلا کے رہ گئے، یہ زمین عنادل کے والد چوہدری فیاض کی ملکیت تھی، جو کچھ قانونی پیچیدگیوں کے باعث اب عنادل کو ملی تھی۔

ان کے گھر سے نکلنے کے بعد عنادل نے کار کا رخ اپنے گھر کی بجائے مین روڈ کی طرف کر دیا، سردی کی سرد راتوں میں دھند میں لپٹی خاموشی میں کسی کی پرچھائیں کبھی چھپتی کبھی سامنے نظر آنے لگتی تھیں، عنادل نے ہاتھ بڑھا کر سی ڈی پلیئر آن کر دیا، نصرت فتح علی خان کی آواز میں ایک آفاقی سچائی اس کے دل پہ اثر کر رہی تھی۔

میری رات کا چراغ
میری نیند بھی ہے تو
میری ساری عمر میں
ایک ہی کمی ہے تو!!

عنادل نے سختی سے اپنے لب بھینچ لئے، اس کی آنکھیں رت جگوں کے عذاب سے جل رہی تھیں ان میں پھیلی سرخی تھکاوٹ کی نہیں کسی کی یاد کی تھی، عنادل نے ایکسلیٹر پہ پاؤں رکھ کر گاڑی کی سپیڈ بڑھا دی تھی، اسے ادھوری باتوں ادھوری چیزوں سے سخت چڑ تھی مگر قسمت کے لکھے ادھورے پن سے ہم کبھی بھی نہیں لڑ سکتے، چاہے جتنی بھی کوشش کریں۔

وہ بھی روز ایسے ہی اپنی ذات کے ادھورے پن سے لڑتا تھا۔

بات بے بات یاد آتا ہے وہ
بھول جاتے میں کچھ کمی ہے ابھی

☆☆☆

"حاشر تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو بھول گئے تم کہتے تھے کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے تو پھر اب میری محبت کی جگہ کوئی دوسری محبت کیسے جگہ لے سکتی ہے۔" مشعل نے سوجی آنکھوں اور دکھی دل کے ساتھ حاشر سے سوال کیا، جو بیگ میں اپنی چیزیں اٹھا اٹھا کر رکھ رہا تھا، اس نے مشعل کو کل رات بہت واضح لفظوں میں بتا دیا تھا کہ اس کی زندگی میں اب مشعل کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ وہ اور ریتا بہت جلد ایک ہونے والے ہیں اور ریتا سے شادی کرنے سے پہلے اسے مشعل کو چھوڑنا ہوگا اسی لئے وہ ذہنی طور پہ مشعل کو تیار کر رہا تھا وہ اور ریتا ایک مہینے کے لئے فرانس جا رہے تھے وہاں سے آتے ہی اس نے کوئی فائنل قدم اٹھانا تھا، مشعل کا یہ سنتے ہی رو رو کر برا حال تھا، اس کے سب خدشے سب سچ ثابت ہو رہے تھے۔

"دیکھو مشعل! میرے لئے میرا کیریئر میری ترقی بہت اہم ہے، میں نے بچپن سے ہی غربت دیکھی اور سہی ہے کیا تم نے کبھی غور نہیں کیا کہ میں کبھی پلٹ کر اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں سے ملنے نہیں گیا سوائے ہر مہینے کچھ رقم انہیں بھیجنے اور کبھی کبھی فون پہ بات کرنے کے علاوہ میں نے ان سے کوئی ناطہ نہیں رکھا۔" حاشر کے کہنے پہ مشعل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، پھر کسی خدشے کے تحت بولی۔

"تو کیا تم نے مجھ سے شادی بھی کسی ضرورت کے تحت کی تھی۔" مشعل نے خوفزدہ سے لہجے میں پوچھا تو حاشر کچھ لمحوں کے لئے بالکل خاموش ہو گیا، مشعل کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا، حاشر کی خاموشی اس کے شک پہ یقین کی مہر لگا رہی تھی۔

"ہاں۔" حاشر نے گہری سانس لیتے ہوئے مشعل کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مشعل تم بہت خوبصورت ہو، سب سے بڑھ کر بہت معصوم اور سیدھی سادھی سی، اگر میں ایمانداری سے سوچوں تو تم سے اچھی لائف پارٹنر شاید کبھی نہ ملے، تم ہر اچھے اور نیک مرد کا خواب ہو سکتی ہو، مگر افسوس کہ نہ تو میں اچھا اور نہ ہی نیک مرد ہوں، تم سے پہلے اور تمہارے آنے کے بعد بھی بہت سی لڑکیاں میری زندگی میں شامل رہی تھیں اور تم اچھی طرح سمجھتی ہو گی کہ ان دوستیوں میں حدود و قیود کا کوئی نظریہ لاگو نہیں ہوتا۔" حاشر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو مشعل نے نفرت سے اس غلاظت سے بھرے شخص کو دیکھا جو بہت فخر اور اطمینان کے ساتھ اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہا تھا مشعل کو اس سے کراہت محسوس ہوئی اور وہ چند قدم پیچھے ہٹی، حاشر نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور بولا۔

"میں اس وقت بھی کسی ایسی سیڑھی کی تلاش میں تھا جو مجھے آسمان کی بلندی تک لے جائے، اسی دوران اتفاق سے مجھے تم مل گئی، ڈری سہمی، دنیا سے انجان اپنے مسئلوں میں الجھی مگر گرین کارڈ ہولڈر، تم سے شادی کر کے میں لندن میں مستحکم ہو سکتا تھا اور میں نے یہ ہی کیا اور شاید تمہارے میری زندگی میں آنا میری خوش نصیبی بن گیا اور مجھے اتنی اچھی کمپنی میں جاب مل گئی، جس کی وجہ سے ہمیں یہاں آنا پڑا اور آج جب رینا مجھ پہ دل و جان سے فدا ہے، مہربان ہے تو میں کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں میری ترجیحات میں روپیہ پیسہ اہم ہے آپ کے پاس پیسہ ہو دولت ہو اسٹیٹس ہو تو ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی مل جاتی ہے۔" حاشر نے خباثت سے ہنستے ہوئے کہا تو مشعل نے حیرانی سے اس شخص کو دیکھا جو اس کا مجازی خدا تھا جس کے ساتھ پچھلے دو سالوں سے وہ ایک چھت تلے رہ رہی تھی، وہ کبھی جان ہی نہیں سکی تھی کہ حاشر اتنا سطحی اور مادیت پرست تھا، شاید وہ ٹھیک کہتا تھا کہ مشعل اپنی سادگی اور معصومیت میں دھوکہ کھا جاتی تھی۔

"مجھے امید ہے کہ میرے واپس آنے تک تم بھی کوئی فیصلہ کر چکی ہو گی، یہاں رہنا چاہو یا واپس لندن جانا چاہو، یہ سب تم پہ منحصر ہے، گڈ بائے ڈارلنگ۔" حاشر نے ٹرالی بیگ گھسیٹتے اس کے پاس سے گزرتے دھیرے سے اس کے رخسار کو چھوتے ہوئے کہا تو مشعل فوراً پیچھے ہٹ گئی، حاشر ہنستا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

مشعل نے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنے سے تو بہتر تھا کہ وہ اکیلے ہی زندگی گزار لیتی، وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ ایسے شخص کے ساتھ رہ رہی ہے جو انسانیت کے درجے سے بہت نیچے گرا ہوا تھا۔

"نہیں اب نہیں اور نہیں روؤں گی اس شخص کے لئے، کسی بھی فرد کے لئے اب آنسوؤں نہیں بہاؤں گی۔" مشعل نے سختی سے اپنے گال پہ پھیلے آنسوؤں کو رگڑ کر صاف کیا اور ایک عہد کرتی ہوئی اٹھ گئی اور صبح آفس جانے کے لئے کپڑے نکالنے لگی، پہلے ہی وہ کافی چھٹیاں کر چکی تھی اس نے اپنا موبائل بھی آف کر رکھا تھا، آن کیا تو عدیلہ کے کتنے ہی میسجز آئے ہوئے تھے، مشعل کاؤچ پہ بیٹھ کر اسے فون ملانے لگی۔

☆☆☆

زویا کی شادی کے ہنگامے سرد پڑتے ہی آہستہ آہستہ کر کے سب واپس اپنے گھروں کو پلٹتے گئے جنید رضوی کے گھر میں ایک دم سے ہی خاموشی چھا گئی تھی، یہی حال فرحت بیگم کے گھر میں بھی تھا، شامین کے واپس جانے سے مخصوص ہلچل اور رونق ختم ہو کر رہ گئی تھی۔

ان دنوں ہی جنید رضوی کا ارادہ عمرے کی

ادائیگی کا بنا تو اپنے ساتھ ساتھ انہیں نے فرحت بیگم اور عنادل کو بھی چلنے کے لئے کہا، مگر عنادل آفس کی مصروفیات کی وجہ سے نہ جاسکا، مگر امی ماموں اور ممانی کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔

جنید رضوی کے گھر کو تالا لگا کر امن کو اپنے گھر لے آئے، پندرہ دن بعد انہوں نے واپس گھر آ جانا تھا، امن کے تو مزے ہو گئے تھے ہر وقت دعا کے ساتھ کھیلتی، شرارتیں کرتی رہتی تھی شام کو اکثر عنادل سے ضد کر کے کوئی نہ کوئی آؤٹنگ کا پروگرام بنا لیتی تھی، جسے عنادل بغیر چوں چرا اس کیسے پورا کرتا تھا۔

ثانیہ بھی امن کے آ جانے سے بہت خوش تھی، ان کے گھر میں ہر دم امن اور دعا کی ہنسی گونجتی رہتی تھی، عنادل اکثر اطمینان سے مسکرا دیتا تھا کہ اس نے زندگی کے بہت سے فرض ادا کر دیئے تھے، اپنے سے جڑے ہر رشتے کو پوری ایمانداری سے نبھایا تھا اور اس کے لئے وہ اپنے رب کے ساتھ ساتھ ایک اور ہستی کا بھی شکر گزار تھا کہ اگر وہ ہستی راہنمائی نہ کرتی تو شاید عنادل اپنی راہ سے بھٹک چکا ہوتا۔

☆☆☆

''ایک منٹ رکو میری بات سنو پلیز۔'' اس نے تیز تیز قدموں سے چلتی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر روکا تو وہ لڑکی غصے سے بپھر گئی اور غصے سے بولی۔

''میرا ہاتھ چھوڑو۔'' اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، اسی دوران ہلکی کن من کن من سی بوندیں ان کے چہروں پہ پڑنے لگیں۔

''میں تمہارا ہاتھ چھوڑ دوں گا پہلے تم مجھ سے بات کرنے کا وعدہ کرو۔'' اس نے اپنی بات پہ قائم رہتے ہوئے اسی سنجیدگی سے کہا۔

''کیا کہنا ہے آپ کو؟'' وہ چڑ کر بولی، تو وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

''تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہو؟ میری فون کالز، میرے میسجز کسی چیز کا جواب نہیں دے رہی ہو، تم نہیں جانتی کہ میں کتنا پریشان رہا ہوں تمہاری غیر موجودگی سے، عجیب عجیب سے وہم اور وسوسے دل میں آ رہے تھے تم ٹھیک تو ہو ناں۔'' اس نے بے بسی سے اعتراف کرتے اس کے ستے ہوئے چہرے پہ نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''تو میں کیا کروں تم پریشان تھے تو؟ کچھ نہیں ہوا ہے مجھے مہربانی فرما کر ٹینشن نہ لیں اور میرے راستے سے ہٹ جائیں۔'' اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

''واؤ کتنے آرام سے کہہ دیا کہ ٹینشن نہ لیں، اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ میں ٹینشن لیتا نہیں ہوں بس یہ خود سے ہو جاتی ہے جیسے کوئی بہت اپنا بہت پیارا کسی تکلیف میں ہو، اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ پچھلے کچھ دنوں سے میرا دل بلاوجہ ہی بہت پریشان اور اداس اداس سا ہے اور اوپر سے تمہارا یہ رویہ۔'' اس نے اپنی کیفیت یہ خود بھی الجھتے ہوئے کہا تو اس کی بات غور سے سنتی وہ چڑ کر بولی۔

''اُف یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔'' اس نے کہا اور مڑ کر جانے لگی، مگر اس نے آگے بڑھ کر راستہ روک لیا۔

''ہاں ٹھیک کہا کہ مجھے کچھ بھی ہو یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے مگر......'' اس نے ایک لمحے کا توقف کیا اور اس کی سنہری آنکھوں میں تیرتے گلابی ڈوروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مگر تمہیں کچھ ہو یہ میرا مسئلہ ضرور ہے اور تم کہتی ہو ناں کہ مجھے کیا مسئلہ یا تکلیف ہے تو تم ایک کام کرو کہ تمہیں جو بھی پرابلم ہوا ہے خود تک

ہی محدود رکھو، پچھلے ایک ہفتے سے مجھے کیوں ٹینشن دی ہوئی ہے، نہ دن کو چین لینے دیتی ہو نا رات کو، بار بار تصور میں آ کر پریشان کرتی ہو اور پھر کہتی ہو کہ مجھے کیا تکلیف ہے۔" اس نے بے بسی سے اعتراف کرتے ہوئے اس سے شکوہ کیا ایک عجیب سی بے بسی تھی اس کے لہجے میں، یہی وہ لمحہ تھا جب وہ مبہوت ہو کر اس کی طرف نم آنکھوں سے دیکھتی وہ بے اختیار اس کے کندھے سے لگ کر رونے لگی۔

کن من کن من پڑتی بوندیں بارش کی تیز بارش تبدیل ہو چکی تھیں اور وہ دونوں اس بوچھاڑ میں کھڑے بھیگ رہے تھے، اسے لگا جیسے بلیک اینڈ وائٹ منظر میں اچانک ہی قوس قزح کے سارے رنگ بھر گئے ہوں، اس کا وجود ایسے ہی رنگوں اور خوشبوؤں سے بھرپور تھا۔

"تمہارا رونا مجھے تکلیف دے رہا ہے۔" اس نے دھیرے سے سرگوشی کی، وہ اس کے کندھے سے لگی اس کے اتنے قریب کھڑی تھی کہ اس کے نم بال اس کے چہرے کو چھو رہے تھے بے اختیار اس کا دل چاہا کہ وہ اس کانچ سی نازک لڑکی کو اپنی پناہوں میں چھپائے اور دنیا کے ہر غم سے محفوظ کر لے اس نے سر اٹھا کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا، یہ بارش اس کی زندگی کی سب سے خوبصورت اور مکمل بارش تھی۔

ایک منزل پہ رک گئی ہے حیات
یہ زمین جیسے گھومتی ہی نہیں

☆☆☆

"پھر تم نے کیا سوچا ہے مشعل؟" عدیلہ نے لنچ بریک میں مشعل کے پاس بیٹھتے ہوئے ہمدردی سے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں نے کیا سوچا ہے، فیصلہ تو عاشر کر ہی چکا ہے۔" مشعل نے افسردگی سے گہری سانس لیتے ہوئے کہا، عاشر کو گئے دس دن گزر چکے تھے اور اس دوران اس نے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔

"دیکھو مشعل ابھی تمہارے آگے ساری زندگی پڑی ہوئی ہے، عاشر جیسے شخص کے سوگ میں زندگی گزارنا کہاں کی عقل مندی ہے، میرے خیال سے اس کے آنے تک تم بھی کوئی فیصلہ کر لو۔" عدیلہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"کیسا فیصلہ عدیلہ!" مشعل نے ناسمجھی سے سوال کیا۔

"مشعل زندگی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے جو صرف ایک بار ملتی ہے بجائے اس کے کہ تم اسے رونے دھونے اور شکوے کرنے میں گزار دو، آگے بڑھ کر اپنا راستہ خود تلاش کرو، مجھے یقین ہے کہ اس دنیا میں کوئی نہ کوئی ایک شخص ایسا ضرور ہوگا جو تم سے سچی محبت کرے گا، جو صرف تمہارے لئے بنا ہوگا جب تک زندگی ہے اس کی رحمت سے مایوس مت ہو اور اس کی رحمت کی سب سے بڑی نشانی سچی اور کھری محبت کا ملنا ہے، میری بات پہ غور کرو، ٹھنڈے دل سے سوچو، محبت بار بار تمہارے در پہ دستک نہیں دے گی۔" عدیلہ نے اسے کچھ سمجھاتے ہوئے معنی خیزی سے کہا تو مشعل بے اختیار چونک گئی۔

اسے محبت سے ڈر لگتا ہے اسے محبت کو آزمانے سے ڈر لگنے لگا ہے مگر وہ یہ سب عدیلہ سے نہ کہہ سکی جو امید بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

میرے ہاتھوں کی لکیروں میں یہ عیب ہے محسن
میں جس کو چھو لوں وہ میرا نہیں رہتا

☆☆☆

ویک اینڈ ہونے کی وجہ سے جوائے لینڈ میں کافی رش تھا، مگر امن اور دعا نے بہت

انجوائے کیا تھا اور انہیں خوش و مگن دیکھ کر ثانیہ اور عنادل بھی مسکرا رہے تھے۔

عنادل اور ثانیہ سائیڈ پہ کھڑے باتیں کر رہے تھے عنادل کا موڈ کافی دنوں کے بعد کچھ بہتر محسوس ہو رہا تھا ورنہ وہ پچھلے کافی دنوں سے عجیب اداس اور کھویا کھویا سا رہنے لگا تھا۔

ثانیہ یہ ہی سمجھتی رہی کہ پھپھو امی کو مس کر رہا ہے کیونکہ عنادل اپنی ماں سے بہت اٹیچڈ تھا۔

واپسی پہ کھانا کھانے کے بعد Yummy-36 سے سب کو ان کی من پسند فلیور کی آئس کریم کھلائی اور بہت خوشگوار اور اچھے موڈ میں گھر واپس آئے۔

دعا اور امن کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر ثانیہ سارے گھر کی لائٹس آف کرتے اپنے کمرے میں آئی تو عنادل کپڑے تبدیل کر کے نیم دراز لیٹا ہوا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

ثانیہ چینج کرنے کے بعد، لائٹ آف کرتی بستر پہ آ لیٹی اور کروٹ بدل کر نائٹ بلب کی روشنی میں عنادل کے خوبصورت اور وجیہہ چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

''پھپھو امی کو یاد کر رہے ہیں۔'' ثانیہ نے نرمی سے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا تو عنادل نے چونک کر پہلے اسے اور پھر اپنے ہاتھ پہ رکھے اس کے نرم و نازک ہاتھ کو دیکھا اور دھیرے سے اس کا ہاتھ اٹھا کر اپنے لبوں سے لگا لیا تو ثانیہ شپٹا گئی اور اپنا ہاتھ کھینچنے لگی، عنادل نے اس کی طرف کروٹ لی اور مسکراتے ہوئے بہت غور سے اسے دیکھنے لگا۔

''تم بہت اچھی ہو ثانیہ، تم نے میرے چھوٹے سے گھر کو اپنی محبت اور توجہ سے جنت بنا دیا ہے، بلاشبہ تم ایک اچھی بہو نیک اور فرمانبردار بیوی اور بہترین ماں ہو۔'' عنادل کے منہ سے نکلے تعریفی کلمات نے ثانیہ کو دنگ کر دیا تھا اور وہ حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی، اس کی اتنی حیرانگی پہ عنادل شرمندہ ہو گیا۔

''میں جانتا ہوں کہ میں اچھا شوہر ثابت نہیں ہو سکا، میں اکثر تمہیں اگنور کر دیتا ہوں اپنی الجھنوں میں، تمہیں بھول جاتا ہوں مگر تم نے بھی مجھ سے شکوہ نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ میرا ساتھ دیا ہے، تھینک یو ثانیہ۔'' عنادل نے آج سچے دل سے اعتراف کیا تو ثانیہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

''اس میں شکریہ والی کیا بات ہے عنادل! میاں بیوی کا رشتہ ایسا ہی ہوتا ہے دکھ سکھ کا ساتھی اور اگر اس میں محبت بھی شامل ہو جائے تو اس سے مضبوط اور خوبصورت رشتہ کوئی نہیں ہے اور میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں عنادل خان۔'' ثانیہ نے بے اختیار اعتراف کیا اور اس کے کندھے سے آ لگی، ثانیہ کے نرم و ملائم بالوں سے کھیلتا عنادل کا دل درد سے کراہا تھا، اس کی آنکھوں سے کتنے ہی آنسو نکل کر اس کے گھنے بالوں میں جذب ہو چکے تھے جن سے بے خبر وہ اپنی محبت کی بانہوں میں سکون سے سو چکی تھی۔

اس بات سے بے خبر کہ عنادل اس وقت اس کے وجود میں کسی اور کو تلاش کر رہا ہے، وہ ثانیہ کو نہیں کسی اور کو اپنے قریب پا رہا ہے۔ ثانیہ اتنے میں خوش تھی کہ عنادل نے آج اس کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے بہترین بہو، بیوی اور ماں کا خطاب دیا تھا، مگر وہ سمجھے اس سے یہ پوچھنا بھول گئی تھی کہ کیا عنادل بھی اس سے محبت کرتا ہے؟ اگر عنادل اس سے محبت کرتا ہے تو اس کی آنکھوں میں تیرتی اداسی میں ٹھہری نمی کس کے لئے ہے۔

میں تجھے یاد بھی کرتا ہوں تو جل اٹھتا ہوں
تو نے کس درد کے صحرا میں گنوایا ہے مجھے

☆☆☆

''کل کی میٹنگ کیسی رہی تمہاری؟'' آئس کریم کے کپ میں چمچ چلاتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''بہت اچھی، میری امید سے بھی زیادہ۔'' سامنے والے نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا، موسم کافی خوشگوار تھا، دونوں سڑک پہ واک کرتے ہوئے آئس کریم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

''اچھا تو پھر تمہاری جاب پکی سمجھوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

''ہاں تم کہہ سکتی ہو، کیونکہ تم نہیں جانتی؟'' اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلاتے اسے بتاتے ہوئے کہا۔

''میننگ ڈائریکٹر نے کہا۔''

''I like you۔''

''تم جانتی ہو کہ میں نے جواب میں کیا کہا؟'' اس نے پوچھا تو آئس کریم کے کپ میں جھانکتے اس نے لاعلمی میں سر ہلایا تھا۔

''میں نے کہا۔''

''I wish these words might be said by some one else'' اس نے معنی خیز لہجہ میں کن اکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو ایک لمحے کے لئے اس کے ہاتھ رکے اور پھر سے وہ آئس کریم کھانے میں مگن ہو گئی، اس نے بے اختیار گہری سانس لی تھی، نجانے یہ لڑکی بھی اتنی ناقابل تسخیر کیوں لگتی تھی، جس پہ کوئی بات کوئی جذبہ اثر نہیں کرتا تھا۔

''پھر تو آپ کو مبارک ہو، اتنی بڑی کامیابی ملنے پر۔'' اس نے مسکراتے ہوئے مبارکباد دی تھی۔

''تم ساتھ ہو تو سب اچھا ہونے لگتا ہے سب بگڑے کام بھی سنورنے لگتے ہیں، یو آر لکی فار می۔'' اس نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا تو ایک لمحے کے لئے وہ ساکت سی ہو کر رک گئی وہ دو قدم آگے جا کر رک گیا اور مڑ کر اس کے گم صم سے انداز کو دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے پوچھا تو اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتی وہ پھر سے چلنے لگی، میٹرو اسٹیشن پہ پہنچ کر اچانک وہ بولی تھی۔

''اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تمہیں مجھ سے زیادہ لکی اور خوش نصیب کوئی مل جائے تو.....؟'' اس کی بات پہ وہ بے اختیار ہنس پڑا اور اس کے خوبصورت چہرے پہ رقم الجھن کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''تم محبت اور ضرورت میں فرق نہیں کر سکتی ہو، محبت میں پارس صرف ایک ہی فرد ہوتا ہے جو ہمارے وجود کو چھو کر سونا بنا دیتا ہے محبت جس پہ بھی مہربان ہو گی وہ دنیا کا خوش نصیب شخص ہی کہلائے گا چاہے بظاہر اس کے پاس ایسا کچھ بھی نہ ہو جو اسے خاص بناتا ہو، اب آیا سمجھ میں محترمہ۔'' عنادل نے ہلکے سے اس کی ناک کو چھوا تو کچھ دیر تک اس کے چہرے کو دیکھتی وہ یکدم سے پلٹ کر چلی گئی، جبکہ وہ بہت خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

وہ بھی کیا شخص ہے کہ پاس آ کر
فاصلے دور تک بچھاتا ہے

☆☆☆

عاشر جتنے غرور و فخر سے گیا تھا، ایک مہینے بعد واپس آیا تو اتنا ہی خاموش اور افسردہ تھا، مشعل منتظر تھی کہ عاشر کب اپنا فیصلہ سنائے گا اور اسے اپنی زندگی سے چلے جانے کو کہے گا، مگر اس کی طرف سے ہنوز خاموشی تھی، اسی طرح دو ہفتے گزر چکے تھے اکثر مشعل کو لگتا تھا کہ جیسے عاشر کچھ

کہتے کہتے رک سا جاتا ہے، جیسے اسے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

مشعل نے اس کے آنے سے پہلے اپنا روم الگ کر لیا تھا، مگر فی الحال وہ اس کے کھانے پینے اور دوسری ضرورتوں کا دھیان رکھ رہی تھی۔

اس دن ویک اینڈ تھا، مشعل اپنے فلیٹ کی بالکونی میں کھڑی ہاتھ میں چائے کا مگ تھامے سڑک پہ بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی، دوبئی میں ہونے والی بارشوں نے موسم کافی خوشگوار کر دیا تھا، ابھی بھی ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی، مشعل کسی خیال میں گم دھیرے سے مسکرا دی، جب اسے اپنے پاس آہٹ سی محسوس ہوئی اور اس نے پلٹ کر دیکھا تو حاشر اس کے ساتھ آ کر کھڑا ہو گیا تھا، مشعل دوبارہ رخ موڑ کر باہر دیکھنے لگی، کچھ دیر دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی جسے پھر حاشر کی آواز نے توڑا۔

''مشعل میں تمہارے ساتھ دوبارہ سے اپنی زندگی شروع کرنا چاہتا ہوں۔'' مشعل نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا، جس پہ سنجیدگی رقم تھی۔

''ایک منٹ کچھ بھی کہنے سے پہلے میری پوری بات سن لو۔'' حاشر نے اسے لب کھولتے دیکھا تو روکتے ہوئے بولا، مشعل نے لب بھینچ کر چہرہ موڑ لیا۔

''میں جانتا ہوں کہ میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا ہے، غلط کیا ہے مگر ریٹا کی بے وفائی نے مجھ پہ تمہاری قدر واضح کر دی ہے۔''

''او تو یہ وجہ ہے واپس پلٹنے کی۔'' مشعل نے گہری سانس لیتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تو حاشر شرمندہ ہو گیا۔ حاشر میں سو برائیاں سہی مگر ایک بات تھی کہ وہ بات کھری کرتا تھا۔

''ریٹا کے لئے میں صرف ایک کھلونے کی طرح تھا جب تک اس کا دل چاہا مجھ سے دل بہلاتی رہی اور جب دل بھر گیا تو......'' حاشر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو آپ نے بھی تو یہی کیا تھا مسٹر حاشر، جب آپ بہت آسانی اور آرام کے ساتھ کسی کو دھوکہ دے سکتے ہیں تو کوئی اور بھی آپ کے ساتھ یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔'' مشعل نے زیر خند لہجے میں کہا اور پلٹ کر اندر جانے لگی، تو حاشر نے ایکدم سے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''مشعل کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتی ہو، صرف ایک بار اس محبت کی خاطر جو ہم میں تھی، یا اس رشتے کی خاطر جو ابھی بھی ہمارے درمیان موجود ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ سب غلط کام چھوڑ دوں گا پلیز مجھے ایک موقع دو۔'' حاشر نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

''حاشر تمہارے جانے کے بعد میں نے بہت سوچا بہت غور کیا تو مجھے پتا چلا کہ ہم میں محبت کبھی بھی نہیں تھی، ہم دونوں اپنی اپنی ضرورت کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب آئے تھے اور تمہارا شکریہ کہ تم مجھے اس گمان سے باہر نکلنے میں مدد دی۔'' مشعل نے تڑخ کر کہا تو حاشر نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے خود سے قریب کر لیا، مشعل نے اپنا آپ چھڑانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

''مشعل!'' حاشر نے اس کے خوبصورت گھنے بالوں میں ہاتھ پھنسا کر اس کے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

''مشعل ہم دونوں نئے سرے سے زندگی شروع کریں گے، اپنا ایک چھوٹا سا گھر بنائیں گے جس میں میں ہوں گا تم ہو گی اور...... اور ہمارے بچے۔'' حاشر نے رک کر کہا تو مشعل

چونک کر زیر لب بولی۔

''ہمارے بچے؟'' عاشر کو بچے پسند نہیں تھے مگر مشعل کی شدید خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد ماں بنے جسے عاشر ہمیشہ سختی سے منع کر دیتا تھا، بقول اس کے کہ ابھی سے ہم ان پابندیوں میں کیوں پڑے اور اب وہی عاشر اس سے کہہ رہا تھا کہ......

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔'' مشعل ساری باتیں بھول گئی اور اس کی آنکھوں میں بے یقینی سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی، تو عاشر نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''یقین نہیں آ رہا ناں۔'' عاشر نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کمرے میں لے آیا اور دراز کھول کر ایک کارڈ نکال کر مشعل کی طرف بڑھایا، مشعل نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کارڈ پکڑ لیا اور چونک گئی۔

''یہ یہاں کی مشہور گائناکولوجسٹ کا کارڈ ہے میں نے کل کا ٹائم لیا ہے۔'' عاشر نے کہا تو مشعل بے یقینی سے کارڈ پہ لکھی کل کی تاریخ کو دیکھنے لگی، جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو چکی تھی تو زندگی نے ایک بار پھر اس کا راستہ متعین کر دیا تھا۔ حوا کی بیٹی ہمیشہ سے مرد کی چکنی چپڑی باتوں پر پھسلتی آئی ہے سو مشعل بھی سب کچھ بھول کر ایک بار پھر عاشر کے ساتھ زندگی گزارنے کا سوچنے لگی۔

☆☆☆

جنید رضوی کے گھر میں آج خوب رونق لگی ہوئی تھی، وہ لوگ کل رات ہی عمرہ کی ادائیگی کے بعد واپس آئے تھے اور آج صبح سے ہی ملنے ملانے والوں کا رش لگا ہوا تھا، ثانیہ اور امن نے سارا انتظام سنبھال رکھا تھا، کچھ دیر پہلے ہی زویا اپنے میاں احسن کے ساتھ ملنے آئی ہوئی تھی،

احسن بہت باتونی اور ہنس مکھ سا تھا، سب کے ساتھ ہنسی مذاق کر رہا تھا عنادل بھی اس کی کمپنی کو بہت انجوائے کر رہا تھا، اچانک احسن نے عنادل سے پوچھا۔

''عنادل بھائی! زویا بتا رہی تھی کہ آپ نے کچھ عرصہ دوبئی میں ایک بہت اچھی ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کی ہے پھر چھوڑ کر پاکستان کیوں آ گئے تھے، اس کمپنی میں تو ترقی کے کافی چانسز تھے آپ کے لیے۔'' احسن کی بات پہ عنادل نے چونک کر دیکھا تھا، ہاتھ میں پکڑے کپ پہ اس کی گرفت ایکدم سے سخت ہوئی تھی، اس کی حالت سے بے خبر زویا چہکتے ہوئے بولی۔

''عنادل بھائی کو ثانیہ کی محبت کھینچ لائی تھی، کیونکہ وہاں سے آنے کے کچھ عرصے بعد ہی ان کی شادی ہوگئی تھی۔'' زویا نے شرارت سے ہنستے ہوئے کہا تو سب مسکرا دیئے، عنادل کے چہرے پہ بھی افسردہ سی مسکراہٹ ابھری تھی، اب وہ کسی کو کیا بتاتا کہ وہ کس سے اور کیوں بھاگ کر پاکستان آیا تھا۔

رات کو اپنی سٹڈی روم میں، کسی کی یادوں کے ساتھ جاگتا وہ بہت دور نکل گیا۔

بھول کے مجھ کو سونے والے
سوچ کے تجھ کو جاگ رہا ہوں

☆☆☆

عنادل کو اس کمپنی میں جاب کرتے دو سال ہوئے تھے جب مشعل نے اسے جوائن کیا تھا، بلاشبہ مشعل بہت خوبصورت تھی مگر اس کی شخصیت کی سب سے خاص بات اس کی سادگی اور رکھ رکھاؤ تھا آفس میں سب سے اس کی سلام دعا ضرور تھی مگر دوستی صرف عدیلہ سے تھی۔

اور نجانے کب اور کیسے عنادل اس کھوئی کھوئی خود میں مگن سی لڑکی کا طلب گار بن بیٹھا اور

اسے احساس تب ہوا جس دن اس نے پارک میں اسے ایک غریب بچے کو اپنے کھانے کی چیزیں دیتے ہوئے دیکھا، وہ لمحہ ادراک کا تھا اور اس کے بعد گزرتے ہر لمحہ نے شدت سے اس بات کا احساس دلایا تھا کہ وہ لڑکی اس کے لئے کیا ہے۔ پوری کائنات سمٹ کر جیسے اس ایک لڑکی میں سما گئی تھی۔

عنادل کی بدلتی نظروں کو سب سے پہلے عدیلہ نے ہی نوٹ کیا تھا، جو عنادل کی بھی بہت اچھی دوست تھی صورتحال حال دیکھتے ہوئے اس نے عنادل پہ یہ انکشاف کیا کہ مشعل شادی شدہ ہے مگر اس کے اپنے شوہر سے اختلافات چل رہے ہیں اور عنقریب وہ علیحدہ ہو جائیں گے۔

مشعل چونکہ عدیلہ سے ہر بات شیئر کرتی تھی اسی لئے حاشر کے بدلتے رویئے کے بارے میں اسے ساری آگاہی تھی، عنادل یہ سن کر صدمے سے چپ رہ گیا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے سنبھلے، جتنا وہ خود کو سمیٹتا تھا اتنا ہی بکھرتا چلا جاتا تھا۔ دل تھا کہ بس اسی ایک ضد پر اڑا تھا کہ وہ نہیں تو کچھ نہیں۔ نہ جانے کیسے اور کن دلیلوں سے پھر اس نے اپنے دل کو سمجھایا کہ محبت میں پانے کا تصور ضروری نہیں۔ مشعل اس کے سامنے ہے اس کے آس پاس ہے یہی کافی ہے۔ پھر نہ چاہتے ہوئے بھی عنادل دھیرے دھیرے مشعل کے قریب آنے لگا، مشعل بہت ریزرو رہتی تھی مگر آفس میں لنچ آور میں اور میٹرو اسٹیشن جاتے ہوئے اکثر دونوں کا سامنا ہونے لگا اور ان میں دوستی جیسا جذبہ پروان چڑھنے لگا۔

دراصل یہ وہ وقت تھا جب مشعل حاشر کی سرد مہری اور بدلتے رویے سے بری طرح ٹوٹ چکی تھی، اس کے اندر کی گھٹن بڑھنے لگی تھی، نہ چاہتے ہوئے بھی وہ عنادل کی باتیں سنتی رہتی تھی، جس میں خود سے متعلق اپنے گھر والوں، سب کی ڈھیروں ڈھیر باتیں ہوتی تھیں، جنہیں مشعل بہت دلچسپی سے سنتی تھی کیونکہ اپنی زندگی میں وہ ان سب رشتوں سے محروم رہی تھی۔

مگر جب اس دن سمندر کی لہروں سے کھیلتے عنادل نے اسے پروپوز کیا تو وہ حیران رہ گئی اور وہاں سے چلی آئی اس کے بعد سے اس نے عنادل کا سامنا کرنے سے کترانا شروع کر دیا، اس وقت عنادل کو یہ نہیں پتا تھا کہ مشعل شادی شدہ ہے، اسی لئے وہ بار بار اس کے راستے میں آ کر اپنا سوال دہراتا رہا تب ایک دن مشعل نے سختی سے عدیلہ کے سامنے اسے انکار کر کے اپنی شادی کا بتایا تھا اور بعد میں عدیلہ نے اس کی بات کی تصدیق بھی کر دی تھی عنادل بہت شرمندہ ہوا وہ کسی طرح مشعل سے معذرت کر کے اسے منانا چاہتا تھا جب وہ کار والا حادثہ ہوا اور یوں ان میں پھر سے دوستی ہو گئی، مگر اب کی بار عنادل محتاط ہو چکا تھا، مگر وہ خود کو مشعل کی محبت سے دستبردار نہیں کر پا رہا تھا، شاید ایسا ممکن ہو بھی جاتا اگر مشعل حاشر کے ساتھ خوش رہتی، مگر اس کا روز بہ روز ٹوٹنا اور بکھرنا عنادل کی برداشت سے باہر تھا اور بہت سوچ بچار کے بعد اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مشعل کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑے گا کیونکہ عدیلہ کی زبانی اسے پتا چل گیا تھا کہ حاشر کسی اور سے شادی کرنے والا ہے، عنادل نے عدیلہ کے سامنے اپنے دل کا حال بیان کرتے ہوئے مشعل کو ہر حال میں اپنانے کا کہا تھا۔

اور بھی عدیلہ نے مشعل کو سمجھایا تھا کہ وہ اپنا راستہ خود چنے اور عنادل کی بے لوث محبت کو اپنائے۔ مشعل اس پہلو پہ سوچ ہی رہی تھی کہ حاشر ایک دم پلٹ آیا۔

اور مشعل سب کچھ بھول کر اپنے ٹوٹے گھر کو نئے سرے سے بسانے میں لگ گئی اور عنادل خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا تھا کہ اس کے لئے مشعل کی خوشی اور رضا سے بڑھ کر کچھ نہیں تھا، اس کی جنونی محبت بھی نہیں مگر وہ جتنا اس سے دور جانے کی کوشش کرتا تھا وہ اتنا ہی اسے اپنے پاس محسوس ہوتی تھی۔

مشعل سے وہ اب ایک اچھے دوست کی طرح ہر بات شیئر ضرور کرتا تھا مگر اپنے دل کی بات ہونٹوں پہ نہیں لاتا تھا کہ وہ کسی اور کی امانت تھی، مگر اکثر مذاق ہی مذاق میں کہتا تھا۔

ستر حوریں گروی رکھ کر
ہم تجھے جنت میں ادھار مانگیں گے

''اس دنیا میں نہیں تو کیا ہوا اگلی اور ابدی دنیا میں ضرور ہم ملیں گے۔ جہاں پھر کوئی ہمیں جدا نہیں کر پائے گا۔ وہ ہر نماز کے بعد شدت سے یہ دعا کرتا کہ اللہ پاک ہمیں آخرت میں ایک کر دینا۔ اس دنیا میں مجھے مشعل عطا کرنا اور یہ بات وہ اکثر مشعل سے بھی کہتا، مشعل اس کی بات سن کر کبھی تو حیران ہوتی اور کبھی ہنس پڑتی تھی، وہ جانتی تھی کہ عنادل بہت اچھا ہے اور یہ اچھا سا شخص اس کے پیچھے خوار ہو یہ اسے منظور نہیں تھا، اسی لئے وہ بہت طریقے سے اسے ہینڈل کرتے لگی تھی، مشعل جانتی تھی کہ وہ اپنی بیوہ ماں اور ماموں کا اکلوتا وارث ہے جن کی بہت سی امیدیں اس سے وابستہ تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ عنادل خود کو اس طرح اس کی محبت میں تباہ و برباد کر لے یہ مشعل کی حد سے بڑھی حساسیت اور رشتوں سے محرومی تھی جو اسے عنادل کا اتنا خیال اور احساس تھا۔

سب سے بڑی بات مشعل جانتی تھی کہ عنادل کی محبت ہر غرض سے پاک ہے اس نے کبھی مشعل سے کچھ چاہا نہیں تھا صرف اس کا ساتھ مانگا تھا مگر بہت عزت و احترام کے ساتھ، مشعل کی ہر تکلیف ہر درد کو وہ پہلے ہی جان جاتا تھا، نہ جانے کیسے مشعل اکثر حیران ہوتی تھی کہ وہ اس کے بارے میں اتنا کیسے جانتا ہے۔

''اور وہ ہنس کے کہتا تھا کہ سچی محبت میں الہام ہوتے ہیں، مگر تم نہیں سمجھوگی۔'' اور مشعل سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی انجان بننے پر مجبور تھی۔

☆☆☆

''تو تم نے ایک بار پھر حاشر کا اعتبار کر لیا ہے۔'' ایک ہفتے کی غیر حاضری کے بعد جب مشعل دوبارہ آفس آئی تو عدیلہ نے ساری بات سننے کے بعد کہا۔

''ہاں میں اپنے بندھن کو ایک موقع اور دینا چاہتی ہوں۔'' مشعل نے گہری سانس لیتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو عدیلہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''مشعل تم ایسے شخص کے ساتھ کیسے زندگی گزارنے کا سوچ سکتی ہو جس کی ساری زندگی دھوکے سے عبارت ہے، جس نے اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے بھی غیر عورتوں سے مراسم رکھے اور آج جب اسے کسی نے چھوڑ دیا ہے تو اسے تمہاری وفاداری اور شرافت کی قدر آئی ہے۔'' عدیلہ نے تلخی سے کہا۔

''عدیلہ میں تمہاری ہر بات مانتی ہوں مگر یہ بھی سچ ہے کہ میں اندر سے بہت ڈری اور سہمی ہوئی سی ہوں میں آج بھی رشتوں کے ٹوٹنے سے ڈرتی ہوں مجھ میں اب اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ میں کسی اور نئے رشتے کو اپناؤں اور اسے آزمانے میں لگ جاؤں، سچ میں اب میں تھک گئی ہوں، خود سے لڑتے لڑتے۔'' مشعل نے آزردگی سے کہا تو عدیلہ تاسف سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''عدیلہ تم نہیں جانتی اور نہ ہی تم اس کرب

سے گزری ہو، رشتوں کے ادھورے پن کا درد، اس کی اذیت کیا ہوتی ہے اسے لفظوں میں سمجھا نہیں جا سکتا اس بس محسوس کیا جاتا ہے خود پہ سہا جاتا ہے جو رشتے آپ کے مان اور فخر کرنے کے ہوتے ہیں اور اگر ان رشتوں سے ہی آپ کو سوائے تنہائی اور دکھ کے کچھ نہ ملے تو انسان کیسے اور جیتا اور روز مرتا ہے......" مشعل نے اپنی نم آنکھوں سے عدیلہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مشعل خود کو اتنی اذیت مت دو، اچھے کی امید رکھو تم یقین کرو کہ تمہیں حاشر سے بہت اچھا اور محبت کرنے والا شخص مل سکتا ہے جو تمہیں تمہاری ساری کمزوریوں دکھوں سمیت قبول کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے، تم جانتی ہو کہ عنادل تمہارے بارے میں سب جانتے ہوئے بھی تمہارا منتظر ہے اس کی محبت کی قدر کرو، حاشر اس قابل نہیں ہے کہ تم جیسی لڑکی کو ڈیزرو کرے۔" عدیلہ نے مشعل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تو مشعل نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی۔

"عدیلہ ہم محبت کی قدر کر بھی لیں تو اسے اپنا نصیب نہیں بنا سکتے ہیں کیونکہ نصیب اور دل میں ہمیشہ ٹھنی رہتی ہے۔ جو نصیب میں ہوتا ہے وہ دل میں نہیں اور جو دل میں ہوتا ہے وہ نصیب میں نہیں اور جس اچھے اور محبت کرنے والے شخص کی تم بات کر رہی ہو میں اسی کی بہتری چاہتی ہوں اس کی ماں، اس کی فیملی کی بہت امیدیں وابستہ ہیں اس سے، میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے انہیں کوئی دکھ یا تکلیف پہنچے۔" مشعل نے افسردگی سے کہا تو عدیلہ اس حساس دل لڑکی کو دیکھ کر رہ گئی جو سب کا بھلا سوچتی تھی۔

"اور پلیز تم میرے لئے دعا کرو کہ میں اور حاشر ایک نئی زندگی کی شروعات کرنے لگے ہیں، اب ہم اپنی فیملی کی بنیاد رکھیں گے اور انشاء اللہ ہماری فیملی میں ہر رشتہ مکمل ہوگا۔" مشعل نے امید بھرے لہجے میں کہا تو عدیلہ نے مسکرا کر اسے خوش رہنے کی دعا دی۔

"ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟" عدیلہ نے اس کے ڈاکٹر کے پاس وزٹ کے بارے میں پوچھتے ہوئے سوال کیا۔

"ڈاکٹر تو پر امید تھیں کہ جلد ہم اپنی فیملی شروع کر سکتے ہیں، مگر احتیاطاً اس نے کچھ ٹیسٹ کروائے ہیں جن کی رپورٹس آج کل میں آ جائے گی۔" مشعل نے تفصیل سے اسے اپنے اور حاشر کے ڈاکٹر پہ جانے کی ساری روداد سنائی تو عدیلہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

☆☆☆

محبت کی دنیا میں قدم رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ ایک طلسمی جہاں ہے۔ جس کے شب و روز اپنے ہی ہوتے ہیں، کہیں رکے رکے سے دن اور کہیں ٹھہری ہوئی سی شامیں محبت کی دنیا میں قدم رکھتے ہی عقل سلب ہو جاتی ہے، محبت صرف وہ ہی دیکھتی ہے جو وہ دیکھنا چاہتی ہے اور محبت وہ ہی بنا دیتی ہے جو وہ بنانا چاہتی ہے اور جس پر یہ وارد ہوتی ہے وہ بے بسی سے کھڑا دیکھتا رہ جاتا ہے، کوئی تاویل کوئی دلیل کام نہیں آتی۔

اس کے سرشاری سے اٹھتے قدم ہنستی مسکراتی دھیرے سے گنگناتی وہ اس خوبصورت جہاں میں پھر رہی تھی، تتلیاں اس کے سنگ تھیں جگنو اسے راستہ دکھاتے تھے، پھولوں سے بھرا آراستہ ہر راستہ تھا اور ان کی دلفریب خوشبوئیں، من کے آنگن میں ہلچل سی مچا رہی تھیں۔

پرندوں کی چہچہاہٹ، ہوا کی شرارتیں، بادلوں کا اس کے چہرے کو چھو کر گزرنا سب کچھ کتنا دلفریب تھا وہ اس طلسمی جہاں میں آ کر بہت خوش و مگن تھی، اس کی ہنسی کی جلترنگ سے فضا

گونج اٹھتی تھی، وہ اسی خوشی کے ساتھ اپنے آسمانی لبادے کو سنبھالتی آگے بڑھ رہی تھی ایک جگہ نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر رک گئی۔

سامنے زمین پہ نارنجی سنہری اور مختلف رنگ بدلتی کوئی چیز بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھی اپنی خوبصورت جھیل جیسی آنکھوں میں حیرانی لئے وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی اس کی طرف بڑھی اور پاس آ کر دوزانوں بیٹھ کر جھک کر اس چمکتی چیز کو دیکھنے لگی، وہ انگاروں کا ڈھیر تھا اس میں سے نکلنے والی ہلکی ہلکی حرارت بہت سکون آور تھی، انگاروں کے بدلتے رنگ بہت خوبصورت دکھائی دے رہے تھے وہ اردگرد سے بے نیاز ہو کر بہت مگن سے انداز میں ان کو دیکھتی اچانک ایک انگارہ اٹھا کر اپنی خوبصورت ہتھیلی پہ رکھ لیا، اس کے ہاتھ لگاتے ہی انگاروں کا ڈھیر میں شعلے بلند ہونے لگے تھے۔

وہ اپنی گلابی وسفید ہتھیلی پہ رکھے انگارے کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی آہستہ آہستہ اسے احساس ہوا کہ انگارہ کی تپش بڑھنے لگی ہے اور اس کی ہتھیلی سے ہوتی سارے جسم میں پھیلنے لگی ہے، اس نے گھبرا کر اپنا ہاتھ جھٹکا اور خوف زدہ ہو کر آگ کے بلند ہوتے شعلوں کو دیکھا، وہ فوراً کھڑی ہوئی اور خوف سے چند قدم پیچھے ہٹی اور یکدم پیچھے مڑ کر بھاگنے لگی تو ساکت رہ گئی۔

اس کے چاروں طرف دائرے کی صورت میں آگ روشن تھی، وہ اس دائرے میں قید تھی، مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ اس دائرے کے باہر وہ طلسمی دنیا اسی طرح نظر آ رہی تھی، وہ محبت کی دنیا اسی طرح سحر انگیز اور دلفریب تھی۔

اس نے گھبرا کر اپنی ہتھیلی کی طرف دیکھا جہاں پہ انگارے والی جگہ جل چکی تھی آگ کی تپش اس کی رگوں میں خون کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگی تھی اور یہ تپش اسے عجیب بے چینی اور اضطراب میں مبتلا کر رہی تھی، کہ پھر اس کے قدم محو رقص ہو گئے اور اس کے قدموں کے پاس سے خاک اڑنے لگی تھی، اس دائرے کے اندر وہ محو رقص جیسے صحرا کے بگولوں کے ساتھ اڑ رہی ہو۔

اس سنہری، نارنجی رنگ کی تپش نے اس کی روح کو بھی اپنے ہم رنگ کر لیا تھا، اس کی ذات خاک بن کر فنا کے رستے پہ گامزن ہو چکی تھی اور فنا تو صرف عشق کرتا ہے یہ عشق ہی ہوتا ہے جو سر بازار سر محفل خلوت میں جلوت میں محو رقص کرا دیتا ہے اور رقص کرنے والا کون و مکان بھول کر بس ایک ہی تال پر قدم رکھتا آگے بڑھتا ہے یہ جانے بنا کہ اب واپسی کا راستہ نہیں۔ عشق میں فنا ہونا ہی اس کی بقا ہوتی ہے اور وہ بھی محبت کی دنیا سے نکل کر عشق کے حصار میں آ چکی تھی۔ اور جس کو عشق اپنے حصار میں لے لے، اس کے پلے خاک نہیں چھوڑتا۔

میری دہشت تو میرے پاؤں نکلنے ہی نہیں دیتی
سرخانہ سر محفل سر بازار می رقصم

☆☆☆

وہ گھبرا کر ایک دم سے اٹھی تو اس کی سانس تیز تیز چل رہی تھی اس نے ایک نظر اپنے ساتھ سوئے حاشر پہ ڈالی اور پھر سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر پانی پیا۔

کچھ بہتر محسوس کرنے کے بعد وہ دوبارہ لیٹ گئی اور اپنے عجیب و غریب خواب کے بارے میں سوچنے لگی، ”نجانے یہ اب کس بات کی طرف اشارہ ہے۔“ مشعل نے پریشان ہو کر سوچا اسے لگ رہا تھا کہ اس کا جسم و جاں ابھی بھی اس تپش سے جل رہے تھے، ٹھنڈی ٹھنڈی میٹھی میٹھی عشق کی تپش، جو نہ جلتی ہے اور نہ جلاتی ہے، بس سلگاتی ہے۔ مشعل نے تھک کر آنکھیں

موند لیں۔

☆☆☆

عنادل کی نظریں ونڈو سے باہر کچھ ڈھونڈ رہی تھیں، اس کے چہرے پہ شکستگی اور اداسی کے تاثرات بہت واضح تھے، عدیلہ نے گہری سانس لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، مشعل آج بھی آفس نہیں آئی تھی اور اس کا موبائل بھی آف تھا، لنچ آورز میں عنادل نے عدیلہ سے مشعل کی غیر حاضری کے بارے میں پوچھا تو عدیلہ نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کندھے اچکا دیئے۔

''عنادل! میں نے مشعل سے بات کی تھی اسے سمجھانا چاہا تھا مگر......'' کچھ سوچ کر عدیلہ نے جھجکتے ہوئے عنادل کو بتایا تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

''عنادل وہ اپنی زندگی اپنی مرضی اور خوشی کے ساتھ حاشر کے ساتھ گزارنا چاہتی ہے میرا خیال ہے ہمیں اب اس کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے آئی تھنک ہمیں اس کے راستے میں نہیں آنا چاہیے۔'' عدیلہ کی بات سن کر عنادل تلخی سے ہنس پڑا۔

''مجھے کبھی کسی غرض نے اس رستے پہ نہیں کھینچا ہے عدیلہ پتا نہیں وہ کیسی قوت ہے جو مجھے راستہ بدلنے ہی نہیں دیتی ہے۔'' عنادل نے بے بسی سے اعتراف کیا اور پھر سر جھٹک کر بولا۔

''خیر میرے لئے اس کی خوشی سے زیادہ کچھ بھی اہم نہیں ہے، اگر وہ اسی میں خوش ہے تو......مگر نجانے کیوں میرے دل کو عجیب سا وہم لگا رہتا ہے جیسے کچھ ہونے والا ہو، مگر کیا؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا۔'' عنادل نے الجھتے ہوئے کہا، تو عدیلہ اس کے وجیہہ چہرے پہ پھیلے محبت اور فکر مندی کے رنگ دیکھ کر رہ گئی۔ اسے مشعل کی خوش نصیبی پر رشک آیا یہ شخص کتنی سچی محبت کرتا ہے مشعل سے کسی صلے کی آس کے بنا۔

☆☆☆

''عدیلہ یہ سب کیا ہے؟ مشعل پچھلے پندرہ دن سے آفس نہیں آئی ہے اور اب یہ ریزائن۔''

عنادل نے مشعل کے ریزائن دینے کی خبر سنی تو فوراً عدیلہ کے پاس تصدیق کرنے کے لئے پہنچا جو لیپ ٹاپ کھولے کام کر رہی تھی، عنادل کی بات سن کر ایک لمحے کے لئے کی بورڈ پہ اس کی انگلیاں رکیں تھیں اور پھر دوبارہ وہ ٹائپ کرنے لگی۔

''عنادل اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے، حاشر کا کانٹریکٹ اپنی کمپنی سے ختم ہو گیا ہے اور وہ لوگ واپس لندن جا رہے ہیں۔'' عدیلہ نے مصروف لہجے میں کہا تو عنادل بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔

''کیا وہ سچ میں مجھ سے اتنی دور جانے والی ہے؟'' عنادل نے خود سے سوال کیا اور اس کا دل ڈوب سا گیا، وہ آفس آتی اس کی نظروں کے سامنے تو تھی مگر اب یہ......وہ پھر عدیلہ کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

''وہ مشعل آفس ہم سے ملنے تو آ سکتی تھی ناں، وہ میری فون کالز کا بھی جواب نہیں دے رہی، کیا تم شیور ہو کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔'' عنادل کے سوال پہ عدیلہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی یا خدا یہ شخص محبت کی کس منزل پر کھڑا ہے، یہ کون سی آگہی ہے جو انجام کی صورت اس پر اتری ہے۔ اور پھر نظریں چراتے ہوئے بولی۔

''ہاں وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے، دراصل وہ بزی ہے ناں اپنی پیکنگ کرنے میں، اس لئے ٹائم نہیں نکال پا رہی۔''

''ہوں۔'' عنادل نے گہری سانس لیتے ہوئے کسی گہری سوچ میں گم ہوتے ہوئے کہا۔

''پتا نہیں کیوں؟ دل کو عجیب سا دھڑکا لگا ہوا ہے کچھ دن سے میں خواب میں مسلسل اسے پریشان اور روتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، اگر سب ٹھیک ہے تو میرے دل کو یہ بے چینی کیوں؟''

''شاید میں سچ میں پاگل ہو گیا ہوں، کچھ سمجھ نہیں آتی مجھے۔'' عنادل نے تھکے ہارے لہجے میں کہا تو عدیلہ نے چپکے سے اپنی نم آنکھوں کو صاف کیا، شکر ہے کہ عنادل اس کی طرف متوجہ نہیں تھا ورنہ عدیلہ کے آنسو دیکھ کر ٹھٹک جاتا۔

''دراصل تمہارا دل بھی حقیقت کو قبول نہیں کر رہا ہے اسی لئے تم اتنے الجھے الجھے اور پریشان ہو۔'' عدیلہ نے خود پر قابو پاتے ہوئے دھیرے سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو عنادل اسے خالی خالی آنکھوں سے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

آج ایک پھر وہ دونوں ساحل سمندر پہ موجود تھے فرق صرف اتنا تھا کہ آج مشعل نے خود عنادل کو فون کر کے آخری بار ملنے کے لئے بلایا تھا، کیونکہ دو دن بعد وہ ہمیشہ کے لئے لندن جا رہی تھی۔

دونوں کتنی دیر سے خاموش کھڑے سمندر کی لہروں کو گن رہے تھے، مشعل نے آج بھی نیلا آسمانی رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا، مشعل کی وجہ سے عنادل کو بھی اس رنگ سے عشق ہو گیا تھا۔

''میں پرسوں لندن جا رہی ہوں اپنی نئی زندگی کی شروعات کرنے، مگر جانے سے پہلے میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں تم نے ایک اچھے دوست کی طرح میرا بہت ساتھ دیا ہے، مجھے ٹوٹنے سے بکھرنے سے بچایا ہے، سمیٹا ہے ہم سے ملنے تمہاری وجہ سے میں نے جانا کہ مخلص دوست کا ساتھ ہونا کتنی بڑی خوش نصیبی ہے۔''

لہروں کے شور میں اس کی ابھرتی سنجیدہ سی آواز پہ عنادل نے گردن موڑ کر اپنے ساتھ کھڑی سمندر جیسی گہری لڑکی کو دیکھا تھا جو ابھی بھی سامنے دیکھ رہی تھی اس کی نظروں کے ارتکاز پہ، مجبور ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی، پھر نظریں چراتے ہوئے بولی۔

''کیا ہوا؟ ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟'' مشعل نے اس کا دھیان بٹانے کے لئے سوال کیا۔

''تمہیں جی بھر کے دیکھ لینا چاہتا ہوں کیونکہ آج کے بعد ان آنکھوں کے خالی کاسے میں تمہارے دیدار کے سکے نہیں گرے گے ناں۔'' عنادل نے ٹوٹتے ہوئے لہجے میں کہا۔ عنادل کے لہجے میں یہ کیسی تڑپ تھی جس نے مشعل کے دل کو مٹھی میں لے لیا تھا خود پر قابو پاتے ہوئے مشعل نے رخ موڑ لیا اور دھیرے سے بولی تھی۔

''پاگل ہو تم۔''

''ہاں مگر صرف تمہارے لئے۔'' عنادل نے زیر لب کہا تھا جو مشعل نے سن کر بھی ان سنا کر دیا تھا۔

''مشعل ایک بار اور سوچ لو، میں تمہیں آج بھی اپنانے کے لئے تیار ہوں۔'' عنادل نے ایک آخری کوشش کرتے ہوئے کہا تو مشعل اسے دیکھتی نفی میں سر ہلانے لگی۔

''عنادل! فیصلہ تو ہو چکا ہے، میری کوئی راہ بھی تم تک نہیں آتی ہے، بہتر ہے کہ تم جتنی جلدی اس بات کو مان لو گے تمہارے لئے بہتر ہو گا۔'' مشعل نے دھیرے سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو عنادل تلخی سے ہنس کر بولا۔

''کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ تم بہت سمجھدار ہو اور بہت گہری بھی یو نو واٹ؟ تم گہری تو سچ میں

بہت ہو، کبھی کبھی مجھے ایسے لگتا ہے کہ میں تمہاری ہستی میں ڈوب چکا ہوں۔'' عنادل نے تھکے تھکے لہجے میں اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''اور جب وہ سمجھدار لڑکی میری باتوں پر سوچنے لگتی تو نجانے کیوں مجھے ایسے لگنے لگتا تھا کہ قسمت مجھ پہ مہربان ہونے لگی ہے اور تم میری...... خیر یہاں نہیں تو اس دنیا میں ہی سہی، میں اپنے رب سے تمہارا ساتھ ضرور مانگوں گا۔'' عنادل نے نم ہوتی آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''پتا نہیں کیا کیا کہتے رہتے ہیں آپ، اچھا مجھے یاد سے اپنی شادی کی تصویریں میل کرنا اور اپنی مسز کو لے کر لندن ضرور آنا۔'' مشعل نے ایکدم بات پلٹتے ہوئے کہا، وہ جانتی تھی کہ عنادل کے رشتے کی بات اس کی ماموں کی بیٹی ثانیہ سے چل رہی تھی مگر عنادل ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا، اسی لئے ابھی تک کچھ فائنل نہیں ہوا تھا۔

''مذاق اچھا کر لیتی ہو تم، میری مسز......!''

''اونہہ......!'' عنادل نے تلخی سے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

''یہ پوسٹ اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی تمہارے لئے ہی خالی ہے۔''

''No,one can occupy.''

عنادل نے سنجیدگی سے کہا تو مشعل نے ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھا۔

''پاگل پن کی باتیں مت کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ میں ساری عمر اس Guilt کا شکار رہوں کہ میری وجہ سے تم ایک نارمل اور مکمل زندگی گزارنے سے محروم رہے ہو۔'' مشعل نے اس کی شرٹ کھینچ کر رخ اپنی طرف موڑا، تو وہ اسے چپ چاپ دیکھتا رہ گیا، شام کا سارا سنہرا پن اس کی جھیل سی گہری آنکھوں میں اتر آیا تھا، اس کے چہرے پہ اتنی فکرمندی اور اپنائیت تھی کہ وہ کسی خواہش کے ادھورے پن کی چبھن کو محسوس کرتا لب بھینچ کر نفی میں سر ہلانے لگا۔

''نہیں میں تمہیں کسی گلٹ پشیمانی یا تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔''

''تو پھر وعدہ کرو مجھ سے اپنی مدر کی خواہش کی تکمیل کرو گے، اپنے ماموں کی آس کو نہیں توڑو گے وعدہ کرو کہ تم ثانیہ سے شادی کرو گے، اپنا دل کی آمادگی اور خوشی کے ساتھ اس کے سب حقوق و فرائض پورے کرو گے۔'' مشعل نے اپنی بات پہ زور دیتے ہوئے کہا تو عنادل تلخی سے ہنس پڑا اور بولا۔

اس کی زبان میں اتنا اثر ہے کہ نصف شب
وہ روشنی کی بات کرے اور دیا جلے
تم چاہتے ہو تم سے بچھڑ کر بھی خوش رہوں
یعنی ہوا بھی چلتی رہے اور دیا جلے

''تم سچ میں بہت حساس ہو، میری سوچ سے بھی زیادہ، جو ہر کسی کی تکلیف کو فیل (محسوس) کر لیتی ہو اور تم جانتی ہو کہ حساس لوگوں کے دل کتنے نرم اور نازک ہوتے، شیشے سے بھی زیادہ نازک اور حساس دل آج کل کے دور میں بہت کم ہوتے ہیں، شکر بجا لایا کرو اس ذات کا جس نے تمہیں من کی خوبصورتی سے بھی نوازا ہے۔'' عنادل نے نرمی سے اس کی ناک کو چھوا تو وہ اس کے لفظوں کے سحر میں کھوئی ایکدم سے نیند سے جاگی تھی اور اس کی شرٹ چھوڑتے ایک قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''اپنے وعدے پہ قائم رہنا عنادل اور مجھ سے کئے اس ایک آخری وعدہ پہ بھی۔'' مشعل نے اپنے نیلے رنگ کے آنچل کو سمیٹتے ہوئے کہا اور واپس جانے کے لئے پلٹی۔

''مگر تم نے اپنا آخری وعدہ مجھ سے لیا تو نہیں ابھی تک کہ وہ کونسا ہے۔'' عنادل نے اسے یاد دلاتے ہوئے پکارا تو وہ اپنے خیال سے چونک کر پلٹی۔

''ہاں وہ......'' مشعل ذرا کو مڑی اور پھر مسکرا کر بولی۔

''وعدہ کرو عنادل کہ تم مجھے بھول جاؤ گے اور دل سے بھی بھولنے کی کوشش کرو گے۔'' مشعل نے اپنا نازک ہاتھ سامنے پھیلاتے ہوئے کہا، ایک دن اسی طرح اسی جگہ پہ عنادل نے بھی اپنا ہاتھ پھیلا کر اس سے کچھ مانگا تھا، عنادل نے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو دیکھا اور بولا۔

یہ جو بھولنے کا سوال ہے
میری جان یہ بھی کمال ہے
تو نماز عشق ہے جاناں جسے
تجھے رات و دن میں ادا کروں

''اگر تمہیں خود سے جدا کر سکتا دل سے نکال سکتا تو بہت پہلے کر چکا ہوتا۔'' عنادل نے اس کی طرف سے رخ پھیرتے ہوئے کہا تو مشعل نے نم آنکھوں کے ساتھ اپنے پھیلے خالی ہاتھ کو دیکھا جو آج خالی نہیں رہا تھا، اس کے چہرے پہ آنسوؤں کی لکیریں بہت واضح تھیں، مشعل نے ایک آخری نظر رخ موڑے کھڑے عنادل پہ ڈالی اور بھاگتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

عنادل کو ایکدم سے ہی فضا کا خالی پن محسوس ہوا اور اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ وہاں سے جا چکی تھی۔

عنادل کی آنکھوں سے کئی آنسو خاموشی سے اس جگہ گرے جہاں وہ دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہوئے تھے، سمندر کی لہروں نے ایک اور محبت کو سچے موتی کی طرح اپنی تہہ میں چھپا لیا تھا، یہ راز تا قیامت لہروں میں بہنا تھا۔

پھر عنادل نے بھی اس کمپنی سے ریزائن دے دیا اور مشعل کے جانے کے کچھ عرصے بعد وہ بھی ہمیشہ کے لئے پاکستان لوٹ آیا تھا۔

☆☆☆

آہستہ آہستہ کر کے زندگی معمول پہ آنے لگی تھی، عنادل کو پاکستان میں بھی ایک کمپنی میں بہت اچھی جاب مل گئی اور جاب ملنے کے کچھ عرصے بعد اس کی شادی روایتی دھوم دھام سے ثانیہ سے ہو گئی۔

عنادل نے ہر ممکن طریقے سے مشعل کو بھلانے کی کوشش کرتے ہوئے خود کو اپنی زندگی میں مگن کر لیا تھا، اس کے لئے اتنا اطمینان ہی کافی تھا کہ مشعل اپنی مرضی سے ایک اچھی اور مطمئن زندگی گزار رہی ہے، ایک سال بعد ہی عنادل اور ثانیہ کی زندگی میں دعا کی آمد نے رنگ بھر دیئے تھے، یہ زندگی کا سب سے خوبصورت موڑ تھا۔

عنادل نے اپنے دل کے ایک کونے کو کسی کی یادوں سے سجا کر پھر اس کا کواڑ بہت مضبوطی سے بند کر کے چابی کہیں دور پھینک دی تھی۔

ان گزرے پانچ سالوں میں، بظاہر وہ کافی حد تک نارمل زندگی گزار رہا تھا۔

مگر وہ کیا کرتا اس محبت کا جو اچانک کہیں سے کسی بھی وقت اس کے سامنے آ کھڑی ہوتی تھی اور وہ ایک دم سے اپنے حال سے کٹ جاتا تھا، وہ اسے بھلانے کے لاکھ دعوے یا کوشش کرتا مگر یہ بھی سچ تھا کہ وہ اسے آج بھی بھول نہیں پایا تھا۔ بھلا خود کو بھی کوئی بھول پایا ہے، اک کسک سی تھی جو ہمیشہ اس کے من میں رہتی۔

عنادل دعا گو رہتا تھا کہ وہ جہاں بھی رہے خوش رہے۔ اپنی دعاؤں پر یقین ہونے کے

باوجود نہ جانے مشعل کی طرف سے ایک دھڑکا سا کیوں تھا اور اس نے ان گزرے پانچ سالوں میں اسے بے انتہا سوچنے کے باوجود بھی اپنے خواب میں نہیں دیکھا تھا۔

جس پہ وہ اکثر حیران بھی ہوتا تھا کہ ایک شخص ہر وقت ذہن پہ سوار رہے مگر خواب میں نظر نہ آئے، یہ کیسے ممکن ہے اور ایک دن اسے اس بات کا جواب بھی مل گیا تھا۔

☆☆☆

اس نے اٹھ کر اپنے خوبصورت کاٹیج کی کھڑکی کھولی، تو ٹھنڈی مست ہوا نے اس کا استقبال کیا، اس نے خوشی و مسرت کے ساتھ سامنے پھیلے سبزے کو دیکھا اچانک اس کی نظر پھولوں کے درمیان کھڑی پھول جیسی مشعل پہ پڑی اور ایک دلفریب مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کرلیا۔

اس دوران مشعل نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور دور سے ہاتھ ہلا کر اسے اپنے پاس بلانے لگی تھی، وہ آہستہ آہستہ کاٹیج کی سیڑھیاں اتر کر اس کے پاس پہنچ گیا۔

جس کا سفید لباس ہوا سے اڑ رہا تھا، اس کے کھلے بال ہوا کے زور سے بار بار بکھر رہے تھے، جنہیں وہ ایک ہاتھ سے سمیٹتی اور پھر جھٹک کر پھول چننے لگتی تھی۔

اسے اپنے پاس آتا دیکھ کر وہ بہت دل سے مسکرائی تھی اور اپنی ٹوکری میں جمع کیے گئے رنگ رنگ کے پھول دکھانے لگی تھی، وہ آج بہت خوش اور مطمئن لگ رہی تھی اس کی سنہری جھیل جیسی آنکھوں میں خوشی کے رنگ بہت واضح تھے وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے جا رہے تھے، مشعل کے ہوا کے زور سے اڑتے بال اور سفید آنچل بار بار اس کے چہرے کو چھو رہے تھے اور وہ اس دلفریب خوشبو کے زیر اثر ہلکا سا مسکرا دیتا تھا۔

آج وہ بے تکان بول رہی تھی، جیسے اپنے دل کی ساری باتیں کرنا چاہتی ہو، جبکہ وہ خاموشی سے اس کو سنتا آگے بڑھ رہا تھا، جبکہ وہ خاموشی سے اس کو سنتا آگے بڑھ رہا تھا، اسی طرح دونوں باتیں کرتے چھوٹی سی جھیل کے کنارے آ بیٹھے، مشعل نے اپنی پھولوں والی ٹوکری پاس ہی رکھ دی اور جھیل میں تیرتی بطخوں کی طرف اشارہ کرکے خوشی سے کچھ کہنے لگی اس نے مسکراتے ہوئے اس کی بات سنی تھی اور پھر مشعل نے آہستگی سے اپنا سر اس کے کندھے پہ رکھ دیا تھا، اس نے نرمی سے اپنا ایک بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کرکے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا، ان لمحوں کے بدلے اگر کوئی دو جہاں بھی دیتا تو وہ لینے سے انکار کر دیتے۔

اس پل زندگی کتنی مکمل اور خوبصورت لگ رہی تھی کوئی ان سے پوچھتا اس سے زیادہ کی چاہ دونوں کو ہی نہیں تھی۔

☆☆☆

عنادل ایک دم سے گہری نیند سے جاگا تھا اس نے اپنے بائیں طرف سوئی ثانیہ پہ نظر ڈالی اور پھر ایک دم سے اپنی دائیں طرف دیکھنے لگا مشعل کا لمس اس کا احساس ابھی بھی اسے محسوس ہو رہا تھا۔

ابھی بھی اس کی تیز تیز چلتی سانسوں میں سے اس کے بالوں اور آنچل کی خوشبو آ رہی تھی وہ اپنے چہرے پہ ابھی بھی اس کے سانسوں کی حدت محسوس کر رہا تھا، عنادل نے پاؤں بیڈ سے نیچے لٹکائے اور سر جھٹک کر گہری گہری سانس لینے لگا پھر سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا، باہر بہت تیز بارش ہو رہی تھی، بادلوں کے گرجنے کی آوازیں بہت واضح تھیں۔

''آج اتنے عرصے بعد اسے خواب میں دیکھا ہے، اتنا خوش، اتنا مگن، مگر میرے ساتھ۔'' عنادل نے الجھتے ہوئے خود سے سوال کیا، پچھلے کچھ دنوں سے اس کا دل بلاوجہ ہی بہت اداس سا اور پریشان تھا مشعل کی طرف سے عجیب سے واہمے اسے ستا رہے تھے، آج خواب میں اسے دیکھ کر مطمئن تو ہوا تھا مگر اسے اپنے خواب کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

اور پھر سمجھ اس دن آئی جب اسے ڈاک کے ذریعے ایک پیکٹ وصول ہوا تھا، جس پہ بھیجنے والے نے اپنا نام سسٹر ماریہ لکھا تھا اور ایڈریس لندن کے ایک ٹرسٹ ہاسپٹل کا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات تھی جب زویا کی شادی کے دن تھے اور عنادل کو ایک دوپہر ایک پارسل وصول ہوا تھا پھر اس کو کھولتے ہی اس پہ حقیقت کے ایسے در کھلے تھے کہ وہ حیرت وصدمے سے گنگ ہو کر رہ گیا تھا اس سیاہ جلد والی ڈائری نے اسے کسی کی ذات کے ان چور گوشوں تک پہنچا دیا تھا، جو ایک راز کی طرح سے کسی کے دل کے تہاں خانوں میں پوشیدہ تھے۔

زویا کی شادی میں اس نے کیسے خود کو سنبھالا اور کمپوز کیا تھا یہ وہ جانتا تھا یا اس کا خدا۔

زویا کی مہندی والی رات مشعل کی یادوں کی یلغار سے بچنے کے لئے وہ سڑک پہ گاڑی دوڑاتا، اِدھر سے اُدھر پھرتا رہا اور پھر تھک ہار کے گھر پہنچ کر اس سیاہ جلد کی ڈائری کو کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

جس کے پہلے صفحے پہ عنادل کے نام کے ساتھ اس نے بہت خوبصورت لکھائی میں لکھا تھا۔

''ان خوابوں کے نام، جنہیں دیکھا تمہاری آنکھوں نے تھا اور انہیں جیا میں نے۔'' عنادل نے اگلا صفحہ پلٹا تو ان دنوں میں واپس پہنچ گیا جب عدیلہ نے مشعل اور حاشر کے واپس لندن جانے کا بتایا تھا۔

☆☆☆

اپنے عجیب وغریب خواب میں الجھی مشعل اگلی صبح آفس بھی نہ جا سکی، اس کے دل عجیب پریشان اور الجھا الجھا ہوا تھا، سارا دن ایسے ہی گزرا، رات ہو چکی تھی اور حاشر کا کچھ پتا نہیں تھا، اس کا موبائل بھی آف جا رہا تھا، رات کا درمیانی پہر شروع ہو چکا تھا، مشعل پریشان سی لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی، اسی وقت کسی نے فلیٹ کے لاک میں چابی گھمائی تو مشعل نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا، جہاں سے حاشر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ اندر داخل ہو رہا تھا، اس نے ہاتھ میں ایک فائل بھی پکڑی ہوئی تھی۔

''حاشر تم نے پھر پی ہے تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ یہ سب چیزیں چھوڑ دو گے۔'' مشعل نے اپنے پاس آتے حاشر کو بے یقینی سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

حاشر اس کے قدموں کے پاس ہی نیچے قالین پہ بیٹھ گیا اور بے ہنگم انداز میں ہنسنے لگا، پھر اچانک ہی وہ زور زور سے رونے لگا، مشعل نے پریشان نظروں سے اس کی طرف دیکھا جواب روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''مشعل آج سب ختم ہو گیا، سب کچھ میں نے تمہارا دل دکھایا تھا، تمہیں دھوکہ دے کر دوسری عورتوں کے پاس جاتا رہا، شراب اور شباب کے نشے میں سب بھول گیا تھا اور جب میں نے سچے دل سے توبہ کی اور تمہاری طرف ایمانداری سے قدم بڑھایا تھا کہ اچانک قسمت نے ایسا وار کیا ہے کہ سب کچھ ختم ہو کر رہ گیا ہے۔'' حاشر نے روتے ہوئے کہا تو مشعل اس

کی عجیب وغریب باتیں سن کر گھبرا اٹھی اور اسے کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر بولی۔
''کیا ہو گیا ہے عاشر تمہیں، اس طرح کیوں کہہ رہے ہو؟'' عاشر نے اپنے کندھے پہ دھرا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔
''مشعل! ابھی تمہیں سب پتا چل جائے گا مگر میں تم سے ایک درخواست کرتا ہوں کہ تم سب کچھ جاننے کے بعد مجھے سچے دل سے معاف کر دینا، تم بہت اچھی اور معصوم ہو، افسوس کہ میں نے وقت پہ تمہاری قدر نہیں کی اور شاید مجھے اسی بات کی سزا بھی ملی ہے مگر تمہیں کیوں.....'' عاشر نے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کچھ کہنا چاہا اور پھر فائل اس کی گود میں رکھ کر لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھ کر اندر کمرے کی طرف بڑھ گیا، کمرے کے دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے مڑ کر حسرت و یاس بھری نظروں سے مشعل کی طرف دیکھا تھا جو فائل کھول رہی تھی اور اندر جا کر کمرے کا دروازہ بند کر لیا تھا۔
مشعل نے الجھے الجھے انداز میں اسے اندر جاتے ہوئے دیکھا تھا پھر کچھ سوچ کر گود میں موجود فائل کو کھول کر دیکھنے لگی، تو چونک گئی یہ وہ ٹیسٹ کی رپورٹس تھیں جو ڈاکٹر نے کچھ دن پہلے کروائے تھے۔
مشعل نہ سمجھی کے عالم میں ایک ایک صفحے کو پلٹتی یک دم سے بری طرح سے ٹھٹک کر رک گئی اس کی نظروں کے سامنے زمین و آسمان گھومنے لگے تھے اور وہ پھٹی پھٹی نظروں سے صفحے پہ نظریں جمائے بیٹھی ہوئی تھی، اچانک فائل سمیت سارے پیپرز اس کی گود سے پھسل کر نیچے جا گرے تھے۔
مگر اس کی نظروں کے سامنے ابھی بھی ریڈ پین سے انڈر لائن کئے وہ لفظ گھوم رہے تھے۔

عاشر اور مشعل کو ایڈز جیسا مرض لگ چکا تھا، ان کی رپورٹس کے مطابق دونوں HIV+ تھے، عاشر کی بیماری کافی آگے جا چکی تھی جبکہ مشعل کو زیادہ وقت نہیں ہوا تھا اس کا علاج ممکن تھا اب اسے عاشر کی ساری ادھوری باتیں سمجھ آتے گئی تھیں، اس نے زندگی کا یہ رخ اس بدصورت پہلو پہ کبھی نہیں سوچا تھا۔
عاشر کی غلط صحبت نے اس کے ساتھ ساتھ مشعل کی زندگی کو بھی روگ لگا دیا تھا، نجانے مشعل کو اس گم صم حالت میں بیٹھے کتنی دیر ہو گئی، آنسوؤں سے تر چہرے کو صاف کرتے ہوئے اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا جو صبح کے سات بجا رہے تھے، ساری رات اس نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے گزار دی تھی، مشعل نے آج بہت دکھی دل سے اپنے اللہ سے شکوہ کیا تھا، جس نے اس کی زندگی میں کوئی خوشی بھی مکمل نہیں لکھی تھی۔
''مرنا تو ہے ہی تو کیوں ناں ہم اس وقت کا اور بیماری کا سامنا مل کر ہمت و بہادری سے کریں۔'' مشعل کے ذہن میں ایک سوچ لہرائی اور وہ ایک عزم کے ساتھ اٹھی اور اپنے آنسو پونچھتی ہوئی عاشر کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔
کمرے میں ہر سو اندھیرا سا چھایا ہوا تھا، مشعل نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی تو عاشر کو بیڈ پہ آڑھا ترچھا لیٹے ہوئے پایا، مشعل دھیرے دھیرے چلتی اس کے پاس آئی، اچانک اسے غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا وہ جھک کر عاشر کو ہاتھ لگا کر دیکھنے لگی اور پھر ایک دم سے گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی۔
اس نے بے یقینی سے اس کے بے جان اور سرد وجود کو دیکھا اور اس کے پاس نظریں دوڑانے پہ اسے نیند کی گولیوں کی خالی شیشی اور ایک سفید کاغذ نظر آ گیا، مشعل نے لرزتے ہاتھوں کے

ساتھ کاغذ پہ لکھی تحریر پڑھنے لگی۔

''مشعل! میں تمہارا گناہ گار ہوں، یہ انکشاف ہونے کے بعد کہ میں ایڈز جیسے لا علاج مرض کا شکار ہو گیا ہوں میں اپنے اندر اتنی ہمت نہیں پاتا کہ لحہ بہ لحہ اپنی طرف بڑھتی موت کو دیکھ سکوں، اس لئے میں اس زندگی سے نجات حاصل کر رہا ہوں، مجھے اعتراف ہے کہ میں بہت کمزور اور بزدل مرد ہوں، ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا اور میری ڈیڈ باڈی میرے والدین تک پہنچا دینا، تمہارا مجرم، حاشر علی۔''

مشعل کے ہاتھوں سے خط چھوٹ کر نیچے جا گرا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے حاشر کے مردہ وجود کو دیکھنے لگی۔

جس نے ساری زندگی حرام کھانے اور کمانے میں لگا دی تھی اور مرتے وقت بھی اپنے لئے حرام موت کو چنا تھا۔

☆☆☆

بعد کے سارے مرحلے بہت تیزی سے طے ہوئے تھے حاشر کے پوسٹ مارٹم کے بعد اور اس کی وصیت کے مطابق اس کی ڈیڈ باڈی اس کے والدین تک پہنچا دی تھی اس کی تمام سیونگ اور ملنے والے واجبات بھی مشعل نے اس کے والدین کے نام ٹرانسفر کر دیئے تھے۔

اور خود اپنی ذاتی سیونگ میں سے لندن جانے کی تیاری کرنے لگی تھی، وہ حاشر کی طرح بزدل نہیں تھی، وہ حرام موت کو گلے نہیں لگا سکتی تھی اسے جینا تھا جب تک اس کے رب نے اس کی سانسیں لکھی ہوئیں تھیں، جب عدیلہ مشعل سے ملنے آئی تو اس کے گلے لگ کر بہت روئی تھی، اتنی معصوم اور پیاری لڑکی اتنی خوفناک بیماری کا شکار ہو گئی تھی، مشعل نے سختی سے اسے کچھ بھی کسی کو بھی بتانے سے منع کیا تھا، خاص کر عنادل کو۔

مگر جب عدیلہ نے اسے عنادل کی بے چینی اور مشعل کے بارے میں آنے والے پریشان کن خوابوں کا بتایا تو مشعل چپ رہ گئی۔

پھر بے حد اصرار کر کے عدیلہ نے اسے ایک بار لندن جانے سے پہلے آخری بار عنادل سے ملنے کا کہا تھا کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ مشعل کے اس طرح اچانک غائب ہونے یا چلے جانے سے عنادل کبھی بھی سنبھلے گا نہیں اور ساری عمر ایک آس اور امید میں گزار دے گا اور تبھی مشعل آخری بار عنادل سے ملنے گئی تھی، جو اس کے اپنے دل کی بھی خواہش تھی اور جس کا اندازہ اسے لندن پہنچ کر ہوا تھا۔

☆☆☆

وہ رگ جاں میں اتر آیا لہو کی صورت
دامن دل یہ بتا تجھ کو بچاؤں کیسے

''میں تمہارے ساتھ تمہارے سارے خواب جینا چاہتی ہوں، میں تمہارے خوابوں کی بارش میں بھیگنا چاہتی ہوں، تم حیران ہو گے یہ جان کر کہ میں ایسا کیوں چاہتی ہوں جبکہ میں نے ہمیشہ تمہاری حوصلہ شکنی کی تھی تمہاری محبت کو بھی تسلیم نہیں کیا تھا، اس لئے عنادل کہ اس وقت میں کسی کی پابند تھی، میں نے اپنی پوری ایمانداری اور سچائی کے ساتھ حاشر کے ساتھ بنے اپنے رشتے کو نبھایا تھا، مگر اس کی موت کے بعد میں ہر پابندی ہر قید سے آزاد ہو گئی تھی، تب ہی لندن آنے کے کچھ عرصے بعد مجھ پہ انکشاف ہوا تھا کہ دراصل تم میرے لئے کیا تھے؟ میں نے جس چیز کو معمولی سمجھ کر ہمیشہ نظر انداز کیا تھا اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ان کی اہمیت کا احساس ہوا تھا، لندن آنے کے بعد میں نے ایک ٹرسٹ ہاسپٹل میں پناہ لے لی تھی، جہاں میں اپنی بیماری

سے لڑنے کے ساتھ ساتھ دکھی انسانیت کی خدمت بھی کرتی تھی اور اس دوران ہی مجھ پہ پے درپے کئی انکشافات ہوئے تھے کہ میں حیران رہ گئی تھی، تمہاری یاد کی مہک میری ہر سانس کے اندر رچی بسی تھی، تمہاری کہی ایک ایک بات تمہارا ایک ایک خواب مجھے ایسے ازبر تھے جیسے یہ میری اپنی باتیں ہوں، میرے اپنے خواب ہوں، تم اس طرح مجھ میں سما گئے تھے کہ خود میرا اپنا وجود کہیں گم ہو کر رہ گیا تھا، تب مجھے پہلی بار تمہاری محبت کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوا تھا تب مجھے پتا چلا کہ میں جو ہر وقت اپنے رب سے محروم رہ جانے کا شکوہ کرتی تھی دراصل کتنی امیر اور مالا مال تھی، جسے اس دنیا میں ایسی سچی اور خالص محبت مل جائے جو دنیا کی ہر غرض سے پاک تھی، جس میں ایک دوسرے کے وجود پہ محبت الہام بن کر اترتی تھی پھر وہ شخص محروم کیسے رہ سکتا تھا، ہاں میں بھی نہیں ہوں، اس لئے کہ میرے پاس شکر کرنے کے لئے تمہاری محبت کا سرمایہ تھا پھر میں نے اپنے رب سے شکوہ کرنا چھوڑ دیا اور اپنی ہر تکلیف پہ صبر کرنا شروع کیا اس تکلیف دہ بیماری سے لڑنے میں تم نے تمہاری محبت نے مجھے بہت سہارا دیا تھا، تم ٹھیک کہتے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی ذات کے گمشدہ حصے ہیں، جو ایک نہ ایک دن ضرور ملیں گے، چاہے یہ دنیا ہو یا وہ دنیا، ہماری تکمیل بھی ضرور ہو گی، کچھ باتوں کی سمجھ بہت دیر سے آتی ہے جب وقت ہمارے پاس نہیں رہتا، حاشر میری زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا مگر وہ میری محبت نہیں تھا، وہ میری اسی بیساکھی یا سہارا تھا جس کے سہارے میں چلنا چاہتی تھی مگر وہ سہارا کتنا کمزور اور بودا نکلا تھا اب پتا چلا ہے مجھے۔

چلو آج میں تمہیں کچھ سناتی ہوں، ہر بار تم ہی مجھے شاعری سناتے تھے ناں آج میں تمہیں تمہارے ہی لفظ لوٹاتی ہوں۔"

تجھے اس قدر ہیں شکایتیں
کبھی سن لے میری حکایتیں
تجھے گر نہ کوئی ملال ہو
میں بھی ایک تجھ سے گلہ کروں
نہیں اور کچھ بھی جواب اب
میرے پاس تیرے سوال کا
تو کرے گا کیسے یقین میرا
مجھے تو بتا دے میں کیا کروں
یہ جو بھولنے کا سوال ہے
میری جان یہ بھی کمال ہے
تو نماز عشق ہے جان جہاں
تجھے رات و دن میں ادا کروں
تیرا پیار تیری محبتیں
میری زندگی کی عبادتیں
جو ہو جسم و جاں میں رواں دواں
اسے کیسے خود سے جدا کروں
تو ہے دل میں تو ہی نظر میں ہے
تو ہے شام تو ہی سحر میں ہے
جو نجات چاہوں حیات سے
تجھے بھولنے کی دعا کروں

"کیا عشق کی بارگاہ میں میری نماز محبت بھی قبول ہو گی؟ میں تمہیں ہمیشہ کہتی تھی ناں کہ مجھے بھول جانا مگر آج نہیں کہوں گی، آج تو میں یہ کہوں گی کہ عنادل! مجھے ہمیشہ یاد رکھنا، ایک دعا کی طرح، تمہارے دل کا جو کونہ میرے لئے مختص ہے اسے میرا ہی رہنے دینا میرا جسم فنا ہو جائے گا مگر میری روح تم میں تمہارے دل کے اس کونے میں رہے گی، جسے میں تمہاری محبت کے رنگوں کے پھولوں سے سجاؤں گی پھر مجھے کسی چیز کا کسی موت کا کسی جدائی کا خوف نہیں ہو گا، ہم اس

جہاں میں ملیں گے وہ دنیا وہ جہاں ہمارا ہوگا، صرف ہمارا، دیکھو میں نے تمہارے ساتھ بیتے ایک ایک پل کو اس ڈائری میں قید کرلیا ہے اور میں روز گھنٹوں اکیلے بیٹھ کر اسے پڑھتی ہوں، تمہارے ساتھ گزارے ایک ایک لمحے کو یاد کرتی ہوں، تمہاری میلو کی ہوئیں تصویریں دیکھتی ہوں اپنی ساری فیملی کے ساتھ تمہیں خوش و مطمئن دیکھ کر بہت اچھا لگتا ہے، میں آج ایک اعتراف کرتی ہوں عنادل کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے، مجھے تو تمہاری محبت سے عشق ہے وہ عشق جو مجھے لمحہ بہ لمحہ فنا کررہا ہے اور آج مجھے اپنے اس خواب کا مطلب سمجھ میں آیا ہے جب میں عشق کی آگ میں مقید لمحہ بہ لمحہ جل رہی ہوں بجھ رہی ہوں، میرے مرنے کے بعد سسٹر ماریہ میری یہ ڈائری تم تک پہنچا دے گی، اس لئے کہ یہ ہمارے خواب ہیں اور اس پہ صرف ہم دونوں کا ہی حق ہے، میری وصیت کے مطابق مجھے مما اور پاپا کے پاس ہی دفنایا جائے گا مگر عنادل میری ایک آخری خواہش ہے کہ تم چاہے زندگی میں ایک بار ہی سہی مگر میری قبر پہ فاتحہ پڑھنے ضرور آنا اور میری قبر کی مٹی کو ضرور چھونا، تم نے ایک بار کہا تھا ناں کہ محبت میں پارس صرف ایک ہی شخص ہوتا ہے جو ہمیں چھوکر سونے کا بنا دیتا ہے تم بھی میری مٹی کو چھوکر اسے سونا بنا دینا کہ سچی محبت کرنے والے کی طلب صرف یہی ہوتی ہے۔

☆☆☆

عنادل نے جلتی آنکھوں میں آئی نمی کو دھیرے سے صاف کیا اور ڈائری بند کرکے اس پہ اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

مشعل کی ڈیتھ اسی دن ہوئی تھی جس دن عنادل نے پانچ سال بعد اسے اپنے خواب میں ایک سرسبز وادی میں اپنے ساتھ ہنستے بولتے دیکھا تھا اسے اپنے خواب کا مفہوم سمجھ آنے لگا تھا وہ سچ میں سمندر کی طرح گہری تھی، جس نے اپنے دل کی خبر کبھی اسے ہونے نہیں دی تھی۔

عنادل کے یہ احساس کتنا تکلیف دہ اور اذیت ناک تھا کہ مشعل ایک تکلیف دہ بیماری کا شکار ہوکر مری ہے، عنادل کے نہ بہنے والے آنسو اس کے دل میں ناسور بن چکے تھے جن کا کوئی مرہم کوئی علاج نہیں تھا۔

ایک تیرا ہجر دائمی ہے مجھے
ورنہ ہر چیز عارضی ہے مجھے

☆☆☆

عنادل نے عقیدت اور محبت سے دھیرے سے ہاتھ پھیر کر اس جگہ پہ رہ جانے والے مشعل کے لمس کو محسوس کیا، بقول سسٹر ماریہ کے کہ مشعل اپنا فارغ وقت اسی بینچ پہ بیٹھ کر گزارتی تھی، یہ بینچ ہاسپٹل کے باغ کے کونے پہ تھا، جس کے اوپر ٹنڈ منڈ درخت خزاں کی آمد کا پتا دے رہا تھا، بینچ پہ اور اس کے آس پاس گھاس پہ زرد پتے بکھرے ہوئے تھے۔

عنادل کو لندن آئے کچھ دن ہی ہوئے تھے وہ مشعل کی آخری خواہش کو پورے کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دل کے ہاتھوں بھی مجبور ہوکر آیا تھا، جو اسے کسی کروٹ چین نہیں لینے دے رہا تھا۔

سسٹر ماریہ نے نم آنکھوں کے ساتھ مشعل کے روز و شب کے بارے میں عنادل کو بتایا تھا، عنادل نے بہتی آنکھوں کے ساتھ کونے میں موجود زرد پتوں سے بھرے اس بینچ کو دیکھا جس پہ مشعل کی مختلف پرچھائیں ثبت ہوگئیں تھیں کبھی ڈائری پہ جھکے کچھ لکھتے ہوئے کبھی شال کو اپنے گرد لپیٹے دونوں بازوؤں گھٹنوں کے گرد لپیٹے اسے سوچتے ہوئے۔

عنادل ہاسپٹل سے نکل کر مشعل کی قبر پہ پہنچا تو اس کی قبر کی مٹی کو ہاتھ میں لے کر ہچکیاں لے لے کر رو یا تھا، اس کے چھونے سے اس کے آنسوؤں سے وہ مٹی سنہری ہو گئی تھی اور اس کی طرح وہ سنہری جھیلی جیسی آنکھوں والی لڑکی اس مٹی تلے کتنی گہری نیند سو رہی تھی، عنادل نے اپنے چہرے پر سے آنسوؤں کو صاف کیا اور جھک کر مشعل کی قبر کی مٹی کو چوما اور بجھے دل کے ساتھ قبرستان سے نکل آیا۔

لندن کی سڑکوں پہ اپنے لانگ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے جا بجا بکھرے خشک اور زرد پتوں کو قدموں تلے روندتا وہ اردگرد سے بے نیاز نظر آ رہا تھا۔

اس کی نظریں اپنے دل کے اس کونے پہ مرکوز تھیں جہاں وہ بڑی شان اور خوشی کے ساتھ رہ رہی تھی، ہنستے مسکراتے کچھ گنگناتے ہوئے وہ پھولوں کو چنتی اس کی طرف ہاتھ ہلا کر اپنی طرف بلا رہی تھی۔

عنادل نے ایک آزردہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے اپنے دل کی سرزمین پہ پھول چنتے ہوئے دیکھا اور بہت آرام اور آہستگی کے ساتھ اپنے دل کا دروازہ بند کر دیا تھا، تاکہ اب کی بار دنیا کا کوئی غم کوئی دکھ اس کی مشعل کو ڈسٹرب نہ کر سکے وہ یہاں محفوظ تھی، ہمیشہ کے لئے اسے اپنے صبر اور شکر کا بہت اچھا صلہ ملا تھا۔

اور عنادل کا کیا ہے؟ اسے اب تا حیات اپنی محبت کی نگرانی تو کرنی ہی تھی جو وہ اس کی زندگی میں نہ کر سکا تھا، اب کچھ سزا تو اس کا حق بنتی تھی ناں اور محبت میں انتظار سے بڑی کیا سزا ہوتی تھی۔

یہ گہری درد کی شدت سے\
سسکتی آنکھیں\
اور اوپر سے\
تیرے وصل کے خوابوں کا عذاب\
روز آنگن میں کھڑے\
پیڑ سے گرتے پتے\
اور سرِ شام\
پرندوں پہ گزرتی آفت\
نبض اور دل کی بغاوت سے\
تڑپتی ہے حیات\
اس بھرے شہر میں\
بڑھتا ہوا لوگوں کا قحط\
روز ہوتی ہے میرے ساتھ\
دیواروں کی جھڑپ\
روز اک سانس کو\
پھانسی کی سزا ملتی ہے\
اب تو آ جا\
اب تو آ جا\
اے میری جاں کے\
پیارے دشمن\
اب تو آ جا\
کہ\
تیرے ہجر کے\
قیدی کو یہاں\
روز اس شہر میں\
مرنے کی دعا ملتی ہے

☆☆☆

محبت

زندگی میں کئی مواقع ایسے آئے تھے جب اسے زندگی بہت بری لگی تھی بے مقصد لگی تھی، لیکن ہر بار حیدر ہی اس کے لئے روشنی کا ذریعہ بنا تھا، ایسی روشنی جو سیدھا راستہ کھاتی ہو حیدر کے ساتھ اس کی دلی وابستگی تھی جبکہ رخشندہ ناز کو بھی حیدر کے انکار کا خدشہ تھا لیکن انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں شاہ زین حیدر کے کان نہ بھر دے یا پھر اسے سب کچھ سچ سچ نہ بتا دے، جب رخشندہ ناز نے اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ جانے نہیں دیا تو پھر وہ حیدر کو کیسے جانے دے گا لیکن رخشندہ ناز کے لئے یہ بات بھی بڑی حیران کن تھی کہ شاہ زین نے حیدر کو کیوں کچھ نہیں بتایا؟ اس بار شاہ زین کی خاموشی ان کی سمجھ سے بالاتر تھی، وہ تو دل کی بھڑاس نکال دینے والا فوراً ردعمل ظاہر کرنے والا انسان تھا پھر یہ مسلسل خاموشی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی جبکہ شاہ زین کے حیدر کے ساتھ تعلقات بھی معمول کے مطابق خوشگوار تھے۔

''کھانا تو کھا لو۔'' حیدر نے کھانے کی ٹرے شاہ زین کے سامنے بیڈ پر رکھی اور سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''نہیں بھوک نہیں ہے۔'' شاہ زین نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں موندلیں، سر میں ابھی بھی ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا، اگر چہ زخم کچھ بھرا تھا لیکن تکلیف ابھی تھی۔

''کھانا نہیں کھاؤ گے تو میڈیسن کیسے لو گے۔'' حیدر نے پلیٹ میں کھانا ڈالتے ہوئے کہا۔

''یار بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا۔'' شاہ زین بولا تو حیدر نے پلیٹ واپس ٹرے میں رکھ دی۔

''زین تم ڈرنک کب سے کرتے ہو؟''

مکمل ناول

"نہیں میں نہیں کرتا۔" شاہ زین نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا، حیدر اسے جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا، شاہ زین نے اس کے ہاتھ خاموشی سے ٹرے سے پلیٹ اٹھالی۔

"پھر تم نے کہاں سے لی تھی؟"

"کبھی کبھی خود سے دور ہونا اچھا لگتا ہے۔" شاہ زین نے واپس آنکھیں موند لیں اور سر میں اٹھتی درد کی ہلکی ٹیس محسوس کرنے لگا۔

"زیادہ فلسفہ جھاڑنے کی ضرورت نہیں۔" حیدر نے اسے ڈانٹا تو شاہ زین کو اس کی اس ڈانٹ پر ٹوٹ کر پیار آیا، اس نے آنکھیں کھول دیں اور ہلکا سا مسکرادیا۔

"کھانا کھاؤ۔" شاہ زین نے مسکرا کر پلیٹ حیدر کو تھمائی اور اپنے لئے دوسری پلیٹ میں کھانا نکالا، حیدر نے خاموشی سے پلیٹ تھام لی تھی، شاہ زین دھیرے دھیرے سے کھانا کھانے لگا تھا۔

اگر چہ شاہ زین کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن وہ حیدر کے اس اصرار اور پھر اپنے پیار کی وجہ سے انکار بھی نہیں کر سکا تھا اور خود ہی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھالیا تھا۔

"ایسی کیا بات ہے جو تم مجھے نہیں بتانا چاہتے۔" حیدر کچھ دیر کے بعد بولا تو اس کا لہجہ نرم تھا، شاہ زین کا ہاتھ رک گیا۔

"ایسی کوئی خاص بات ہے ہی نہیں تو پھر بتاؤں کیا؟ بس معمول کے مطابق پاپا سے اور رخشندہ ناز سے لڑائی ہوگئی تھی اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔" شاہ زین نے ٹالتے ہوئے کہا، حیدر جانتا تھا کہ کوئی معمولی بات نہیں تھی لیکن غیر معمولی کیا تھا کوئی بھی اسے نہیں بتا رہا تھا۔

"زین کیا تم اور ماما آپس کی اس لڑائی کو ختم نہیں کر سکتے؟ کب تک چلے گی یہ دشمنی؟" حیدر بے بسی سے بولا۔

"جب تم جانتے ہو کہ اس کا کوئی اینڈ نہیں پھر پوچھتے کیوں ہو؟" شاہ زین صاف گوئی سے بولا، حیدر نے شاہ زین کے چہرے پر جھلکتی نفرت کو دیکھا جو رخشندہ ناز کے ذکر کے ساتھ ہی آجاتی تھی، نفرت کی ایسی ہی چنگاریاں اس نے ماما کے دل میں شاہ زین کے لئے محسوس کی تھی، عجیب بات تھی کہ اگر حیدر کو کوئی برا کہہ دے تو وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا تھا، لیکن حیدر کی ماں کے لئے اپنے اندر ذرہ برابر بھی ہمدردی محسوس نہیں کرتا تھا، رخشندہ ناز کے ذکر کے ساتھ ہی منہ کا ذائقہ کڑوا ہو گیا، شاہ زین کے نوالہ منہ میں ڈالا لیکن وہ حلق میں ہی پھنس گیا۔

"غلام نبی پانی دے کر ہی نہیں گیا۔" حیدر نے دیکھا ٹرے میں پانی موجود نہیں تھا۔

"غلام نبی...... غلام نبی۔" حیدر نے بیٹھے بیٹھے ملازم کو آوازیں دیں۔

"میں خود لے آتا ہوں غلام نبی شاید ادھر نہیں ہے۔" حیدر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا، شاہ زین نے کمرے سے باہر نکلتے حیدر کو دیکھا۔

"کیا میں حیدر کی خاطر بھی اس دشمنی کو ختم نہیں کر سکتا؟" اس نے خود سے سوال کیا۔

"شاید کبھی نہیں یہ نفرت میرے اپنے بس میں نہیں ہے۔" اسے اپنے اندر سے آواز اٹھتی محسوس ہوئی، اس نے بے بسی سے کھانے کی ٹرے پر نظریں جمادیں۔

☆☆☆

پچھلے تین دن سے حیدر کالج نہیں آرہا تھا، طبیعت تو اس کی اپنی بھی کچھ ٹھیک نہیں تھی لیکن وہ اس کے باوجود کالج آرہی تھی، حیدر کی کالج میں غیر حاضری شہربانو کو پریشان کررہی تھی، شاہ زین

کے بارے میں طرح طرح کے برے خیالات اس کی پریشانی میں مزید اضافہ کررہے تھے، کئی بار حیدر کا نمبر ڈائل کیا لیکن بیل جانے سے پہلے ہی کال ڈسکنیکٹ کر دی، وہ اس دن سے غیر ارادی طور پر شاہ زین کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی، بالآخر اس نے ہمت کرکے حیدر کا نمبر ڈائل کیا، بیل جارہی تھی لیکن حیدر فون نہیں اٹھا رہا تھا، شہر بانو کو مزید پریشانی نے گھیر لیا، اس نے ایک بار پھر نمبر ڈائل کیا، فون کب سے بج رہا تھا لیکن وہ اپنی سوچوں میں اتنا گم تھا کہ اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا، اچانک اس کی سوچوں کی ڈوری کمزور ہوئی تو اسے اپنے اردگرد کی خبر ہوئی حیدر کا فون بج رہا تھا، لیکن اس کے اٹھانے سے پہلے ہی بند ہوگیا، تھوڑی ہی دیر بعد فون پھر سے بجنے لگا، شاہ زین نے دروازے کی طرف دیکھا حیدر نہیں آرہا تھا شاید کسی کی اہم کال ہو جو بار بار فون کر رہا ہے، شاہ زین نے ایک لمحہ سوچا اور پھر نمبر دیکھے بغیر ہی فون اٹھالیا۔

''ہیلو۔'' شاہ زین نے موبائل کان سے لگایا۔

''ہیلو حیدر تم کال کیوں نہیں پک کررہے سب خیریت ہے نا؟ تمہارا بھائی کیسا ہے اب؟'' شہر بانو پریشانی سے بولی۔

''میں شاہ زین بات کررہا ہوں۔'' شاہ زین جواباً بولا، دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔

''ہیلو۔'' شاہ زین بولا لیکن دوسری جانب سے فون کاٹ دیا گیا تھا، شاہ زین نے فون پر نام دیکھا، شہر بانو کا نام اور نمبر تھا شاہ زین نے حیدر کے فون سے شہر بانو کا نمبر اپنے نمبر پر سینڈ کیا اور فون واپس رکھ دیا، اتنی دیر میں حیدر بھی پانی لے کر کمرے میں آچکا تھا۔

''ابھی تمہارے نمبر پر شہر بانو کی کال آرہی تھی میں نے پک کرلی۔''

''پھر کیا کہا اس نے؟'' حیدر نے جگ سے پانی گلاس میں ڈالا اور شاہ زین کو تھمایا، شاہ زین نے پانی پی کر گلاس واپس رکھ دیا۔

''شاید اسے میرا نام پسند نہیں آیا، میں نے کہا کہ میں شاہ زین بات کررہا ہوں تو اس نے فون ہی کاٹ دیا۔''

''سر پر گہری چوٹ کی وجہ سے تمہارا بہت خون بہہ گیا تھا تمہیں ایمرجنسی میں خون کی ضرورت تھی اور جانتے ہو خون کس نے دیا؟''

''کس نے؟'' شاہ زین کو حیدر کی بات بہت ہی فضول لگی اس وقت شہر بانو کا ذکر چل رہا تھا اور وہ کوئی اور بات کررہا تھا۔

''شہر بانو نے۔'' حیدر کے بتانے پر شاہ زین نے حیران کن نظروں سے حیدر کی طرف دیکھا تو حیدر نے سر ہاں میں ہلا کر اپنی ہی بات کی تصدیق کی، اس رات اس نے شہر بانو کو شکریہ کہنے کے لئے فون کیا۔

''ہیلو۔'' شہر بانو گیلے بالوں کو تولیے سے آزاد کرتے ہوئے بولی، سارے دن کی پریشانی کے بعد وہ پرسکون اور گہری نیند سونا چاہتی تھی۔

''کون بات کررہا ہے؟'' اس نے تولیہ بیڈ پر رکھا اور دیوار کے ساتھ لگے فل سائز آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

''شاہ زین بول رہا ہوں۔'' شاہ زین کا نام سن کر اس کا بالوں میں چلتا ہوا ہاتھ رک گیا۔

''میں نے آپ کو شکریہ کہنے کے لئے فون کیا تھا۔''

''شکریہ کس بات کا؟'' وہ ایک لمحہ رک کر بولی اور آئینے میں ایک نظر خود کو دیکھا پھر آئینے

ہوئے بولی۔

''زاویہ۔'' ابا نے کتاب کو بند کر کے عنوان پڑھا۔

''بہت اچھی کتاب ہے تم بھی پڑھنا۔''

''جی ابا۔'' شہربانو نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''کچھ کہنا ہے؟'' ابا نے اسے ہاتھ مسلتے ہوئے غور سے دیکھا اور پوچھا تو شہربانو نے ہاں میں سر ہلا دیا، اماں بھی نماز پڑھ چکی تھیں انہوں نے جائے نماز تہہ کر کے ایک طرف رکھا اور بیڈ کے کنارے پر آ کر ٹک گئیں، شہربانو نے دھیرے دھیرے بولنا شروع کیا اور اماں ابا کو حقیقت بتانے لگی، ابا اور اماں نے خاموشی سے اس کی بات سنی، بات سننے کے بعد ابا کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے، اماں نے ابا کی طرف دیکھا جو بالکل خاموش تھا اور پھر شہربانو سے کہنا شروع کیا۔

''اگر تم دونوں کے درمیان ایسی کوئی بات ہے تو اسے کہو اپنے بڑوں کو ہمارے گھر بھیجیں اور تم ان سے نہ ملا کرو۔'' اماں سنجیدگی سے بولیں۔

''ابا آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے نا۔'' شہربانو نے ابا سے کہا تو ابا نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں بلکہ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم نے ہم سے جھوٹ نہیں کہا۔''

''ہمیں تم پر مکمل اعتماد ہے۔'' ابا نے اٹھ کر شہربانو کے سر پر ہاتھ رکھ دیا، اپنے کمرے میں آ کر اس نے سب سے پہلے شاہ زین کو کال کی اور اماں کی کہی ہوئی بات بتائی۔

''میں آج ہی بلکہ ابھی پاپا سے بات کرتا ہوں۔'' شاہ زین کی بات پر شہربانو کو تسلی ہو گئی تھی وہ مسکرا دی۔

☆☆☆

شہربانو نے اسے اپنے ابا اماں کی کہی ہوئی بات بتائی تو اس نے شہربانو کو پورا یقین دلایا تھا کہ اس کے پاپا جلد ہی اس کے گھر آئیں گے کیونکہ وہ خود پر یقین تھا، شہربانو سے مختصر بات کے بعد اس نے فون بند کر دیا اور پاپا سے بات کرنے سٹڈی روم میں چلا آیا، یہاں پاپا اکیلے تھے اور وہ رخشندہ ناز کے سامنے پاپا سے اس موضوع پر بالکل بھی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''پاپا مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔''

''کرو۔'' پاپا نے بک شیلف پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

''پاپا میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا؟'' پاپا نے غیر یقینی انداز میں کہا۔

''جی پاپا شہربانو بہت اچھی لڑکی ہے حیدر کی کلاس فیلو ہے پاپا بس آپ کو رشتہ لے کر جانا ہے۔'' شاہ زین بہت جوشیلے انداز میں بتا رہا تھا اسے پورا یقین تھا کہ پاپا اس کی بات مان لیں گے جھگڑے کے باوجود پاپا کے لئے محبت اپنی جگہ تھی، وہ جتنا خود کو باور کرواتا تھا کہ وہ پاپا سے نفرت کرتا ہے پاپا کی محبت اتنی ہی حاوی ہونے لگتی تھی، بس یہ محبت پاپا کے اور رخشندہ ناز کے رویوں سے دب گئی تھی، لیکن مٹی نہیں تھی، اسی دبی ہوئی محبت پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے وہ پاپا سے بات کرنے چلا آیا تھا۔

''ابھی تمہاری شادی کی عمر نہیں ہے ابھی تم اپنا کیرئیر بناؤ۔''

''پاپا میرا ایم بی اے آل موسٹ کمپلیٹ ہو ہی چکا ہے، رپورٹ امپرو ہو چکی ہے پھر مجھے آپ کا بزنس ہی تو سنبھالنا ہے۔''

''لڑکی بیک گراؤنڈ کیسا ہے؟''
''بیک گراؤنڈ کے بارے میں تو زیادہ نہیں جانتا البتہ حیدر بہت اچھی طرح سے جانتا ہے لیکن پاپا وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔''
''حیدر کو بلاؤ۔'' پاپا نے سرد لہجے میں کہا اور موجودہ کتابوں میں سے ایک کتاب اٹھائی۔
''جی پاپا۔'' شاہ زین پاپا کے سرد لہجے پر غور کیے بغیر ہی سٹڈی روم سے باہر نکل گیا اور تھوڑی ہی دیر میں حیدر کو بلا لایا۔
''انکل شہر بانو بہت اچھی لڑکی ہے، شاہ زین اس کے ساتھ خوش رہے گا۔''
''اس کے قصیدے پڑھنا بند کرو اور اس کے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں بتاؤ۔'' پاپا کے کہنے پر حیدر نے شاہ زین کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔
''اس کے ابا ریٹائرڈ فوجی ہیں، آج کل گورنمنٹ گرلز کالج میں سینئر کلرک ہیں جبکہ اس کی اماں ہاؤس وائف ہیں، شہر بانو اکیلی ہی بہن ہے۔''
''شاہ زین تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے، اپنا سٹیٹس دیکھو اور اس لڑکی کا سٹیٹس دیکھو۔'' پاپا غصہ دباتے ہوئے بولے۔
''پاپا مجھے اس کے سٹیٹس سے کیا لینا دینا مجھے شہر بانو سے شادی کرنی ہے اس کے سٹیٹس سے نہیں اور پھر ویسے بھی شادی کے بعد جو میرا سٹیٹس ہوگا وہی اس کا ہوگا۔'' شاہ زین بولا، رخشندہ ناز کو شاہ زین کا سٹڈی روم میں جانا اور پھر حیدر کا بھی بہت تجسس کر رہا تھا وہ بہانے سے چائے لے کر سٹڈی روم میں چلی آئیں۔
''جب کسی سے شادی کی جاتی ہے تو کاسٹ، سٹیٹس سب کچھ دیکھا جاتا ہے۔'' پاپا سخت انداز میں بولے۔
''پاپا وہ ایک خاندانی اور باعزت لڑکی ہے۔'' شاہ زین شہر بانو کے حق بولا۔
''لیکن مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والی۔''
''مڈل کلاس کوئی جرم تو نہیں۔'' شاہ زین نے بحث کی۔
''نہیں جرم نہیں ہے لیکن اپنی اوقات سے اونچے خواب دیکھنا جرم ہے وہ لڑکی تمہیں بے وقوف کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔''
''وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔''
''بے وقوف تو تم پہلے ہی تھے مجھے تم سے یہی توقع ہوسکتی تھی لیکن حیدر تم بھی۔''
''پاپا!'' شاہ زین احتجاجاً بولا۔
''میں کسی ایسی لڑکی کا رشتہ مانگنے کے لئے ہرگز نہیں جاسکتا جو ہماری کلاس سے نہ ہو اور میں جاؤں بھی کیوں؟ پہلے خود کو منوا تو لو میری محبت سے بجے بزنس پر تم اپنی فتح کا جھنڈا گاڑنا چاہتے ہو۔'' پاپا نے تنفر سے کہا۔
''پاپا میں ایسا کچھ نہیں چاہتا۔'' شاہ زین اندر سے ٹوٹ کر رہ گیا، پاپا کی اس بات نے اسے عرش سے فرش پر لا پٹخا تھا، وہ جس محبت اور جس سلطنت سے رخشندہ ناز کو بے دخل کرنا چاہتا تھا آج خود ہی وہاں سے نکال دیا گیا تھا اور نکالنے والا کوئی اور شخص نہیں اس کا اپنا باپ تھا، اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آنے لگا، اسے لگا جیسے وہ اپنا جسمانی توازن کھو بیٹھے گا اور ابھی گر جائے گا، اس نے میز کا سہارا لیا، اس نے غیر یقینی انداز میں پاپا کی طرف دیکھا، آج اس کے اعتماد کی کرچیاں بکھر گئیں تھیں، پاپا کی بات نے اس کا دل توڑ دیا تھا۔
''اور تم ایک بات کان کھول کر سن لو ایسی

کوئی بھی لڑکی میرے خاندان کی بہو نہیں بن سکتی تمہارا تو معیار بھی تمہاری طرح گرا ہوا ہے۔'' پاپا نے حقارت سے کہتے ہوئے کتاب کھول لی، ذلت کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے، اس کی نظروں میں باپ کا بت پاش پاش ہوا تھا یا وہ اپنے باپ کی آنکھوں میں گر گیا تھا، جو بھی ہوا تھا وہ آج اندر سے ٹوٹ گیا تھا، زبان کے سخت گھاؤ اس کی روح پر لگے تھے، اس کا وجود زلزلوں میں تھا۔

''آج تم جیت گئی میں ہار گیا شاہ زین یہ جنگ ہار گیا۔'' شاہ زین نے شکست خوردہ لہجے میں رخشندہ ناز سے کہا۔

''تم ہی کہتے تھے نا میں یہ لڑائی ختم کروں آج یہ لڑائی بھی ختم ہو گئی شاہ زین اپنا سب کچھ ہار گیا۔'' حیدر سے کہتے ہوئے اس نے پاپا کی طرف دیکھا۔

''آج میں اپنا آپ ہار گیا۔'' اس نے نم آنکھوں کی وجہ سے دھندلائے ہوئے منظر کو دیکھا اور مرے مرے قدم اٹھاتا سٹڈی روم سے باہر نکل گیا، حیدر نے اسے پیچھے سے پکارا لیکن جو کچھ وہ سن چکا تھا اس کے بعد اور کچھ نہیں سن رہا تھا، رخشندہ ناز نے شاہ زین کی آنکھوں سے جھانکتی شکست اور ذلت کو دیکھا تھا، وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا جس کو دیکھنے کی خواہش تھی سب کچھ ویسا ہی ہوا تھا جیسا وہ چاہتی تھیں لیکن آج شاہ زین کو شکست تسلیم کرتے دیکھ کر وہ خوشی نہیں ہوئی تھی جو ہونی چاہیے تھی، شاہ زین کو اتنا مایوس اور کمزور آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

☆☆☆

شاہ زین لان میں کرسی پر بیٹھا بچوں کی کاپیاں چیک کر رہا تھا جبکہ سامنے پلاسٹک کی سفید میز پر فرنچ فرائز کی پلیٹ پڑی ہوئی تھی، شام کے چھ بج رہے تھے سورج ڈھل رہا تھا جس کی وجہ سے گرمی میں بھی کافی حد تک کمی ہو گئی تھی۔

''السلام علیکم!'' طیب گیٹ سے اندر داخل ہوا اور لان میں شاہ زین کے سامنے رکھی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

''وعلیکم السلام!'' شاہ زین نے طیب کے سلام کا جواب دیا اور پھر سے کاپی چیک کرنے لگا۔

''کیا چیک کر رہے ہو؟''

''آج کلاس کا ٹیسٹ تھا وہی چیک کر رہا ہوں۔'' طیب نے فرنچ فرائز منہ میں ڈالے اور ایک کاپی اٹھا کر پڑھنے لگا۔

''ویسے کبھی کبھی تو میں ان بچوں کو پڑھاتے ہوئے بہت انجوائے کرتا ہوں، بہت معصوم شرارتیں کرتے ہیں اور کبھی تو اتنا تنگ کرتے ہیں کہ ناک میں دم کر دیتے ہیں۔''

''یہ باتیں تم ابو کے ساتھ کرو تو بچوں کی معصومیت پر اتنا بڑا لیکچر دے دیں گے۔''

''پروفیسر صاحب یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں نا اس لیے، دو دن میری کلاس کو آ کر پڑھائیں تو ان کے ہوش بھی ٹھکانے آ جائیں گے۔''

''انکل پلیز یہ والا انار اتار دیں۔'' عادل دوسری جانب دیوار سے لٹکا انار توڑنے کی کوشش کر رہا تھا، مدد کے لئے شاہ زین کو کہا۔

''یار یہ تمہیں انکل لگتا ہے کیا؟ بھائی بولا کرو۔'' طیب بولا۔

''اور کبھی دیوار کی جان بھی چھوڑ دیا کرو۔''

''اچھا بابا شاہ زین بھائی پلیز یہ والا انار

اتار دیں میں بالکل گرنے والا ہوں۔" عادل ہلکی سی شاخ کا سہارا لئے دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا تھا، شاہ زین نے کاپی میز پر رکھی اور انار اتارنے کے لئے اٹھا۔

"عادل میرے لئے وہ والا موٹا سرخ انار اتارنا۔" پیچھے سے ماہم کی آواز آئی تھی۔

"اپنے لئے اتر نہیں رہا آپ کے...... آو۔" عادل ماہم کو کہنے کے لئے پیچھے مڑا اور دھڑم سے نیچے گر گیا۔

"دیکھا بڑوں کی بات نہ ماننے سے ایسی ہی سزا ملتی ہے۔" دوسری جانب سے ماہم کی آواز ابھری۔

"بڑی تو دیکھو ذرا۔" طیب نے ہنستے ہوئے کہا جبکہ شاہ زین مسکراتا ہوا واپس کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

"تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟" شاہ زین کاپی واپس اٹھاتے ہوئے بولا۔

"بہت اچھی بلکہ نیکسٹ منتھ پروموشن کے چانسز ہیں۔"

"That,s very good."

☆☆☆

ماہم اور عادل دونوں بہن بھائی تھے، طیب کے چچا زاد بھی اور خالہ زاد بھی، ماہم کی امی کی وفات کے بعد طاہرہ آنٹی نے ہی دونوں کی پرورش کی تھی ماہم کی والدہ کی وفات عادل کی پیدائش کے وقت ہوئی تھی، تب ماہم چھٹی جماعت کی طالبہ تھی، طاہرہ آنٹی کے لئے چھوٹی بہن کی وفات کا صدمہ بہت بڑا تھا، انہوں نے بہن کی نشانیوں کو سینے سے لگایا، تب سے لے کر آج تک پروفیسر فراز احمد اور طاہرہ آنٹی نے دونوں کو بالکل طیب کی طرح ہی پیار دیا ہے،

پروفیسر فراز احمد کے بڑے بھائی اور ماہم اور عادل کے والد سجاد احمد عرصہ دراز سے دوبئی میں مقیم ہیں، باقاعدہ طور پر تو نہیں لیکن زبانی کلامی طیب اور ماہم کی بات بچپن سے ہی طے ہے اور یہ سب جانتے ہیں، شروع شروع میں تو اتنی بے تکلفی نہیں تھی لیکن پھر آہستہ آہستہ خود ہی بے تکلفی بڑھتی گئی اور شاہ زین سب کے بہت قریب ہوتا چلا گیا، اب تو ایسے لگتا تھا کہ وہ ہمیشہ سے ان کے ساتھ ہی رہتا رہا ہو۔

ماں کی محبت کیسی ہوتی ہے؟ باپ کی شفقت کیا ہے، بھائی کا ساتھ کیسا ہوتا ہے؟ اور بہن کا پیار کیسا ہوتا ہے اسے اب پتہ چلا تھا، جن رشتوں کی کمی وہ ہمیشہ سے اپنے اندر محسوس کرتا تھا، کچھ کم ہوئی تھی تشنگی پھر بھی تھی، ایک خلش تھی کہ کاش پاپا میرے بارے میں ایسے نہ سوچتے، میری ماما آج زندہ ہوتیں کاش میرا گھر بھی ایسا ہی ہوتا۔

☆☆☆

"شاہ زین تم اتنی جلدی مایوس کیوں ہو جاتے ہو؟"

"جلدی نہیں پورا ایک سال ہو گیا ہے۔"

"کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہوتا ہے۔"

"لیکن میں ٹیچنگ نہیں کچھ اور کرنا چاہتا ہوں مجھے بچوں کو اے بی سی نہیں پڑھانی یہ میری فیلڈ نہیں ہے میں خود کو یہاں بہت مس فٹ فیل کرتا ہوں، مجھے اپنی فیلڈ میں رہ کر کچھ کرنا ہے، لیکن اب تو مجھے لگتا ہے کہ میں کبھی بھی کچھ نہیں کر سکتا، پتہ نہیں کبھی شہر بانو کو پا بھی سکوں گا یا نہیں، حیدر سے کبھی دوبارہ کبھی مل بھی سکوں گا کہ نہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو ایک سال بہت ہوتا

ہے لیکن اللہ ہمارے لئے وہی کرتا ہے جو ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے تم پلیز پریشان نہ ہوا کرو اللہ جلد ہی کوئی راستہ دکھائے گا تم بس اللہ پر یقین رکھو۔'' طیب سمجھاتے ہوئے بولا تو شاہ زین نے صوفے پر بیٹھے ہوئے سر کو جھکا دیا۔

''اللہ کرے۔'' شاہ زین نے مایوسی کے سمندر میں امید کا سہارا لینے کی کوشش کی۔

''چھوڑو ان سب باتوں کو یہ باتیں تو زندگی کے ساتھ چلتی ہی رہتی ہیں اللہ سب بہتر ہی کرے گا تم پلیز چائے تو پلاؤ۔'' طیب نے موضوع بدلنے کی غرض سے کہا۔

''ابھی لاتا ہوں۔'' شاہ زین اٹھ کر کچن میں چلا گیا۔

''ویسے ایک بات ہے تم اس ایک سال میں بہت اچھے کک بن گئے ہو۔'' طیب پیچھے سے بولا۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' شاہ زین نے فریج سے دودھ کا جگ نکالتے ہوئے کہا۔

''ماہم کہہ رہی تھی کہ شاہ زین بھائی چکن کڑاہی بہت اچھی بناتے ہیں میں ان سے کہوں گی پلیز مجھے بھی سکھا دیں تو دوست تم پلیز اسے چکن کڑاہی بنانا سکھا دینا میرا بھی بھلا ہو جائے گا۔'' طیب کے کہنے پر شاہ زین نے کھل کر قہقہہ لگایا اور چائے کا پانی ابلنے کے لئے رکھا۔

''ویسے ایک آئیڈیا ہے میرے پاس۔'' طیب کچن کے دروازے میں اکھڑا ہوا اور چوکھٹ سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

''وہ کیا؟''

''شکل صورت بھی بہت اچھی ہے کوکنگ بھی اعلیٰ کرتے ہو کسی ٹی وی چینل پر کوکنگ شو اسٹارٹ کر دو، دولت بھی شہرت بھی۔''

''آئیڈیا تو اچھا ہے۔'' شاہ زین نے طیب کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تبھی ڈور بیل بجی۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' طیب کہتا ہوا باہر چلا گیا۔

''پھر کسی بچے کی بال گر گئی ہوگی۔'' شاہ زین چائے بناتے لگا۔

''کون تھا؟'' شاہ زین چائے کے کپ لئے لاؤنج میں آ گیا تھا، طیب آرام سے صوفے پر بیٹھا چینل سرچنگ کر رہا تھا، پوسٹ مین یہ لیٹر دے کر گیا ہے۔

''لیٹر۔'' شاہ زین چائے کے کپ میز پر رکھتے ہوئے بولا اور طیب کے ہاتھ سے لفافہ پکڑ لیا اور اسے کھولنے لگا، طیب اسی کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے جیسے وہ لیٹر پڑھ رہا تھا، اس کے چہرے پر خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات ابھر رہے تھے۔

''مجھے جاب مل گئی ہے۔'' شاہ زین خوشی سے طیب کے گلے لگ گیا، اسے پتہ ہی نہ چلا کب اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، اسے پہلی بار آنکھوں میں خوشی کی وجہ سے امڈتے آنسوؤں کا احساس ہوا تھا، کبھی کسی چیز کے لئے اتنا انتظار جو نہیں کرنا پڑا تھا۔

''شاہ زین بیٹا بہت بہت مبارک ہو۔'' پروفیسر صاحب کو پتہ چلا تو وہ مبارک دینے چلے آئے، رشید چاچا، خالہ ثریا، نسرین غرض محلے میں جس کو جب پتہ چلا مبارک دینے چلا آیا، اس دوران اس نے ایک نیا تجربہ کیا تھا کہ دوسروں کی خوشی میں خوش رہ کر بھی خوشی مل سکتی ہے، رشید چاچا اسے مبارکباد دینے آئے تو ان کے لہجے میں ایسی خوشی کی آمیزش تھی کہ جیسے شاہ زین کو نہیں ان

کے اپنے بیٹے کو اچھی نوکری مل گئی ہو، ان دنوں اس نے زندگی میں ایک اور سبق سیکھا کہ احساس کے رشتے زیادہ خوبصورت ہوتے ہیں، اگر خون کے رشتوں میں احساس نہیں تو رشتے صرف نام کے رہ جاتے ہیں، بے معنی سے، ماہم نے سنا تو گلاب جامن بنانے چل دی۔

''خوشی کی خبر ہے منہ میٹھا ہونا چاہیے۔''

''شاہ زین بھائی بہت بہت مبارک ہو آخر آپ کی بھٹکی روح کو بھی چین مل ہی گیا۔'' عادل دیوار پر لٹکے ہوئے بولا۔

''تھینک یو۔'' شاہ زین مسکرا دیا۔

☆☆☆

وہ گھٹنوں کے بیٹھے آہستہ آہستہ قبر کی مٹی پر ہاتھ پھیر رہا تھا، وہ تقریباً ہر روز صبح کی سیر کے بعد یہاں آتا تھا، کچھ دیر کے لئے یونہی قبر کے پاس بیٹھ جاتا اور اپنی ماما سے باتیں کرتا، یہاں ان کی موجودگی کو محسوس کرتا، لیکن آج اپنی جاب کے پہلے دن ہی اسے صبح جلدی اٹھنے میں دیر ہو گئی تھی اور وہ ناشتہ کئے بغیر ہی آفس چلا گیا تھا جس کی وجہ سے آج صبح قبرستان نہیں آسکا تھا، آفس ٹائم کے بعد وہ سیدھا یہیں آیا تھا۔

یہاں آ کر اسے ہمیشہ یہ خیال اداس کر دیتا تھا کہ اس کی ماما اس مٹی کے نیچے ہیں، لیکن آج اداسی سوا تھی، آج اسے خوش ہونا چاہیے تھا لیکن آج اس کے دل پر زیادہ بوجھ تھا، وہ ہمیشہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے اس ویران قبرستان میں آتا تھا کچھ دیر یونہی گزارتا، ماں کی موجودگی کو محسوس کرتا اور پھر واپس چلا جاتا، لیکن آج نجانے ایسی کیا بات تھی کہ دل کا بوجھ بڑھتا ہی جا رہا تھا، وہ آج بھی خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا، اس کی آنکھیں بھر آئیں، آج اس کی جاب کا پہلا دن تھا آج اس نے کامیابی کی سیڑھی پر پہلا قدم رکھا تھا لیکن آج اس کے پاس کوئی نہیں تھا، وہ حیدر کے گلے لگنا چاہتا تھا، وہ شہربانو کو یہ خبر سنا کر اس کے تاثرات پڑھنا چاہتا تھا۔

''ماما اگر آج آپ ہوتیں تو کیا میں اتنا اکیلا ہوتا؟'' وہ قبر پر بکھیرے پھولوں کو مزید بکھیرتے ہوئے سوالیہ انداز میں بولا آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ گرا اور قبر کی مٹی میں جذب ہو گیا۔

''اگر آج آپ ہوتیں تو کیا میں پاپا کے لئے اتنا ناپسندیدہ اور قابل نفرت ہوتا، کیا آج شہربانو مجھ سے اتنی ہی دور ہوتی، اگر آپ ہوتیں تو رخشندہ ناز کبھی بھی پاپا کی زندگی میں نہیں آتی ماما آپ کیوں چلی گئیں۔''

''لیکن اگر رخشندہ ناز پاپا کی زندگی میں نہ آتی تو میں حیدر سے کیسے ملتا وہ میرا اتنا اچھا دوست کیسے بنتا، ماما آپ تو جانتی ہیں حیدر بہت اچھا ہے بہت ہی اچھا لیکن وہ بھی تو میرے پاس نہیں ہے۔'' اس کی آنکھیں متواتر برسنے لگیں اور آنسو قبر کی مٹی میں جذب ہوتے رہے، وہ یونہی بے آواز رونے میں مصروف تھا جب اسے اپنے کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا، شاہ زین نے سر اٹھا کر پیچھے دیکھا حیدر بالکل اس کے پیچھے کھڑا تھا، شاہ زین ایک لمحے کو یقین نہ کر سکا کہ واقعی ہی حیدر اس کے سامنے کھڑا ہے، حیدر نے اس کی کندھے پر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کی تو وہ بے چینی سے اس کے گلے لگ گیا، حیدر نے بھی اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا تھا۔

''ایسا کرتے ہیں۔'' حیدر ناراضگی سے بولا، شاہ زین کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیوں رو رہا ہے، حیدر کے یوں اچانک سامنے آ جانے

پر یا پھر کوئی اور وجہ وہ اپنے ان بہتے آنسوؤں کی وجہ نہیں جان سکا تھا۔

"کہاں تھے تم؟ تمہیں پتہ ہے میں نے کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تمہیں۔" حیدر نے شاہ زین کو خود سے الگ کرتے ہوئے ناراضگی سے کہا تو شاہ زین نے اپنے آنسو صاف کیے اور مسکرا دیا لیکن اگلے ہی لمحے اس نے ایک بار پھر حیدر کو اپنے گلے لگا لیا، اس لمحے میں حیدر نے خود کو بہت کمزور محسوس کیا تھا، اس کی آنکھیں چھلکنے کو تیار تھیں، عجیب جنونی انسان تھا جو پیار بھی انتہا کا کرتا تھا اور خود ہی جدائیاں پیدا کرتا تھا، حیدر نے اپنی آنکھیں رگڑیں۔

"اچھا اب یہ ایموشنل سین ختم کرو۔" حیدر نے مسکرانے کی کوشش کی تو شاہ زین حیدر سے الگ ہو گیا شاہ زین نے مسکرا کر قبر کی طرف دیکھا، اسے پورا یقین تھا کہ خاک تلے سوئی اس کی ماں بھی مسکرائی ہوگی۔

"کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تمہیں پچھلے چار مہینوں سے مسلسل یہاں آتا رہا ہوں لیکن مجھے تو یہ بھی یقین نہیں تھا کہ تم اس شہر میں بھی ہو یا نہیں۔" شاہ زین کے ساتھ قبرستان سے باہر آتے ہوئے حیدر نے شکوہ کیا۔

"چلو میں تمہیں اپنا گھر دکھاؤں۔" شاہ زین حیدر کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

☆☆☆

"چائے بنانی بھی سیکھ لی ہے۔" شاہ زین نے چائے کا کپ حیدر کو تھمایا تو حیدر نے کپ پکڑتے ہوئے کہا۔

"اور بھی بہت کچھ سیکھ لیا ہے۔" شاہ زین اس کے برابر سیڑھی پر آکر بیٹھ گیا اور سامنے لان میں لگے گلاب کے پھولوں پر نظریں جمائے ہوئے سنجیدگی سے بولا، حیدر نے بغور شاہ زین کو دیکھا، وہ بہت بدل گیا تھا سنجیدگی پہلے بھی اس کی طبیعت کا خاصہ تھی لیکن کچھ تو تھا اس کی شخصیت میں جو حیدر کو بہت نیا لگا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"

"تم کتنا بدل گئے ہو۔" حیدر شاہ زین کے چہرے پر نظریں جمائے بولا شاہ زین کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی۔

"بابا کیسے ہیں؟"

"خوش نہیں ہیں۔" حیدر کے کہنے پر شاہ زین نظریں چرا گیا ایک رنگ اس کے چہرے پر آکر گزر گیا۔

"اور شہر بانو کیسی ہے؟" شاہ زین کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بولا۔

"پتہ نہیں۔" حیدر چائے پر نظریں جمائے ہوئے بولا، شاہ زین نے حیدر کی جھکی ہوئی نظروں کو دیکھا کوئی الجھی ہوئی تحریر اس کے چہرے پر رقم تھی جو اسے کسی انہونی کا احساس دلا رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" شاہ زین نا سمجھتے ہوئے بولا۔

"تم تو ہماری زندگیوں سے ایسے خاموشی سے نکل گئے تھے جیسے تمہاری غیر موجودگی سے کسی کو کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو۔"

"کچھ لوگوں کی موجودگی اور غیر موجودگی ایک برابر ہوتی ہے اور شاید میں بھی انہی لوگوں میں سے ہوں۔"

"تم نے خود ہی یہ کیسے سوچ لیا کہ تم ان غیر اہم لوگوں میں سے ہو خود کو اتنا غیر اہم کیوں سمجھتے ہو کبھی واپس لوٹ کر ہماری زندگیوں میں دیکھو

تمہارے بعد کیسی بدل گئی ہیں۔''
''تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو شہر بانو تو ٹھیک ہے نا۔'' شاہ زین بے چینی سے بولا، حیدر نے ایک نظر شاہ زین کے چہرے پر چھلکتی بے چینی اور پریشانی کو دیکھا اور پھر سے سر جھکا لیا اور آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا۔
''جب مجھے پتہ چلا کہ تم گھر چھوڑ کر جا چکے ہو میں نے سب سے پہلے شہر بانو سے رابطہ کیا کہ تم اگر مجھے نہیں تو یقیناً شہر بانو کو ضرور بتا کر گئے ہو گے اسے تمہارے بارے میں ضرور کوئی خبر ہوگی لیکن تم اسے بھی کچھ نہیں بتا کر گئے تھے، میں نے تمہیں بہت ڈھونڈا، کس کس سے ہیلپ نہیں لی لیکن تمہارا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا، اس سلسلے میں میرے شہر بانو کی طرف چکر بھی لگتے رہتے تھے، اسے جب بھی تمہارے بارے میں کہیں سے بھی پتہ چلتا وہ مجھ سے شیئر کرتی لیکن ہمیں ہر طرف سے مایوسی ہی ہوئی۔''
''شاہ زین لوگ بہت ہی برے ہوتے ہیں بہت ہی برے۔'' حیدر نے شاہ زین کی طرف دیکھتے ہوئے دکھ سے کہا، شاہ زین کو حیرت ہوئی وہ تو ہر چیز میں اچھائی ڈھونڈنے کا قائل تھا پھر اس کے منہ سے ایسے الفاظ حیرت کی ہی تو بات تھی، وہ حیدر سے پوچھنا چاہتا تھا کہ لوگوں سے اتنی نفرت کیوں لیکن کچھ بھی نہیں پوچھ سکا خاموشی سے حیدر کے بدلتے رنگوں کو دیکھتا رہا کچھ تو تھا جو بہت غیر معمولی تھا ورنہ آج سے پہلے اس نے حیدر کو اتنا دکھی کبھی نہیں دیکھا تھا، کچھ لمحے یونہی خاموشی سے سرک گئے اور ان خاموش لمحوں میں حیدر بہت تکلیف دہ سفر طے کر آیا تھا۔
''ایک شام مجھے حفیظ کی کال آئی کہ اس نے تمہیں بینک میں جاتے دیکھا ہے، اس وقت میں اور شہر بانو فائنل پراجیکٹ پر کام کر رہے تھے فوراً سے بینک پہنچے لیکن تم وہاں نہیں تھے ہم نے ارد گرد بہت ڈھونڈا۔'' شاہ زین نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ وہ آخری بار بینک کب گیا تھا لیکن اسے یاد نہیں آیا، یاد آیا تو اتنا کہ جو رقم اس کے پاس تھی وہ گھر چھوڑنے کے چند ہفتوں بعد ہی ختم ہو گئی تھی، آخری بار جب اس نے بینک سے رقم نکلوائی تھی تو وہ بہت شروع کے دن تھے۔
''لیکن تم جا چکے تھے میں اور شہر بانو واپس گاڑی تک آ رہے تھے۔ ہم روڈ کراس کر رہے تھے جب ایک تیز رفتار بائیک نے شہر بانو کو ہٹ کیا اور تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی اسے کوئی بیرونی چوٹ نہیں آئی تھی البتہ سر پر کوئی چوٹ آئی جس سے وہ بیہوش ہو گئی، جب میں اسے لے کر ہاسپٹل پہنچا ڈاکٹر بھی مایوس تھے۔'' شاہ زین نے بے چینی سے پہلو بدلا۔
''وہ ایک دن اور اگلی پوری رات بے ہوش رہی تھی پریشانی میں مجھے خیال ہی نہیں آیا کہ میں شہر بانو کے گھر اطلاع کروں میرا موبائل بھی گاڑی میں بند پڑا تھا، پتہ نہیں کیوں اس دن میری عقل نے کام کیوں نہیں کیا اور میں نے اس کے گھر انفارم کیوں نہیں کیا، شہر بانو کے ابا مجھے کالز کرتے رہے لیکن میرا نمبر بند تھا، انہوں نے انکل حسن سے بھی رابطہ کیا لیکن گھر میں کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ میں کہاں ہوں؟ اگلے دن شہر بانو کو ہوش آیا، ڈاکٹرز بھی تقریباً مایوس ہی ہو چکے تھے کوئی معجزہ ہی تھا جو شہر بانو کو زندگی مل گئی۔'' شاہ زین کو پچھتاوا ہونے لگا کہ اس کی وجہ سے اس کے چاہنے والوں کو اتنی مصیبتیں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔
''جب میں شہر بانو کو لے کر گھر پہنچا تو

صورتحال بہت سنگین تھی غلطی میری ہی تھی مجھے انفارم کرنا چاہیے تھا، لیکن میرا دماغ بالکل بند ہو چکا تھا۔" ضبط کی وجہ سے حیدر کی آنکھیں لال ہونے لگی تھیں۔

"نام نہاد عزت دار لوگوں نے کچھ بھی کہے سنے بغیر میرے اور شہربانو کے کردار پر بہت کیچڑ اچھالا تحقیق کیے بغیر ہی اندازے لگاتے رہے اور ہماری زندگیوں کو بہت مشکل بنا ڈالا میرے اور شہربانو کی دوستی کے رشتے کو شک کی نظر سے دیکھا۔" حیدر نے لمبی سانس لے کر آنسو اندر کھینچ لئے۔ حیدر نے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

"مجھے تمہارے اور شہربانو کے کردار کے لئے کسی اور کی گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔" شاہ زین نے بازو پھیلا کر حیدر کو اپنے ساتھ لگا لیا، اس نے حیدر کے لئے یہ تسلی کے بول کیسے بولے تھے نہ وہی جانتا تھا اسے اپنا آپ گھپ اندھیرے میں گم ہوتا محسوس ہوا، وہ شہربانو سے دور رہا تھا تو اس لئے کہ وہ اسے ہمیشہ کے لئے اپنا بنانا چاہتا تھا خود کو مالی طور پر اتنا مضبوط کرنا چاہتا تھا کہ جب وہ شہربانو کے والد سے شہربانو کا ہاتھ مانگے تو انکار کی کوئی وجہ باقی نہ رہے اگر حیدر سے رابطہ نہیں کیا تھا تو وجہ حیدر کا بہترین مستقبل تھا لیکن اس کی ساری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ گئی تھی، اوپر بیٹھے خدا کے کھیل زمین پر رہنے والے انسانوں کی سمجھ سے بالاتر ہی ہوتے ہیں۔

"تمہیں نہیں لیکن دوسروں کو ضرورت تھی میں شہربانو کے مضبوط کردار کی گواہی آگ پر چل کر بھی دے سکتا ہوں لیکن کسی کو میری گواہی کی ضرورت نہیں تھی، انہوں نے میرے اور شہربانو کے کردار پر کیچڑ اچھالنا تھا سو وہ انہوں نے اچھالا۔"

"تم نے اس کے بعد شہربانو سے رابطہ نہیں کیا؟"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے رابطہ نہیں کیا ہوگا؟"

"میں نے رابطہ کیا لیکن اس کا نمبر بند تھا جو بھی تھا شہربانو میری غلطی کی وجہ سے بدنام ہوئی تھی میں ہی اس کے کردار کی پاکیزگی ثابت کرنا چاہتا تھا لیکن جب میں شہربانو کے گھر گیا تو وہاں تالا پڑا ہوا تھا، آج تک ہے، شہربانو اپنے والدین کے ساتھ کہاں گئی کچھ خبر نہیں۔" حیدر کے چہرے پر دکھ اور بے بسی کے ملے جلے تاثرات نمایاں تھے، شاہ زین کا ہاتھ کانپا اور کپ سے چائے چھلک کر نیچے جا گری، اسے لگا کہ وہ اب تک بے مقصد بے مطلب بھاگتا رہا ہو، جیسے پانے کے لئے اس نے زمانے کی مشکلات سہی ہوں مالی مسائل کا سامنا اس امید پر کیا ہو کہ اگلی منزل پر شہربانو اسے اپنی منتظر ملے گی اور پھر زندگی کا سفر وہ اکٹھے طے کریں گے، کانٹوں سے اپنا دامن بچائیں گے اور مل کر پھول چن کر اپنے آنگن میں سجائیں گے لیکن اس نے اپنی منزل خود ہی کھو دی تھی، اپنے جذباتی پن کی وجہ سے ایک بار پھر نقصان اٹھایا تھا، خود بھی بے چین ہوا تھا اور اپنے چاہنے والوں کو بھی پریشان کیا تھا، اس نے خالی خالی نظروں سے حیدر کے جھکے سر کو دیکھا، اس کی آنکھیں جلنے لگیں اس کی حالت ایک ایسے مسافر کی سی تھی جو سفر تو طے کرتا رہا ہو لیکن ہم سفر کے بغیر۔

☆☆☆

"شاہ زین بھئی کہاں ہو تم جب سے تم نے یہ جاب سٹارٹ کی ہے نظر ہی نہیں آتے۔" طیب

لاؤنج میں داخل ہوا تو سامنے شاہ زین کو دیکھتے ہوئے بولا اور صوفے پر آکر بیٹھ گیا، شاہ زین ٹانگیں میز پر رکھے صوفے پر نیم دراز چینل سرچنگ میں مصروف تھا جبکہ دھیان کہیں اور ہی تھا طیب کی آواز پر چونک گیا ریموٹ میز پر رکھا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''کہیں تمہیں یہیں تھا۔'' شاہ زین سنجیدگی سے بولا۔

''خیریت تو ہے تم پریشان لگ رہے ہو؟''

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' شاہ زین بولا جبھی گیٹ پر گاڑی کے ہارن کی آواز آئی۔

''ارے کون آگیا؟'' طیب نے ریموٹ میز سے اٹھاتے ہوئے سرسری انداز میں کہا اور چینل سرچنگ کرنے لگا۔

''حیدر ہوگا؟'' شاہ زین نے آہستہ سے بتایا اور اٹھ کر چائے بنانے چلا گیا، طیب نے حیرت سے کچن کی طرف جاتے شاہ زین کو دیکھا۔

''شاہ زین!'' حیدر شاہ زین کو پکارتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا۔

''السلام علیکم!'' طیب نے کھڑے ہوتے ہوئے سلام کیا اور حیدر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''وعلیکم السلام!'' حیدر کی آنکھوں میں ناآشنائی واضح تھی۔

''مجھے طیب کہتے ہیں تم غالباً حیدر ہو۔'' طیب نے مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

''او...... میں حیدر ہوں۔'' حیدر نے گرمجوشی سے طیب کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔

''بہت ذکر سنا ہے شاہ زین اکثر تمہاری باتیں کرتا ہے۔''

''باتیں تو وہ تمہاری بھی بہت کرتا ہے۔'' طیب بھی ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''طیب تھینک یو سو مچ تم نے شاہ زین کا اتنا خیال رکھا۔''

''یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی وہ تو خود ہی اتنا سمجھ دار ہے۔''

''سمجھ دار ہی تو نہیں ہے۔'' حیدر نے مدہم انداز میں افسوس سے کہا طیب نے سن تو لیا تھا لیکن خاموش ہی رہا۔

''خیر تم سناؤ کیا کرتے ہو؟'' حیدر موضوع بدلتے ہوئے بولا۔

''میں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتا ہوں اور تم؟''

''فی الحال تو پڑھائی جاری ہے۔''

''چلو پھر ملاقات ہوگی ابھی میں چلتا ہوں۔'' طیب نے کچن سے نکلتے شاہ زین کو دیکھا اور کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''اتنی جلدی۔'' شاہ زین نے چائے کے کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''چائے تو لی لو۔''

''نہیں پھر کبھی۔'' طیب نے سہولت سے انکار کیا، اگلی چند ملاقاتوں میں حیدر کی بھی طیب سے بہت اچھی دوستی ہوگئی تھی۔

☆☆☆

پچھلے ڈیڑھ مہینے سے عجیب طرح کی قنوطیت اس پر طاری رہنے لگی تھی، جب سے اسے حیدر نے شہربانو کے بارے میں بتایا تھا اس نے شہر کا کونہ کونہ چھان مارا تھا کہ شاید کہیں سے شہربانو کا پتہ مل جائے، کئی بار اس کے پرانے ایڈریس پر بھی جا چکا تھا لیکن دروازے پر وہی قفل پڑا ہوا تھا، نظریں ہر وقت اسے ہی تلاشتی

رہتی، انسان کی خوشیوں کا دورانیہ بہت تھوڑا ہوتا ہے اور جب انسان خوش ہوتا ہے تو لگتا ہے کہ بس اب کبھی کوئی پریشانی نہیں آئے گی اور وہ خوشی کے انہی مختصر لمحات میں زندگی بھر کی منصوبہ بندی کر لیتا ہے لیکن جیسے ہی خوشگوار لمحے اس کی مٹھی سے سرکتے ہیں تو اسے پتہ چلتا ہے کہ اس کی اوقات تو کچھ بھی نہیں، اس کے منصوبے اس کی پلاننگ سب بہت تھوڑے وقت کے لئے ہوتے ہیں اصل پلاننگ تو اوپر بیٹھا اللہ کرتا ہے، شاہ زین کو بھی اپنی خوشیاں بہت مختصر لگ رہی تھیں، جاب کے پہلے دن صبح وہ کتنا خوش تھا بہت عرصے بعد اصل خوشی کو اپنے اندر محسوس کیا تھا، خوشی کے ان چند لمحوں میں اس نے زندگی بھر کے کتنے ہی خواب دیکھ لئے تھے، دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے مڑ کر گیٹ کی طرف دیکھا، پروفیسر صاحب کو اندر آتا دیکھ کر پائپ کیاری میں رکھا اور ان کی طرف بڑھا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! برخوردار کہاں ہوتے ہو آج کل اب تو کافی دن ہو گئے تھے گھر بھی چکر نہیں لگایا۔''

''بس معروفیات ہی کچھ بڑھ گئیں ہیں۔'' شاہ زین نے کرسی کا رخ سیدھا کیا اور پروفیسر صاحب کے بیٹھنے کے بعد خود بھی دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیا لیں گے آپ ٹھنڈا یا گرم۔''

''میں تو دو گھڑی تمہارے پاس بیٹھنے آیا ہوں اتنے دنوں سے ملاقات جو نہیں ہوئی تم ان تکلفات میں نہ پڑو۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔'' شاہ زین جھینپ سا گیا۔

''اور سناؤ کیسے دن گزر رہے ہیں کیا مصروفیات ہیں۔''

''بس گزر ہی رہے ہیں۔'' شاہ زین کے لہجے میں مایوسی آ گئی تھی۔

''زندگی اگر گزاری جائے تو مشکل ہو جاتی ہے اسے جینا سیکھو۔''

''لیکن زندگی جینے کی کوئی وجہ تو ہونا۔''

''زندگی بذات خود جینے کی ایک بہت بڑی وجہ ہے۔''

''اور تم جیسے نوجوان کے منہ سے مایوسی کی باتیں بالکل بھی اچھی نہیں لگتیں۔'' پروفیسر صاحب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور ہلکا سا مسکرائے، پروفیسر صاحب کی باتیں اسے ہمیشہ حوصلہ دیتی تھیں، انہوں نے کبھی اسے باقاعدہ طور پر نہیں سمجھایا تھا اور نہ نصیحت کی تھی، لیکن ان کی باتیں ہی سمجھانے کے لئے کافی ہوتی تھیں، پچھلے ایک سال سے اس نے پروفیسر صاحب سے بہت کچھ سیکھا تھا، شاہ زین ہولے سے مسکرا دیا۔

''آپ کو کچھ تو لینا ہی ہوگا میں ٹھنڈا لے آتا ہوں۔'' شاہ زین نے اٹھتے ہوئے اصرار سے کہا تو پروفیسر صاحب نے اسے بازو سے پکڑ کر بیٹھا رہنے کو کہا، تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد جب پروفیسر صاحب جب اٹھ کر جانے لگے تو گیٹ سے طاہرہ آنٹی اور ان کے پیچھے ماہم گھر میں داخل ہوئی۔

''لو بھئی شاہ زین ہم چلتے ہیں یہاں تو بڑے بڑے لوگ آ رہے ہیں۔'' پروفیسر صاحب نے طاہرہ آنٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو شاہ زین اور ماہم مسکرا دیئے جبکہ طاہرہ آنٹی جھینپ گئیں تھیں۔

"آئیں آنٹی۔" شاہ زین نے اٹھ کر ماہم اور طاہرہ آنٹی کو جگہ دی۔

"تم سب باتیں کرو میں ذرا اپنے ایک دوست کے ہاں جا رہا ہوں۔" پروفیسر صاحب اٹھ کر چلے گئے، طاہرہ آنٹی اور ماہم کے آ جانے سے وہ کچھ مصروف ہوا تھا، تھوڑی ہی طیب بھی آ گیا، عادل نے اپنے گھر کو خالی دیکھا تو دیوار پھلانگ کر آ گیا۔

"لنگور کبھی تو سیدھے رستے سے آ جایا کرو۔" شاہ زین نے عادل سے کہا جو دیوار سے چھلانگ لگاتے ہوئے نیچے گرا تھا اپنی پینٹ سے مٹی جھاڑ رہا تھا۔

"بھائی آپ کو نہیں پتہ میری اس بے چین طبیعت کے پیچھے کیا راز ہے۔" عادل کے انداز پر سب کو ہی ہنسی آ گئی جبکہ عادل پاس ہی بینچ پر بیٹھ گیا۔

"بیٹا ہمیں تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

"کیوں آنٹی کیا ہوا؟" طاہرہ آنٹی کے شکوہ کرنے پر شاہ زین پریشان ہو گیا۔

"اتنے دن ہو گئے ہماری طرف چکر ہی نہیں لگایا، نئی جاب ملتے ہی تم ہمیں بھول گئے ہو۔"

"نہیں آنٹی میں بھلا آپ سب کو کیسے بھول سکتا ہوں بس مصروفیات ہی کچھ بڑھ گئی ہیں۔" شاہ زین نے سابقہ بہانہ گڑھا۔

"شاہ زین بھائی اب آپ شادی کر ہی لیں اگر آپ کہیں تو خالہ امی اور چاچو رشتہ لے کر جا سکتے ہیں کیوں خالہ امی؟"

"ماہم کا آئیڈیا تو برا نہیں پروفیسر صاحب بھی یہیں کہہ رہے تھے بلکہ ہم تو سوچ رہیں کہ طیب اور ماہم کی بھی شادی کر دی جائے ویسے بھی ماہم کے پیپرز ہونے والے ہیں باقی کی پڑھائی بعد میں ہوتی رہے گی۔" طاہرہ آنٹی کی بات پر ماہم نے سر جھکا لیا، طیب نے دلچسپی سے ماہم کے بدلتے رنگ کو دیکھا اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"سجاد بھائی کا فون آیا تھا کہہ رہے تھے اگلے مہینے آئیں گے۔" ماہم کے چہرے پر بکھرے سارے رنگ سجاد احمد کے ذکر کے ساتھ ہی ختم ہو گئے تھے، جب بھی سجاد احمد کا ذکر آتا اس کا ردعمل ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا تھا، بچپن میں پاپا کی وفات کے بعد سجاد احمد نے ہی گھر کو سہارا دیا تھا بہت چھوٹی عمر میں ہی ذمہ داریوں کا بوجھ کندھوں پر آن گرا تھا، انیس سال کی عمر میں دوبئی گئے تھے، واپس لوٹے بھی تو شادی کے لئے، ماہم کی پیدائش شادی کے دس سال بعد ہوئی تھی، ماہم نے سجاد احمد کو اپنی زندگی میں صرف تین بار دیکھا تھا، پہلی بار جب وہ چار سال کی تھی، دوسری بار جب وہ آئے تھے تو پاکستان میں لمبے عرصے تک رہے تھے، تب وہ سب مل کر بہت انجوائے کرتے تھے، وہ ہر شام طیب اور سجاد احمد کے ساتھ پارک جاتی تھی، اس عرصے میں وہ سجاد احمد کے ساتھ بہت مانوس ہو گئی تھی ان کے واپس دوبئی چلے جانے سے وہ ان کی کمی محسوس کرتی تھی اور آخری بار تب جب عادل کی پیدائش اور اس کی ماں کی وفات ہوئی تھی، سجاد احمد کے لئے بیوی کی وفات بہت بڑا دکھ تھا، وہ ایسے پردیس گئے کہ دو بچے بھی واپسی کا سبب نہ بن سکے اور اس لئے بھی کہ ان کے خیال میں بچوں کی ان کے بغیر بھی اچھی تربیت ہو رہی تھی، لیکن ان کی غیر موجودگی نے ماہم اور عادل کی زندگی میں ایک خلا پیدا کر دیا تھا، سجاد احمد کی مصروفیات

بڑھتی چلی گئیں انہیں پردیس راس آگیا، جب بھی کبھی واپس آنے کی کوشش کی کاروباری مصروفیات آڑے آتی رہیں اور فاصلے بڑھتے ہی چلے گئے۔

''سجاد انکل اگلے مہینے واپس آرہے ہیں بڑی اچھی بات ہے۔'' شاہ زین خوشدلی سے بولا۔

''ماہم تم کہاں چلی؟'' طیب ماہم کے تاثرات پڑھ چکا تھا اسے اٹھتا دیکھ کر بولا۔

''میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' ماہم سنجیدگی سے بولی۔

''نہیں تم رہنے دو میں بنا کر لاتا ہوں۔'' شاہ زین نے ماہم کو منع کیا، جو بھی تھا ماہم مہمان اور وہ میزبان تھا اور اسے آداب میزبانی نبھانے آتے تھے۔

''نہیں شاہ زین بھائی میرے ہوتے ہوئے آپ چائے نہیں بنا سکتے۔'' ماہم نے مسکرانے کی کوشش کی اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔

''ساتھ بسکٹ بھی لیتی آنا۔'' طیب نے پیچھے سے ہانک لگائی، اس کے یوں بولنے کا مقصد صرف اور صرف ماہم کا دھیان بٹانا تھا وہ جانتا تھا کہ اب سارا غصہ اس پر ہی نکلے گا۔

''اور کباب بھی۔'' عادل بھی بولا۔

''تم جیسا ندیدہ انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔''

''بھائی میں نے کیا کیا ہے؟'' طیب نے عادل کے سر پر چپت لگائی تو عادل آنکھیں گھماتے ہوئے معصومیت سے بولا۔

''طیب، عادل بیٹا بری بات ہے۔'' طاہرہ آنٹی نے دونوں کو تنبیہی نظروں سے گھورا تو شاہ زین مسکرا دیا، شاہ زین ان کی نوک جھونک سے خوب لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ اتنے میں باہر بیل ہوئی۔

''حیدر ہوگا۔'' شاہ زین نے اٹھتے ہوئے کہا اور گیٹ کھولنے چل دیا۔

''کمینگی کی بھی انتہا۔'' حیدر چہرے پر غصہ سجائے گاڑی سے باہر نکلا لیکن لان میں باقی سب کو دیکھ کر خاموش ہوگیا، حیدر کے یوں چپ کر جانے پر شاہ زین زیرلب مسکرا دیا، وہ جانتا تھا کہ حیدر کو کس بات پر غصہ ہے، کل شام سے حیدر نے اسے کئی بار کال کی تھی اور اس نے کسی بھی کال کا جواب نہیں دیا تھا۔

''السلام علیکم!'' حیدر نے سب کو اجتماعی سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!''

''آنٹی یہ حیدر ہے میرا بہترین دوست اور بھائی بھی۔'' شاہ زین نے طاہرہ آنٹی سے حیدر کا تعارف کروایا۔

''اور حیدر یہ طاہرہ آنٹی ہیں طیب کی والدہ۔''

''تمہارے ہاتھ پر کیا ہوا ہے؟'' شاہ زین نے حیدر کے ہاتھ پر لگے دھبوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''او...... صاف تو کیا تھا، گاڑی کے پاس کھڑا تھا پتہ ہی نہیں چلا کدھر سے گندے آموں کا شاپر گاڑی پر آکر گرا لیکن اللہ کا شکر ہے کپڑے بچ گئے تھے، لیکن ہاتھ گاڑی کے اوپر رکھے تھے گندے ہو گئے۔'' حیدر کے بتانے پر عادل کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''میں ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔'' حیدر اٹھ کر اندر چلا گیا، وہ باہر جانے کی بجائے کچن کی طرف چلا آیا۔

''اب کیا کرنے آ رہے ہیں وہیں رہیں جہاں ہیں مجھے اور عادل کو اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ مسلسل بڑبڑاتے ہوئے چائے بنا رہی تھی۔

حیدر نے دلچسپی سے اسے خود سے باتیں کرتے سنا ،بیٹھی لیکن خفا سی آواز میں وہ خود سے ہی لڑائی کر رہی تھی اس نے اپنے آنسو پونچھے اور چائے کپوں میں ڈالنے لگی۔

ماہم کیبن سے بسکٹ لینے کے لئے مڑی تو اپنے پیچھے کھڑے کسی وجود سے ٹکرا گئی۔

''کک...... کون؟'' اسے یوں کسی کی موجودگی کی توقع نہیں تھی وہ کچھ بوکھلا گئی۔

''میں...... وہ پانی پینے آیا تھا۔'' حیدر نے صفائی دیتے ہوئے کہا اور فریج کی جانب مڑا، اسے یوں اس کے اچانک واپس مڑنے اور پھر اس سے ٹکرا جانے کی امید نہیں تھی، وہ تو کسی ربورٹ کی طرح اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا، ماہم نے جلدی سے چائے کی ٹرے اٹھائی اور کچن سے باہر نکل گئی، جبکہ حیدر نے بھی گہری سانس خارج کی اور زیر لب مسکرا دیا۔

☆☆☆

اس شام وہ دیر تک ماہم کے بارے میں سوچتا رہا تھا، اس کا خود سے خفا سا چہرہ اس کی آنکھوں میں اتر آیا تھا، وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کے بارے میں سوچے جا رہا تھا، رات دیر تک وہ اس کے خیالوں سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا، ایسے جیسے وہی ایک لمحہ آنکھوں میں ٹھہر گیا ہو، اگلی صبح آنکھ کھلتے ہی پہلا خیال اس مہوش کا آیا تھا، حیدر کے لبوں پر ہلکی سے مسکراہٹ آ گئی، کچھ دیر یونہی قالین پر لیٹا رہا اور پھر فریش ہو کر نیچے آ گیا۔

''ناشتہ لے آؤ۔'' ملازم سے کہتا ہوا کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

شاہ زین کے جانے کے بعد شاید ہی اس نے انکل اور مما کے ساتھ ناشتہ کیا ہو گا پہلے بھی زیادہ تر کھانا شاہ زین کے ساتھ مل کر کھاتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ انکل مما کے ساتھ بھی کبھی کبھی کھانا کھا لیتا تھا، لیکن شاہ زین کے جانے کے بعد تو تقریباً چار سے پانچ بار ہی اس نے ڈائننگ ٹیبل پر مما اور انکل کا کھانے میں ساتھ دیا ہو گا، اس نے شاہ زین کی خالی کرسی کو دیکھا، اس سب جائیداد کا اصل وارث سب کچھ چھوڑ کر چلا گیا تھا، اس نے ایک نظر قیمتی فرنیچر اور دیدہ زیب پردوں سے آراستہ گھر پر ڈالی، اسے اپنا آپ بہت چھوٹا لگا، ملازم کب اس کے سامنے ناشتہ رکھ کر گیا اسے پتہ ہی نہیں چلا وہ ناشتہ کئے بغیر ہی اٹھ کر جانے لگا جبھی فون پر بیل بجی، حیدر نے فون اٹھا لیا۔

''ہیلو۔''

''حسن صاحب کی طبیعت اچانک بہت خراب ہو گئی ہے انہیں اس وقت ہاسپٹل لے گئے ہیں۔'' انکل کے آفس سے کسی کا فون تھا۔

''کس ہاسپٹل میں؟'' حیدر نے ہاسپٹل کا نام پوچھا اور ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے ملازم کو آواز دی۔

''غلام نبی مما کو بتا دینا کہ انکل کی طبیعت خراب ہو گئی ہے اور وہ اس وقت سٹی ہاسپٹل میں ہے میں وہیں جا رہا ہوں۔'' ملازم کو اطلاع دے کر وہ جلدی سے ہاسپٹل روانہ ہو گیا۔

''ڈاکٹر صاحب اب انکل کی طبیعت کیسی ہے؟'' وہ اس وقت ڈاکٹر کے روم میں موجود تھا۔

''اب وہ ٹھیک ہیں ان کا شوگر لیول بہت

ہائی ہو گیا تھا کیا کوئی ٹینشن ہے؟''

''ٹینشن؟''

''جی ان کی یہ حالت بہت زیادہ ٹینشن کی وجہ سے ہوئی ہے کوشش کریں کہ انہیں کم سے کم ٹینشن ہو اور وہ ریلیکس رہیں۔''

''میں مل سکتا ہوں؟''

''انہیں روم میں شفٹ کر دیا گیا ہے لیکن خیال رہے کہ مریض زیادہ باتیں نہ کرے۔''

''جی!'' حیدر نے ہاں میں سر ہلایا اور اٹھ کر انکل کے پاس آ گیا، وہ خاموشی سے آنکھیں بند کیے لیٹے تھے۔

''انکل اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' وہ ان کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

''حیدر پلیز میرا ایک کام کرو کہیں سے بھی شاہ زین کو ڈھونڈ لاؤ۔'' وہ حیدر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے التجائیہ انداز میں بولے۔

''انکل وہ نہیں آئے گا۔'' حیدر بے بسی سے بولا وہ شاہ زین کی ضد کو بہت اچھی طرح سے جانتا تھا۔

''تم جانتے ہو کہ وہ کہاں ہے؟'' ان کی آنکھوں میں امید ابھری۔

''جی!'' حیدر کو ان کی امید توڑنا اچھا نہیں لگا تھا، اس نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

''میں جانتا ہوں کہ میں بہت برا ہوں بہت برا کیا میں نے اس کے ساتھ ایک میں اس سے معافی مانگ لوں گا بس تم اسے گھر لے آؤ۔''

''میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔''

''حسن کیا ہوا آپ کو؟'' رخشندہ ناز کمرے میں داخل ہوئیں۔

''کچھ نہیں بس ایسے ہی طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی۔'' انہوں نے اپنے آنسو پونچھ لیے تھے، حیدر نے دیکھا کہ وہ اپنے دکھ رخشندہ ناز سے بھی چھپائے تھے۔

''مما آپ بھی ہار گئیں۔'' حیدر نے سر جھکاتے ہوئے سوچا۔

درد چاہے جتنے بھی چھپائے جائیں آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے چھلک ہی پڑتے ہیں، حسن مراد کی طبیعت بھی اب اکثر خراب رہنے لگی تھی، دکھوں کا بوجھ جو بڑھ گیا تھا، رخشندہ ناز خراب طبیعت اور نم آنکھوں کی وجہ بخوبی جانتی تھیں، حیدر خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔

''حیدر!'' کچھ ہی لمحوں بعد اسے پیچھے سے مما کی آواز سنائی دی، وہ واپس پلٹا۔

''شاہ زین سے کہو کہ وہ لوٹ آئے وہ گھر اس کا ہے۔'' حیدر نے بغور مما کی طرف دیکھا، دل کی بات آنکھوں تک تو آتی تھی لیکن زبان سے ادا نہیں ہوتی تھی۔

''مما اب کیوں اب جب وہ اپنا سب کچھ خود ہی ہار کر جا چکا ہے تو آپ صلح کرنا چاہتی ہیں۔'' حیدر دل کی تلخی زبان پر نہیں لانا چاہتا تھا لیکن دل پر بوجھ اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ بول ہی پڑا۔

''انسانی کی غلطی کی کوئی عمر نہیں ہوتی مجھ سے غلطی ہوئی ہے اسے کہنا میں ازالہ کرنا چاہتی ہوں۔''

''آپ کا ازالہ اس کی محرومیوں کو دور نہیں کرے گا۔'' اس نے ایک نظر رخشندہ ناز کے شرمندہ سے چہرے پر ڈالی اور وہاں سے چلا آیا، اسے اپنی ماں کی اسی شرمندگی سے ڈر لگتا تھا، اسے ہمیشہ سے ان لمحوں سے خوف آتا تھا جب شاہ زین اور مما اپنی اپنی ضد اور انا سے نیچے آئیں

گے اور خالی ہاتھ ہوں گے، وہ کربناک لمحہ آ کر گزر گیا تھا، شاہ زین اور رخشندہ ناز کی جنگ میں حیدر نے بھی بہت کچھ کھویا تھا، بلکہ سب کچھ کھویا تھا پایا کچھ نہیں تھا۔

☆☆☆

شروع شروع میں جب شاہ زین گھر چھوڑ کر گیا تھا تو انہیں لگا کہ شاید یہ بھی اس کی سازش ہو گی، دماغ اس بات کو تسلیم کرنے سے قاصر تھا کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر چلا گیا ہے، وہ تو ہر وقت رخشندہ ناز کو نیچا دکھانے کی باتیں کرتا تھا اور پھر یوں اس طرح سب کچھ چھوڑ کر چلے جانا ان کے لئے بہت عجیب تھا لیکن جس طرح وہ اپنی شکست تسلیم کر کے گیا تھا، جس شکست خوردہ لہجے میں اس نے ان کی فتح اور اپنی شکست کا اعلان کیا تھا اسی طرح سے جانا کوئی سازش نہیں ہو سکتی تھی، شروع شروع میں تو رخشندہ ناز نے نوٹس نہیں لیا تھا لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا وہ شاہ زین کی کمی محسوس کرنے لگی تھیں، اس کے ساتھ ہونے والی طنزیہ گفتگو یاد آنے لگی تھی، دوستی کا نہ سہی دشمنی کا رشتہ ہی سہی لیکن کچھ رشتہ تو تھا، اس کے جانے کے بعد انہیں احساس ہوا تھا کہ شاہ زین سے نفرت کا جذبہ ہی سہی لیکن وہ بہت اہم تھا اور پھر اس دن حسن نے جو کچھ بھی شاہ زین سے کہا۔ وہ باپ بیٹے میں یہی فاصلہ تو دیکھنا چاہتی تھیں اور جب وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو چکی تھیں تو وہ اپنی اس فتح پر خوش کیوں نہیں تھی، پچھتا کیوں رہی تھیں، وہ شاہ زین کو جائیداد سے بے دخل کرنا چاہتی تھیں تو وہ جائیداد اور سب کی زندگیوں سے خود ہی بے دخل ہو گیا، پھر اب ندامت کے آنسو کیوں؟ دل پر اتنا بوجھ کیوں تھا، ٹیرس پر کھڑی رخشندہ ناز نے لمبی سانس خارج کی ایسے جیسے سانس لینے میں مشکل ہو رہی ہو، مالی لان میں پودوں کی کانٹ چھانٹ کر رہا تھا۔

☆☆☆

''کہیں جا رہے ہو کیا؟'' حیدر شاہ زین کو پیکنگ کرتا دیکھ کر بولا۔

''ہاں کمپنی کی طرف سے ایک Delgation کے ساتھ اسلام آباد جا رہا ہوں۔''

''بہت جلدی میں لگ رہے ہو؟''

''ہاں ابھی نکلنا ہے۔'' شاہ زین نے الماری سے دو سوٹ نکال کر بیگ میں تقریباً ٹھونسے۔

''آئی ایم سوری لیکن مجھے خود بھی ابھی پتہ چلا ہے۔'' شاہ زین ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا ضروری سامان اٹھاتے ہوئے بولا اس کی تیزی بتا رہی تھی کہ وہ کتنی جلدی میں ہے، حیدر، شاہ زین سے واپس گھر جانے کی بات کرنے آیا تھا لیکن فی الحال بات کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

''کب تک آؤ گے؟'' حیدر ڈریسنگ ٹیبل کے کنارے پر ٹکتے ہوئے بولا۔

''ایک ہفتہ تو لگ ہی جائے گا۔'' شاہ زین نے سائیڈ ٹیبل سے والٹ اور موبائل اٹھایا لیکن والٹ نیچے گر گیا تھا اور جلدی کی وجہ سے پاؤں کی ٹھوکر سے بیڈ سے نیچے چلا گیا تھا۔

''اوہو۔'' شاہ زین نے جھنجلاتے ہوئے کہا اور بیڈ سے نیچے جھانکا ہاتھ سے نکالنا ناممکن تھا۔

''چھت پر ایک لوہے کی لمبی سلاخ تو ہے۔'' شاہ زین سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

''میں لا دیتا ہوں تم باقی پیکنگ کر لو۔'' حیدر اٹھ کر باہر چلا گیا، شاہ زین کو واقعی ہی دیر ہو

رہی تھی، اس نے تیزی میں بیگ کی زپ بند کی اور فریش ہونے کے لئے باتھ روم میں چلا گیا، حیدر چھت پر چلا آیا، سلاخ اٹھا کر واپس مڑنے لگا جب اسے ساتھ والی چھت پر وہی چہرہ نظر آیا، وہ ہلکے پیلے رنگ کی قمیض اور سفید شلوار میں ملبوس تھی، دھوپ کی وجہ سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا، اس نے بالوں کو کیچر کی مدد سے گردن سے کچھ اوپر قید کر رکھا تھا جبکہ دوپٹے کو گلے میں ڈال کر پیچھے سے گرہ لگائی ہوئی تھی اور ٹوکری سے دھلے ہوئے کپڑے نکال کر تار پر پھیلا رہی تھی، پسینے کی بوندیں چہرے پر کسی ندی کی مانند بہہ رہی تھیں، حیدر نظریں ہٹانا بھول گیا تھا، ماہم نے سارے کپڑے دھوپ میں پھیلا کر پسینہ صاف کیا اور پھر چھت پر ایک طرف لگی ٹونٹی سے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، پیچھے والے گھر میں امرود کے درخت پر جھک کر ایک کچا امرود توڑا اور پھر اسے دھو کر کھاتی ہوئی خالی ٹوکری اٹھائے سیڑھیاں اتر گئی، حیدر سانس روکے کسی سحر کے زیر اثر آخری جھلک تک اسے دیکھتا رہا تھا، اسے دیکھتے ہی اسے اپنا آپ بہت بے بس لگتا، اپنی ہی نظروں پر اختیار نہیں رہتا تھا اور وہ اس سے نظریں ہٹانے میں بری طرح ناکام رہتا تھا، وہ نظروں سے اوجھل ہوئی تو حیدر اپنی اس بے وقوفی پر مسکرا دیا اور پسینہ صاف کرتے ہوئے نیچے اتر گیا، یہ اسے اپنی بے وقوفی ہی لگتی تھی، لیکن اختیار سے بالکل باہر، یہ محبت تھی یا بے وقوفی جو بھی تھا، لیکن اسے دیکھنا اسے سوچنا اچھا لگتا تھا۔

☆☆☆

میٹنگ اٹینڈ کرنے کے بعد وہ واپس ہوٹل آ گیا تھا، ابھی اور بھی کچھ مصروفیات تھیں جن کی وجہ سے وہ اگلے دو دن تک یہیں تھا، کمرے میں بالکل اکیلا بور ہو رہا تھا ٹائم پاس کرنے کے لئے ٹی وی آن کیا لیکن جلد ہی بند کر دیا، وقت گزارنے کے لئے وہ یونہی ہوٹل سے باہر آ گیا اور ٹیکسی لی۔

"کدھر جانا ہے؟" ٹیکسی والے نے مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم چلو میں بتاتا ہوں۔" شاہ زین خود بھی نہیں جانتا تھا کہ اس نے کدھر جانا ہے وہ تو بوریت کو بھگانے کے لئے یونہی باہر آ گیا۔

"ایسا کرو مارگلہ ہلز کی طرف لے چلو۔" شاہ زین کچھ سوچتے ہوئے بولا تو ڈرائیور نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

تبھی اس کی نظر بس پوائنٹ پر کھڑے ایک چہرے پر نظر پڑی ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ اسے پہچان چکا تھا، اسی کی تلاش میں تو ہر وقت اس کی نظریں بھٹکتی رہتی تھیں، وہ شہربانو ہی تھی۔

"گاڑی روکو۔" شاہ زین کے یوں اچانک ہنگامی حالت میں بولنے پر ڈرائیور ڈر سا گیا اور فوراً سے بریک پر پاؤں رکھ دیا، ٹیکسی ایک جھٹکے سے رک گئی، شاہ زین جلدی سے باہر نکلا جبھی پوائنٹ پر بس آ کر رکی اور وہ اس میں سوار ہو گئی، شاہ زین کی طرف بھاگا لیکن سواریوں کے سوار ہونے کے بعد بس آگے بڑھ گئی تھی، شاہ زین جلدی سے بھاگ کر ٹیکسی کی طرف آیا۔

"اس بس کو فالو کرو۔"

ڈرائیور نے ٹیکسی بس کے پیچھے لگا دی، جب شہربانو اپنے سٹاپ پر اتری تو شاہ زین نے ٹیکسی رکوائی والٹ سے گنے بغیر سو کے چند نوٹ نکال کر ڈرائیور کو تھمائے اور شہربانو کے پیچھے بھاگا۔

"شہربانو!" اپنا نام سن کر شہربانو پیچھے مڑی اور پھر جیسے پتھر کی ہوگئی ہو، شاہ زین اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا یہ خواب تھا یا حقیقت اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کتنے ہی لمحے حقیقت کو خواب سمجھتے ہوئے بیت گئے تھے، جب آنکھوں کو یقین ہوگیا کہ یہ کوئی خواب نہیں حقیقت ہے تو آنکھوں میں نمکین پانی تیرنے لگا۔

"شہربانو!" شاہ زین بے چینی سے بولا۔

"بہت برے ہو تم۔" شہربانو نے روتے ہوئے کہا۔

"ہاں جانتا ہوں۔"

"لیکن تم اچھی ہو نا پلیز مجھے معاف کردو۔"

"بہت دکھ دیئے ہیں تم نے مجھے اب معافی مانگنے آگئے ہو میری معافی کی بھلا تمہیں کیوں ضرورت پڑ گئی جاؤ واپس لوٹ جاؤ۔"

"کیسے لوٹ جاؤں تمہارے بغیر نہیں لوٹوں گا میں انکل سے بھی معافی مانگ لوں گا۔"

"معافی مانگنا اور دینا کیا اتنا آسان ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو اور پھر تمہاری شرمندگی گزرے وقت کو واپس نہیں لاسکتی اب کچھ بدل نہیں سکتا۔"

"میں تمہیں تمہارے پاس اپنی امانت چھوڑ کر گیا تھا۔" شاہ زین حق جتاتے ہوئے بولا۔

"انکل کی ساری شرائط پوری کردی ہیں خود کماتا ہوں تمہاری ضروریات با آسانی پوری کرسکتا ہوں، اپنے کسی بڑے کو لانے کا کہا تھا انہوں نے تو وہ بھی لے آؤں گا، شہربانو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔"

"کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا اب کبھی بھی کچھ ٹھیک نہیں ہوسکتا۔" شہربانو پھٹ ہی پڑی تھی ایک لاوا تھا جو باہر آیا تھا، شاہ زین کے لئے اسے سنبھالنا مشکل ہونے لگا تھا۔

"ہاتھ مت لگاؤ مجھے کچھ نہیں لگتی میں تمہاری کوئی رشتہ نہیں ہے تمہارا میرے ساتھ۔"

"ایسا مت کہو۔" شاہ زین دکھ سے بولا۔

"کس حق کی؟ کس امانت کی بات کرتے ہو تم، یہاں کچھ بھی تمہارا نہیں ہے، اب میں کسی اور کی امانت ہوں۔" شہربانو چیخ کر بولی، شاہ زین کو لگا جیسے ساتوں آسمان اس پر آگرے ہوں۔

"کک..... کیا کہا تم نے؟" شاہ زین کو لگا جیسے اس کی سماعتوں نے کچھ غلط سن لیا ہو۔

"تم ایسا کیسے کرسکتی ہو؟" شاہ زین کو اپنی آواز کسی کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

"بہت سے کام وقت کی مجبوری ہوتے ہیں۔" شہربانو نے آنسو پونچھتے ہوئے خود کو کمپوز کیا۔

"اور تم مجھے انتظار کی صلیب پر لٹکا کر چلے گئے تھے تمہاری وجہ سے بدنامی کا جو داغ مجھ پر لگا وہ تمہاری معافیاں بھی نہیں دھوسکتیں، اس محبت کی وجہ سے میں خود کو ابا کی نظروں میں بہت چھوٹا محسوس کرتی ہوں، اس محبت نے مجھ سے میرا مان میرا اعتماد سب کچھ چھین لیا ہے، محض بدنامی ہی میرا مقدر بنی ہے، اگر کچھ تھوڑا بہت بچا ہے تو اب اسے راکھ مت بناؤ اور تم کس شہربانو پر اپنا حق جتا رہے ہو، وہ شہربانو جو تم سے محبت کرتی تھی وہ تو کب کی مرگئی پرسوں میری رسم حنا ہے اور وہاں شہربانو ہی ہوگی لیکن وہ نہیں جسے کبھی تم جانتے تھے، اس لئے تم واپس لوٹ جاؤ یہاں تمہارا کوئی نہیں اب۔" شہربانو نے آنسو گلے میں اتارتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلی گئی، جس شہربانو کو شاہ زین جانتا تھا وہ واقعی ہی کہیں نہیں

تھی، شاید وقت کی دھول میں کہیں کھو گئی تھی، شاہ زین نے دھندلائی ہوئی نظروں سے اسے خود سے دور جاتے دیکھا۔

☆☆☆

شہربانو کو کھونے کی اذیت کم نہیں تھی پہلے امید تھی کہ شاید وہ کبھی اسے مل جائے، لیکن نہ ملنے اور کھونے کے درمیان بہت فرق ہوتا ہے، اس کا دل کر رہا تھا کہ ہر چیز کو تباہ برباد کر دے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ شہربانو پر کسی اور کا حق ہو وہ تو صرف اس کی تھی، یہی بات اس کا نادان دل ماننے سے انکاری تھا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔'' اس نے دل ہی دل میں ارادہ کیا، لیکن سب کیسے نہیں ہونے دے گا وہ کچھ نہیں جانتا تھا، اس نے جیب سے موبائل نکالا اور حیدر کا نمبر ڈائل کیا اور پھر حیدر کو ساری بات بتا دی۔

''تم پریشان نہ ہو میں پہلی یہ فلائٹ سے اسلام آباد پہنچتا ہوں۔'' اور پھر حیدر طیب کو اطلاع دے کر اگلی صبح اسلام آباد شاہ زین کے پاس پہنچ گیا تھا۔

''زین بہتر تو یہی ہے کہ انکل سے معافی مانگ لیں۔''

''آئی ایم شیور انکل حسن مان جائیں گے نہ صرف مان جائیں گے بلکہ شہربانو کے ابا کو قائل بھی کر لیں گے تم بلکہ نہیں میں خود انکل سے بات کرتا ہوں۔'' حیدر نے جیب سے موبائل نکالا۔

''تو...... وے Never۔'' شاہ زین نے حیدر کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔

''شاہ زین پلیز جھک جاؤ، واپس چلو سب تمہارا ہی انتظار کر رہے ہیں۔''

''کوئی اور طریقہ نہیں ہے؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں اور شہربانو......''

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا اس کے جینے کی کوئی وجہ تو چھوڑ دو پہلے ہی وہ کافی قیمت چکا چکی ہے۔'' حیدر اس کی بات کاٹتے ہوئے سختی سے بولا تو شاہ زین نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

''پھر تم ہی بتاؤ میں کیا کروں میں اپنی آنکھوں سے سب کچھ ایسے ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔'' کچھ لمحوں کے توقف کے بعد شاہ زین بے بسی سے بولا۔

''ہمارے ہوتے ہوئے ٹینشن کس بات کی ہے؟'' طیب اندر داخل ہوا، پروفیسر صاحب اور طاہرہ آنٹی بھی ساتھ تھے۔

''آپ اس وقت یہاں۔'' شاہ زین اور حیدر کی حیرانی پر تینوں فقط مسکرائے تھے۔

''برخوردار تمہارا رشتہ لے کر ہم جائیں گے ہم بھی تو تمہارے بڑے ہیں نا۔'' پروفیسر صاحب نے مسکرا کر کہا تو شاہ زین خوشی سے ان کے گلے لگ گیا۔

''لیکن کیا وہ مان جائیں گے؟''

''کوشش کرنے میں تو کوئی حرج نہیں اگر اس طرح ہاتھ پھیلانے سے خوشیاں مل جائیں تو سودا گھاٹے کا نہیں۔''

''اور اگر نہ مانیں تو؟'' شاہ زین کے خدشات اپنی جگہ پر تھے۔

''تو پھر اللہ کوئی اور راستہ دکھا دے گا۔'' طاہرہ آنٹی نے تسلی دی شاہ زین پھیکا سا مسکرایا۔

''ویسے اگر ہم اس طرح سے رشتہ لے کر گئے تو سو فیصد چانسز ہیں کہ انکار ہی ہو گا کل رسم حنا ہے۔'' طیب سنجیدگی سے بولا۔

''تو؟'' حیدر سوالیہ انداز میں بولا۔

''تو یہ کہ میرے ذہن میں ایک پلان ہے

جس کے ذریعے ہم اگر سو فیصد تک نہیں تو پچھتر فیصد تک ضرور کامیاب ہو سکتے ہیں اور جب ہم پچھتر فیصد تک کامیاب ہو جائیں گے تو سمجھیں پچیس فیصد کامیابی بھی مل گئی۔"

"کیا مطلب؟" پروفیسر صاحب کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولے تو طیب نے سب کو اپنے ذہن میں چلنے والے منصوبے سے آگاہ کیا اور اپنے منصوبے کے مطابق حیدر اور طیب پروفیسر صاحب اور طاہرہ آنٹی کے ہمراہ شہر بانو کے گھر رشتہ مانگنے پہنچ گئے تھے۔

"بہن آپ یہ کچھ سمجھائیں یہ دو دلوں کی خوشی ہے دو زندگیوں کا معاملہ ہے۔"

"لیکن یہ ہماری عزت کا معاملہ ہے۔"

"شہر بانو جیسے آپ کی بیٹی ہے ویسے ہی ہماری بیٹی ہے ہم اسے عزت سے بیاہ کر لے جائیں گے۔"

"بس جو کہنا تھا کہہ چکے اب آپ یہاں سے جا سکتے ہیں۔" شہر بانو کے ابا سخت لہجے میں بولے۔

"لیکن انکل آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں شاہ زین اور شہر بانو ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔" حیدر نے قائل کرنا چاہا۔

"نام مت لو میری بیٹی کا کیوں تم لوگ ہماری خوشیوں کے پیچھے پڑ گئے ہو۔" طیب نے گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر بے بسی سے نگاہ حیدر پر ڈالی، نظروں کا تبادلہ ہوتے ہی حیدر نے بھی مایوسی کا اظہار کیا۔

"شاہ زین اچھا سلجھا ہوا لڑکا ہے تعلیم یافتہ ہے ماشاءاللہ سے برسر روزگار بھی ہے آپ کی بیٹی کو خوش رکھے گا۔" پروفیسر صاحب نے طیب اور حیدر کو مایوس ہوتے دیکھا تو قائل کرنے کو آگے بڑھے۔

"آپ سب کو سمجھ کیوں نہیں آ رہا آج شہر بانو کی رسم حنا ہے، جو آپ کر رہے ہیں وہ عزت دار لوگوں کا شیوا نہیں ہے۔" شہر بانو کی والدہ بولیں۔

"تم امیر زادے ہمارے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔" شہر بانو کی والدہ بے بسی سے بولیں۔

"ہمارے ہاں یہ رواج نہیں ہے کہ گھر آئے مہمان کو بے عزت کر کے نکالا جائے بہتر یہی ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔" شہر بانو کے ابا نے حتمی لہجے میں کہا ایسے جیسے اب بات کرنا ناممکن ہے اور منہ دوسری جانب موڑ لیا۔

"آپ کو سمجھ کیوں نہیں آ رہا شہر بانو اس شادی سے راضی نہیں ہے، وہ شاہ زین کو ہی پسند کرتی ہے وہ کسی اور کو خوش نہیں رکھ سکتی۔" طیب کی نظریں باہر گیٹ پر ہی جمی ہوئی تھیں جیسے ہی گیٹ کھلا اس کی آنکھوں میں چمک در آئی اس نے حیدر کا ہاتھ تھاما تو اس نے بھی باہر کی جانب دیکھا۔

"آپ شاید بھول رہے ہیں کہ پہلے بھی ایک بار شاہ زین اور میں کسی نہ کسی طرح سے شہر بانو کا حوالہ رہ چکے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ نے یہ اصلیت لڑکے والوں سے چھپائی ہو گی، آپ شہر بانو کے ساتھ زبردستی کر کے دو نہیں تین انسانوں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں، لڑکے کے خاندان کو بھی اندھیرے میں رکھا ہوا ہے یہ دھوکہ ہے۔" حیدر بول رہا تھا۔

"بہت خوب بہت خوب اپنی بیٹی کے عیبوں پر پردہ ڈال کر ہمارے سر تھوپنے چلے تھے۔" ایک پینسٹھ سالہ عورت اندر داخل ہوئی ساتھ ایک نوجوان لڑکی بھی تھی دونوں نے کامدار

ریشمی سوٹ پہن رکھے تھے۔

''آپ یہاں اس وقت۔'' شہربانو کی والدہ اور والد کے یکدم ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

''ہاں ہماری قسمت اچھی تھی جو اس وقت آ گئے ورنہ پتہ نہیں آپ کس کردار کی بیٹی کو میرے بیٹے کے گلے ڈالنے چلے تھے۔''

''ایسا مت کہیں میری بیٹی ایسی نہیں ہے۔'' شہربانو کے والد کی آواز درد سے بھرا گئی جبکہ والدہ کی تو جیسے کسی نے آواز ہی سلب کر لی ہو، حیدر نے خود کو مضبوط رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔

''جیسی بھی ہے ہمیں نہیں چاہیے ہماری طرف سے یہ رشتہ ختم سمجھیں۔''

''آپ ایسا کیسے کر سکتی ہیں میری بات تو سنیں۔''

''کیا سنوں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے شرافت کا یہ پول پہلے ہی کھل گیا۔''

''بس جو بولنا تھا آپ بول چکیں وہ رہا باہر کا راستہ۔'' طیب نے لوہا گرم دیکھا تو چوٹ لگائی۔

''اے ہائے یہ لڑکا کون ہے کیسا بدتمیز اور بدلحاظ ہے۔''

''آپ سے تو کم ہی بدلحاظ ہوں۔'' طیب جواباً بولا، پروفیسر صاحب کو طیب کے لڑاکا انداز پر ہنسی آ گئی لیکن صورتحال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ہنسی کو کنٹرول کر گئے تھے، ان دو خواتین نے ان کا کام اور بھی آسان کر دیا تھا، طیب اور حیدر نے پہلے لڑکے کے خاندان کا پتہ کروایا تھا، ان کے شادی کے معمولات کی خبر کیسے ملی تھی یہ وہی جانتے تھے اور پھر عین اس وقت وہ شہربانو کے گھر رشتہ لے کر آئے تھے جب لڑکے والوں کے آنے کا ارادہ تھا، لیکن اس سے پہلے وہ نامعلوم نمبر سے لڑکے والے کے دلوں میں شک کا بیج بو آئے تھے، طریقہ غلط ضرور تھا لیکن مقصد ہرگز غلط نہیں تھا، وہ دونوں خواتین بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

''انکل ایسے لوگوں کے ہاتھ میں بیٹی دینے سے بہتر ہے کہ انسان ساری عمر بیٹی کو اپنے گھر میں ہی بٹھا کر رکھے۔'' حیدر نے بھی وار کیا۔

''اور ساری عمر بیٹی کو گھر میں بٹھانے سے بہتر ہے کہ اپنی اتنی معصوم اور پیاری بیٹی کا ہاتھ شاہ زین جیسے محبت کرنے والے انسان کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔'' طاہرہ آنٹی نے بات آگے بڑھائی، شہربانو کے والد کرسی پر ڈھے سے گئے، ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں تھیں جبکہ والدہ سکتے کی حالت میں گم صم بیٹھی تھیں، دوسری بار ایسا ہوا تھا کہ ان کی بیٹی کے پاکدامن پر کیچڑ اچھالا گیا تھا۔

''بھائی صاحب شکر کریں اللہ نے پہلے ہی بچا لیا، شاہ زین کا رشتہ اب بھی اپنی جگہ ہے، ہم شہربانو کو اپنی بیٹی ہی بنا کر لے جائیں گے۔'' پروفیسر صاحب تحمل اور ہمدردی سے بولے تو شہربانو کے والد نے سانس اندر کھینچ کر آنسو پینا چاہے اور کرسی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھے اور کمرے میں موجود افراد کو مڑ کر ایک نظر دیکھا۔

''زاہدہ انہیں کہو کہ کل برات لے کر آ جائیں۔'' انہوں نے درد بھری آواز میں کہا اور اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے، کھڑکی کے ساتھ کھڑی شہربانو ابا کو کمرے سے باہر نکلتے دیکھا، وہ ساری گفتگو سن چکی تھی، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے عزت ملی تھی یا پھر

ایک بار ذلیل ورسوا ہوئی تھی، خدا کے سامنے شکر کرے یا شکوہ، آنسو روانی کے ساتھ اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے جبکہ اس کے ساتھ والے کمرے میں موجود افراد کے لبوں پر خوشی بھری مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

☆☆☆

شادی کی جو بھی تیاریاں کی گئیں تھیں اس مختصر سے وقت میں کی گئیں تھیں۔

''بھائی صاحب بچوں کی پہلی خوشی ہے ہم ساری رسمیں ادا کریں گے۔'' طاہرہ آنٹی نے شہربانو کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا، فوراً سے مہندی کا جوڑا لا کر مہندی کی رسم ادا کی گئی تھی، جبکہ شادی والے دن شہربانو اور شاہ زین کے ہمراہ بوتیک سے دولہا اور دلہن کا جوڑا خریدا گیا تھا، نکاح کی تقریب شام میں کی گئی تھی، کیونکہ دن کے وقت شاہ زین کو ضروری میٹنگز اٹینڈ کرنی تھیں رخصتی تو کردی گئی تھی لیکن ولیمے کی رسم فی الحال ملتوی کردی گئی تھی۔

☆☆☆

''مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا ہے کہ ہماری شادی ہو چکی ہے اور وہ بھی اتنے ڈرامائی انداز میں۔''

''ہاں لیکن ایسا ہی ہوا ہے۔'' شہربانو مسکراتے ہوئے بولی۔

''جانتی ہو یہ سب حیدر اور طیب کی سکیم تھی، انہوں نے جان بوجھ کر ایسی سچویشن کری ایٹ کی تھی کہ لڑکے والوں کو رشتہ توڑنا ہی پڑا۔''

''کیا مطلب؟'' شہربانو کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''تقدیر سے چھین کر لایا ہوں تمہیں۔'' شاہ زین مسکرا کر بولا۔

''جی نہیں تمہارا کوئی کمال نہیں سب حیدر کی ذہانت ہے اور تقدیر کو چیلنج مت کرو تقدیر میں ایسا ہونا ہی لکھا تھا ہم نے ایسے ہی ملنا تھا۔''

''ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو کہ اگر میں تقدیر سے کچھ چھین سکتا تو اپنی ماما کو چھین لیتا پاپا سے اتنا دور نہ ہوتا۔'' شاہ زین سنجیدگی سے بولا اور پھر پھیکا سا مسکرایا۔

''ویسے تم حیدر کی ذہانت کی قائل ہوگئی ہو میری محبت کی طاقت پر یقین نہیں آیا تمہیں۔''

''حیدر کی ذہانت کی قائل میں اب سے نہیں بہت پہلے سے ہوں اور تم مجھے کتنا اپنی محبت کا قائل کرتے ہو یہ تم پر ڈیپنڈ کرتا ہے۔'' شاہ زین نے شہربانو کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ نظریں جھکا گئی۔

''لیکن تم آئندہ کبھی ایسا نہیں کرو گے۔'' شہربانو چند لمحوں تک اپنی منتشر سانسوں کو متوازن کرنے کے بعد بولی۔

''کیسا نہیں کروں گا؟''

''اب یوں کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔'' شہربانو خفگی سے بولی۔

''کبھی نہیں کروں گا اگر ایسا سوچوں بھی تو گنہگار کہلاؤں۔'' شاہ زین نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا تو شہربانو دھیما سا مسکرائی، چاہے جانے کا احساس بہت دلفریب تھا۔

''ہم گھر کب تک پہنچیں گے؟''

''انشاء اللہ ایک گھنٹے تک۔'' شہربانو کے پوچھنے پر شاہ زین نے بتایا، شاہ زین نے شہربانو کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، کچھ موسم حسین تھا اور من پسند ہم سفر کی موجودگی سفر کو اور بھی حسین کررہی تھی۔

☆☆☆

حیدر سیٹی پر گانے کی دھن بجاتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا، انکل اسے سامنے لاؤنج میں ہی بیٹھے مل گئے تھے، وہ اس وقت شاہ زین کی طرف سے ہی واپس لوٹا تھا، اس وقت بہت خوش تھا، لاؤنج میں موجود انکل کو سلام کیا تو انہوں نے سر ہلا کر سلام کا جواب دیا، سلام کے بعد حیدر نے آگے بڑھنا چاہا لیکن انکل نے پکارنے سے اسے روک لیا، حیدر ان کے سامنے والے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا وہ جانتا تھا کہ انکل اس سے کیا سوال پوچھیں گے، لیکن حیدر کے بیٹھنے کے کافی دیر تک وہ خاموش ہی رہے تھے ایسے جیسے بولنے کے لئے الفاظ ڈھونڈ رہے ہوں۔

''شاہ زین کی طرف سے آ رہے ہو؟'' وہ کافی دیر کی خاموشی کے بعد بولے تھے۔

''جی!'' حیدر نے مختصر جواب دیا۔

''اس سے کہو نا کہ واپس آ جائے۔'' وہ بے بسی سے بولے۔

''انکل ایکچوئیلی میری اس سے ابھی تک اس موضوع پر بات نہیں ہو سکی موقع ہی نہیں مل سکا۔''

''انکل شاہ زین نے شادی کر لی ہے۔'' حیدر کچھ دیر کے وقفے کے بعد بولا۔

خوشی، غم، افسوس پچھتاوا کتنے ہی تاثرات تھے جو ایک ساتھ حیدر نے ان کے چہرے پر بکھرتے دیکھے تھے۔

''کس کے ساتھ اس کے ساتھ جسے وہ پسند کرتا تھا؟''

''جی!'' حیدر نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

''کیسے؟ میرا مطلب ہے کہ...'' انکل کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیسے پوچھنا چاہتے ہیں تو اپنی بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔

''انکل وہ جن لوگوں کے بیچ رہتا ہے وہ بہت اچھے اور پیار کرنے والے ہیں اور پھر جو جگہ خالی ہو جائے وہاں کوئی نہ کوئی دوسرا ضرور آتا ہے۔'' حیدر کی بات پر انہوں نے سر جھکا لیا۔

''مجھے اس کا ایڈریس دو میں خود اسے منا لوں گا۔'' انکل کے پوچھنے پر حیدر نے انکل کو شاہ زین کا پتہ بتا دیا۔

☆☆☆

''السلام علیکم!'' حیدر خوشگوار لہجے میں بولا۔

''وعلیکم السلام!'' شہربانو نے کچن کی سلیب صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ارے یہ کیا شاہ زین نے آتے ہی تمہیں کام پر لگا دیا۔'' حیدر کے کہنے پر شہربانو کھلکھلا کر ہنسی۔

''ارے نہیں ایسی بات نہیں ہے میں خود ہی فارغ رہنے سے تنگ آ گئی ہوں۔''

''ہائے داوے یہ شاہ زین کدھر ہے نظر نہیں آ رہا۔'' حیدر نے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''آفس گیا ہوا ہے۔''

''واٹ اتنی جلدی میرا تو خیال تھا کہ وہ چھٹی پر ہوگا۔'' حیدر حیرانگی سے بولا تو شہربانو مسکرائی ہاتھ دھو کر تولیے سے صاف کیے۔

''ہاں لیکن ہمارا پلان کچھ اور ہے، چائے پیو گے؟'' شہربانو فریج کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔

''نہیں مینگو شیک لوں گا۔'' حیدر سلیب پر ٹک گیا جبکہ شہربانو نے فریج سے آم نکالے۔

''شاہ زین کہہ رہا تھا کہ میں کچھ دن انتظار کر لوں پھر جب سیلری ملے گی تو ایک ہفتے کی

چھٹی لے گا پھر ہم مری چلیں گے لیکن اس سے پہلے چھوٹی سی تقریب کرنا چاہتا ہے جس میں سب محلے والوں کو انوائٹ کرنا چاہتا ہے۔''

''واؤ That,s very good۔'' حیدر نے خوشدلی سے کہا اور فریج سے دودھ کا جگ نکالا اور دودھ بلینڈر میں ڈالا ابھی دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

''شہربانو!'' شاہ زین شہربانو کو پکارتا ہوا اندر داخل ہوا اور صوفے پر بیٹھ گیا، شہربانو نے جلدی سے آموں والے ہاتھ صاف کیے اور باہر آگئی جبکہ حیدر مسکرا دیا۔

''گڈ ایوننگ۔'' شہربانو نے مسکرا کر کہا تو شاہ زین نے بھی جواباً مسکرا کر کہا۔

''یہ کیا دروازہ کھلا ہوا تھا جب اکیلی ہوتی ہو تو دروازہ بند رکھا کرو۔'' شاہ زین پیار بھری ناراضگی سے بولا۔

''میں اکیلی نہیں تھی۔''

''میری یاد ساتھ ساتھ تھی۔'' شاہ زین ڈرامیٹک ہوتے ہوئے بولا اور شہربانو کو بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ صوفے پر بٹھالیا۔

''آہم...... آہم۔'' حیدر نے کچن کے دروازے میں کھڑے آم کی گٹھلی چوستے ہوئے گلا صاف کیا تو شاہ زین نے مڑ کر کچن کی طرف دیکھا، حیدر نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کی جیسے کہہ رہا ہو کہ میں نے کچھ نہیں دیکھا اور پھر واپس کچن میں آ گیا اور بلینڈر آن کیا، شور سارے گھر میں پھیل گیا تھا۔

''کھانا لاؤں؟'' شہربانو نے فائل کیس تھماتے ہوئے پوچھا، شاہ زین اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

''نہیں ابھی موڈ نہیں ہے میں فریش ہو کر آتا ہوں کچھ ہلکا پھلکا کھانے کو ہے تو وہ لے آؤ۔'' شاہ زین نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی فریش ہونے چلا گیا، جب شہربانو کچن میں واپس لوٹی تو حیدر شیک بنا چکا تھا اور اسے گلاسوں میں ڈال رہا تھا۔

''شکریہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر ادا کر دو تو کوئی حرج بھی نہیں ہے۔''

''شکریہ۔'' حیدر کے کہنے پر شہربانو نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا۔

''تم یہ جا کر اپنے شوہر کو Serve کرو اور جنت کماؤ تھکا ہارا لوٹا ہے۔'' حیدر نے شیک گلاس میں ڈالا تو شہربانو مسکرا کر کچن سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

شاہ زین اور شہربانو ایک ہفتے کے لئے مری ٹور پر مری چلے گئے تھے، اس نے مری جانے کا سن کر ہی شاہ زین سے بات کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا، اس کا مقصد شاہ زین کو پریشان کرنا ہرگز نہیں تھا، وہ اس کی پریشانیوں کو ختم کرنا چاہتا تھا سو ان کی واپسی کا انتظار کرے گا، انکل اور مما دن میں کتنی ہی بار آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے پوچھتے رہے تھے اور وہ نظریں چرا جاتا تھا اب تو وہ کوشش کرتا تھا کہ انکل سے اس کا سامنا کم سے کم ہو، جب سے انہیں شاہ زین کے ٹھکانے کا پتہ چلا تھا وہ اور بھی بے چین رہنے لگے تھے، انکل کی آنکھوں میں یہ شرمندگی دیکھ کر اسے شرمندگی سی ہونے لگتی اور وہ ہر بار خود سے وعدہ کرتا کہ جیسے بھی ہو وہ شاہ زین کو واپس لے ہی آئے گا، وہ شاہ زین کی ضد سے اچھی طرح واقف تھا لیکن پھر بھی یقین سا تھا کہ شاہ زین اس کی بات نہیں ٹالے گا۔

☆☆☆

ہوئے تین دن ہو چکے تھے اس کے پاس کوئی ٹھوس بہانہ بھی نہیں تھا۔
''اب تو آ گیا ہوں نا۔''
''تم بتاؤ شہر بانو کیسی ہے؟''
''اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں آب و ہوا چینج ہونے کی وجہ سے زکام اور بخار ہو گیا۔''
''او...... تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' حیدر پریشانی سے بولا۔
''نہیں پریشانی کی بات نہیں ہے ڈاکٹر کو چیک کروایا ہے کہہ رہا تھا موسمی تبدیلی کی وجہ سے میڈیسن لے رہی ہے۔''
''ہوں۔''
''ابھی تو بالکل اکیلی ہو گی۔''
''نہیں اکیلی تو نہیں ہے میں نے کال کی تھی ماہم بھی اس کے پاس ہے۔'' شاہ زین فائل بند کرتے ہوئے بولا۔
''گڈ۔'' ماہم کا سنتے ہی حیدر کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔
''پاپا اور تمہاری مما کیسی ہیں؟''
''رخشندہ ناز نہیں کہو گے؟'' حیدر نے شاہ زین کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو شاہ زین پھیکے سے مسکرا دیا۔
''بے وقوف تھا نفرت میں کیا ملا؟ اب تو سب کچھ بدل گیا ہے۔''
''اچھا کب تک فارغ ہو جاؤ گے آفس ٹائم تو کب کا ختم ہو چکا ہے۔''
''ہاں میں بھی بس جانے ہی والا تھا۔'' شاہ زین نے فائل دراز میں رکھی اور دراز کو لاک لگایا، ریوالونگ چیئر کے پیچھے لٹکا ہوا کوٹ اتار کر پہنا تو حیدر بھی اٹھ کھڑا ہوا، شاہ زین نے آفس کے ڈرائیور کو منع کیا جو گاڑی سٹارٹ کیے اسی کا انتظار کر رہا تھا اور حیدر کے ساتھ گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔
''مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' حیدر نے گاڑی سے نکلتے ہوئے کہا تو شاہ زین بھی گاڑی سے باہر نکلا اور حیدر کے ساتھ چلتا ہوا کافی شاپ کے اندر داخل ہوا۔
''دو کپ کافی۔'' حیدر نے ویٹر کو اشارے سے بلایا اور دو کپ کافی لانے کو کہا۔
''ایسی کیا ضروری بات تھی؟''
''زین تم واپس آ جاؤ وہ گھر آج بھی تمہارا ہے۔'' حیدر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بولا۔
''ایسا نہیں ہو سکتا یہ ناممکن ہے۔''
''کچھ بھی ناممکن نہیں ہے شاہ زین اس گھر میں کچھ بھی ویسا نہیں رہا جیسا تم چھوڑ کر آئے تھے، ان فیکٹ مما بھی ویسی نہیں رہی ہیں، انکل اور مما نے ہی مجھے تمہیں واپس لانے کو کہا ہے۔''
''اب کیوں کہہ رہے ہیں ایک بار مجھے اپنی نظروں سے گرایا ہے، اب کیوں پلکوں پر بٹھانا چاہتے ہیں، بڑی مشکل سے میں نے ان کے بغیر جینا سیکھا ہے لیکن سیکھ لیا ہے، اب بار بار ذلیل ہونے کی سکت نہیں ہے مجھ میں۔''
''شکریہ۔'' حیدر نے کافی سرو کرتے ویٹر سے کہا، ویٹر کافی سرو کرنے کے بعد جا چکا تھا۔
''بلڈ پریشر کا پہلے ہی انکل کو مسئلہ تھا اب ان کی شوگر بھی اکثر ہائی رہتی ہے اور تم بھی جانتے ہو کہ یہ سب تمہارے جانے کی وجہ سے ہے۔'' حیدر کے کہنے پر شاہ زین چپ ہی رہا لیکن اس کے چہرے کی اضطرابی کیفیت حیدر سے چھپی نہیں رہی تھی۔
''تم اندر سے خوش نہیں ہو۔''
''میں خوش ہوں۔'' شاہ زین نے خوش

ہوں پر زور دیا۔

"تم خود کو یہ باور کروانے کی کوشش کر رہے ہو کہ تم خوش ہو۔" حیدر تلخ حقیقت اس کے سامنے رکھی تو وہ نظریں چرا گیا، دونوں کے درمیان گہری خاموشی چھا گئی، شاہ زین اپنے دل کو یہی سمجھاتا رہا کہ وہ خوش ہے اور حیدر اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات پڑھنے کی آدھی ادھوری کوشش کرتا رہا۔

"زین تم نے جنگ ہاری نہیں ہے جیت لی ہے واپس چلو مما اور انکل تمہارا انتظار کر رہے ہیں وہ دونوں جھک گئے ہیں تم بھی ضد چھوڑ دو۔"

"حیدر تم بھی اسے میری ضد ہی سمجھتے ہو؟" شاہ زین دکھ سے بولا اسے افسوس ہوا تھا کہ حیدر بھی اس کے بارے میں ایسا سوچتا تھا جیسا سب سوچتے ہیں۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے لیکن وہ باپ ہیں کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔" حیدر نے دلیل دی۔

"کاش کہ وہ باپ بن کر کہتے، اگر وہ باپ بن کر کہتے تو میں اف تک نہیں کرتا۔"

"اف تو میں نے اب بھی نہیں کی بس خاموشی سے گھر چھوڑ دیا۔" ضبط کی وجہ سے اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں، یہ ذکر جب بھی آتا اس کے جسم میں سوئیاں سی چبھنے لگتی تھیں، اپنے باپ کے کہے گئے نفرت اور حقارت بھرے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگتے تھے۔

"زین ایک بات بتاؤ کیا میں تمہیں کبھی یاد نہیں آیا، صبح ناشتہ کرتے ہوئے جم جاتے ہوئے واک کرتے ہوئے کچھ بھی نیا کرتے ہوئے۔" حیدر نے شاہ زین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں تو بہت کرتا تھا۔" حیدر نے اعتراف کیا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو پچھلے ڈیڑھ سال میں ایسا کوئی دن نہیں گزرا جس دن میں نے تمہیں اور پاپا کو یاد نہیں کیا ہو۔"

"رخشندہ ناز کو نہیں کرتے کیا؟" حیدر کے پوچھنے کا انداز ایسا تھا کہ شاہ زین نظریں چرا گیا، اس کی آنکھوں میں لکھی تحریر بہت واضح تھی۔

"کیا تم مما کو معاف نہیں کر سکتے؟" حیدر بے بسی سے بولا۔

"حیدر تم کیسی باتیں کرتے ہو انہوں نے میرے ساتھ ساتھ کچھ غلط نہیں کیا اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو شاید یہی کرتا اور پھر میں نے کون سا ان کی عزت بڑھائی ہے، اگر پاپا نے یا تمہاری مما نے مجھے نفرت میں کچھ کہا تو میں نے بھی تو ہمیشہ نفرت سے ہی بات کی تھی تو پھر بھلا میں اس قابل کہاں کہ کسی کو معاف کر سکوں میں تو بہت چھوٹا ہوں معافی دینے کا کہہ کر مجھے اپنی ہی نظروں میں مزید چھوٹا نہ کرو۔"

"پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ تم سب کے بغیر خوش ہو، تم اکیلی شہر بانو کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتے، شہر بانو انکل کی کمی کو پورا نہیں کر سکتی، شہر بانو میرا نعم البدل تو نہیں ہو سکتی نا، کیا ایسا ہے؟"

"جانتا ہوں کہ یہ کمیاں جو میرے اندر رہ گئی ہیں شاید اب کبھی بھی پوری نہ ہوں لیکن اب مجھے یہ کمیاں راس آگئی ہیں میں خوش رہنے کی کوشش ضرور کرتا ہوں اس گھر کے ایک ایک کونے میں میرے خواب سجے ہیں میں شہر بانو کے ساتھ ایک مکمل زندگی گزارنے کی کوشش ضرور کرتا ہوں میں واپس کبھی بھی اس گھر میں لوٹ کر نہیں جا سکتا۔"

"زین تم آنے والے کل کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، لیکن اس گھر سے نکلتے ہوئے

میں نے قسم کھائی تھی کہ آئندہ کبھی پلٹ کر نہیں دیکھوں گا۔" شاہ زین کے کہنے پر حیدر ایک بار پھر خاموش ہو گیا، چند اور لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔

"زین ایک بات پوچھوں؟" حیدر سوچنے کے بعد بولا۔

"پوچھو۔" شاہ زین مختصر بولا۔

"کھاؤ میری قسم سچ کہو گے۔" حیدر شاہ زین کا ہاتھ اپنے سر پر رکھتے ہوئے بولا۔

"حیدر یہ کیا حرکت ہے؟" شاہ زین نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن حیدر نے ہاتھ مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔

"تمہاری قسم سچ کہوں گا۔" شاہ زین بے بسی سے بولا۔

"اس شام جب تم سیڑھیوں سے گرے تھے تمہاری مما سے کس بات پر لڑائی ہوئی تھی۔"

"کیا کرو گے سچ جان کر کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"تم قسم دے چکے ہو۔" حیدر نے اسے یاد کروایا۔

"لیکن تم بھی ایک وعدہ کرو، میری بات مانو گے۔"

"پرامس۔" حیدر نے شاہ زین کو عہد دیا تو شاہ زین نے اس شام کی ساری بات سچ سچ حیدر کو بتا دی، ساری حقیقت جاننے کے بعد حیدر کے چہرے کا رنگ ایسے زرد ہو گیا تھا جیسے رگوں میں خون کی بجائے زردی گردش کرنے لگی ہو، وہ سخت صدمے سے دوچار تھا۔

"میں نے کہا تھا نا کہ کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔" شاہ زین حیدر کے بدلتے رنگ کو دیکھ کر دکھ سے بولا اور پانی کا گلاس حیدر کی طرف بڑھایا،

وہ حیدر کو اس کرب سے دور رکھنا چاہتا تھا لیکن آج حیدر نے اسے بے بس کر دیا تھا۔

"کاش کہ شاہ زین کہے میں نے غلط کیا ہے۔" حیدر نے پانی پینا چاہا لیکن ایک گھونٹ بھی حلق سے نیچے نہیں اتار سکا تھا۔

"میں نے پہلے تمہیں اس لئے نہیں بتایا تھا کہ مجھے ڈر تھا کہیں تم Abread جانے سے انکار نہ کر دو، لیکن تم ہائر سٹڈیز کے لئے ضرور جاؤ گے اور تم مجھے یہ وعدہ دے چکے ہو، میں تمہیں زندگی میں بہت کامیاب دیکھنا چاہتا ہوں، میرے بھی خواب پورے ہوں گے اور انہیں تم پورا کرو گے۔" شاہ زین نے اسے اس کا وعدہ یاد کروایا، حیدر خاموشی سے اٹھ کر کافی شاپ سے باہر نکل گیا، شاہ زین نے حیدر کی پشت کو دیکھا اور پھر خود بھی مرے مرے قدم اٹھاتا باہر چلا گیا، حیدر نے گیٹ سامنے گاڑی روکی اور ابھی تک خاموش تھا اس نے شاہ زین کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔

"اندر نہیں آؤ گے؟" شاہ زین نے ہی اسے مخاطب کیا۔

"نہیں۔"

"بابا کا خیال رکھنا۔" شاہ زین نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور نکلنے سے پہلے بولا حیدر نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم نے میرے دل کا بوجھ ہلکا نہیں کیا بلکہ اسے اور بڑھا دیا ہے۔" حیدر نے شاہ زین کی طرف دیکھتے ہوئے دکھ سے کہا اور پھر سامنے دیکھنے لگا، حیدر کچھ دیر حیدر کو دیکھتا رہا پھر خاموشی سے گاڑی سے اتر گیا، شاہ زین کے اترنے کے بعد حیدر گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا لے گیا۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا، سورج ڈوب رہا تھا اور پرندے واپس اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ رہے تھے، لیکن کمرے کے اندر گہرا اندھیرا تھا، حیدر نیچے کارپٹ پر لیٹا سونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا، وہ دایاں بازو آنکھوں پر رکھے ہوئے بالکل سیدھا لیٹا ہوا تھا۔

پچھلے دو دنوں سے طبیعت کچھ زیادہ ہی بوجھل تھی، اس کا کسی سے بھی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، شاہ زین نے اس سے ملنے کی رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے اسے بھی قسم کا کوئی جواب نہیں دیا تھا، جبھی دروازہ کھلنے کی آواز آئی، حیدر نے آنکھوں سے بازو نہیں ہٹایا تھا۔

''حیدر!'' رخشندہ ناز کمرے میں داخل ہوئیں اور لائٹس آن کیں، کمرہ یکدم روشن ہو گیا، کمرے کی ہر چیز ترتیب سے رکھی ہوئی تھی۔

''حیدر یہاں نیچے کیوں سوئے ہو؟'' رخشندہ ناز حیدر کو نیچے لیٹا دیکھ کر بولیں، حیدر کا جی چاہا کہ ان سے کہے یہاں سے چلی جائیں لیکن اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

''پتہ نہیں اتنا لاپرواہ کب سے ہو گیا ہے یہ کوئی وقت ہے سونے کا۔'' رخشندہ ناز نے کہتے ہوئے کھڑکی کے پردے ہٹا دیئے، آسمان پر شام کی سرخی پھیلی ہوئی تھی، کھڑکی اور دروازہ بند ہونے کی وجہ سے کمرے میں حبس ہو رہی تھی، اے سی بھی بند تھا۔

''حیدر بیٹا نیچے کیوں سو رہے ہو، اٹھو طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' رخشندہ ناز نے کھڑکی کے شیشے کھولے اور پنکھا آن کرنے لگیں۔

''فکر نہ کریں مرا نہیں ہوں۔'' حیدر یونہی لیٹے لیٹے بولا تو رخشندہ ناز کا ہاتھ یونہی سوئچ کے اوپر ایک لمحے کے لئے جم سا گیا۔

''حیدر بیٹا کیا ہوا؟'' رخشندہ ناز حیدر کی طرف مڑیں اور اسے بازو سے ہلا کر اٹھانے کی کوشش کی۔

''یہاں نیچے کیوں سوئے ہو اوپر بیڈ پر لیٹو۔'' رخشندہ ناز پریشانی سے بولیں۔

''سویا نہیں تھا سونے کی کوشش کر رہا تھا۔'' حیدر نے آنکھوں سے بازو ہٹایا اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔

''آپ کو شاید علم نہیں مجھے اوپر بیڈ پر نیند نہیں آتی یہیں نیچے سوتا ہوں اور جب سے شاہ زین اس گھر سے گیا ہے یہاں بھی نہیں آتی۔'' رخشندہ ناز کو ایک لمحے کو لگا جیسے کسی نے ان کی جان نکال لی ہو، حیدر کا اتنا اجنبی لہجہ آج سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، جب وہ رخشندہ ناز سے بہت زیادہ ناراض ہوتا تھا تب بھی اتنے اجنبی لہجے میں بات نہیں کرتا تھا، حیدر نے اٹھ کر باہر جانا چاہا لیکن رخشندہ ناز نے اسے بازو سے پکڑ کر روک لیا۔

''ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟''

''اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مجھے اپنی اوقات میں رہ کر سکون ملتا ہے، آپ کے اس محل کے بے آرام دہ بستر پر مجھے نیند نہیں آتی جب اس پر لیٹتا ہوں تو مجھے اس میں سے سازشوں کی بو آنے لگتی ہے، ایسے لگتا ہے کہ کسی کا حق مار رہا ہوں، آپ جو یہ سب میرے لئے کرتی رہی ہیں نا آپ کا بہت بہت شکریہ، اس کی وجہ سے میرے دن رات مسلسل عذاب میں کٹتے ہیں، میں خود کو اپنی، انکل اور شاہ زین کی نظروں میں مجرم محسوس کرتا ہوں، ایسا مجرم جس کی کوئی معافی نہ ہو اور جو اپنی سزا بھی خود ہی تجویز کرے میں انکل سے نظریں

ملا کر بات نہیں کر سکتا۔" ایک لاوا تھا جو اس کے اندر سے ابل ابل کر باہر آرہا تھا۔

"مما کیا تھا اگر آپ شادی نہ کرتیں ہم تھوڑا کھا لیتے لیکن سکون سے رہتے۔"

"لیکن نہیں دوسری شادی کرنا آپ کا حق تھا۔" حیدر نے خود ہی اپنی تردید کی۔

"لیکن اگر شادی کر ہی لی تھی تو شاہ زین کو بھی بیٹا مان لیتیں آپ اس کو دل سے بیٹا مانتیں تو وہ آپ کو بیٹا بن کر دکھا دیتا، ہمارا بھی ایک ہنستا مسکراتا گھر ہوتا آپ نے شاہ زین کے اندر کے خوبصورت انسان کو نہیں دیکھا میں نے دیکھا ہے۔"

"جانتی نہیں جب میں شروع شروع میں اس گھر میں آیا تھا تو خود کو بہت Insreure فیل کرتا تھا مجھے لگتا تھا کہ یہ گھر میرا نہیں ہے میرا وہی ہے جہاں میں پاپا اور آپ مل کر رہتے تھے، مجھے لگتا تھا کہ انکل اور شاہ زین مجھے اپنے گھر سے نکال دیں گے، مما نے بھی شادی کر لی ہے پاپا کی بھی ڈیتھ ہو گئی ہے میں کدھر جاؤں گا۔" کہتے کہتے حیدر کی آواز رندھ گئی، اس نے لمبی سانس لے کر آنسو گلے میں اتار لئے، وہ بول رہا تھا اور وہ گم صم اس کی باتیں سن رہی تھیں، حیدر کی باتوں نے تو جیسے ان کی قوت گویائی ہی چھین لی تھی۔

"بہت ڈرتا تھا اور روتا بھی بہت تھا پھر میں نے اپنے اس Fear کو Overcome کرنے کے لئے شاہ زین کے قریب جانے کی کوشش کی، اس سے دوستی کرنا چاہی اور پھر جب میری اس سے دوستی ہو گئی تو جانتی ہیں مما میں نے کیا دیکھا؟"

"میں نے دیکھا کہ شاہ زین خود کو مجھ سے بھی زیادہ Insecure فیل کرتا تھا۔" حیدر تلخی سے مسکرایا اور آنکھیں رگڑ ڈالیں جو برسنے کو تیار تھیں، وہ اپنے گھر میں رہتے ہوئے بھی بہت سے Complexes کا شکار تھا، اسے اپنے پاپا کے دور ہونے کا ڈر تھا، اسے بھی گھر سے نکالے جانے کا خوف تھا، اپنے اسی خوف کو ختم کرنے کے لئے وہ سب کو یاد کرواتا تھا کہ یہ گھر اس کا ہے، مما وہ بہت اچھا انسان ہے اس سے یہ سب چھیننے کے لئے آپ کو اتنی پلاننگ اور اتنی محنت کی ضرورت نہیں تھی، وہ پیار کی زبان بہت جلدی سمجھ جاتا ہے۔"

"وہ میری کوئی بات نہیں ٹالتا لیکن وہ میرے کہنے کے باوجود بھی نہیں لوٹا، اس کو آپ کی پھیلائی ہوئی نفرت نے مار دیا ہے، اب ایک ناکردہ جرم کی آگ میں میں جل رہا ہوں اور جلتا رہوں گا۔"

"تن......نن......نہیں......حیدر۔" رخشندہ ناز نے حیدر کو چپ کروانا اور کچھ اور کہنا چاہا لیکن آواز نے ہی ساتھ نہیں دیا، لب ہی محض ہل سکے تھے۔

"آپ کو جس بات کا خوف تھا نہ کہ اگر سب کچھ شاہ زین کو مل گیا تو وہ مجھے کچھ نہیں دے گا، وہ ایسا کچھ نہیں کرنے والا تھا، اسے دوستی اور دشمنی میں فرق کرنا آتا ہے، اس نے مجھے اس رات کی لڑائی کے بارے میں جب وہ سیڑھیوں سے گرا تھا سب کچھ بتا دیا ہے وہ تو شاید کبھی بھی نہیں بتاتا اگر میں اسے اپنی قسم نہ دیتا اس نے اس کے باوجود بھی تو یہ وعدہ لے کر میں ہائر اسٹڈیز کے لئے ضرور جاؤں گا، وہ زندگی میں مجھے کامیاب دیکھنا چاہتا ہے، وہ اپنے خواب مجھ میں پورے ہوتے دیکھنا چاہتا ہے، کیونکہ وہ مجھے بھائی کہتا ہے اپنا دوست مانتا ہے کیونکہ وہ مجھے

سے محبت کرتا ہے، مما وہ ڈبل فیس نہیں ہے اس نے نفرت کی تو کھلم کھلا کی، اس کی محبت بھی اس کی طرح خالص ہے۔"

"اس کو انکل کی نفرت نے مار دیا اور مجھے اس کی محبت نے مار دیا۔" حیدر نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا، رخشندہ ناز نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے حیدر کو باہر جاتے دیکھا، حیدر جو بھی کہہ کر گیا تھا سچ ہی تو تھا، وہ وہیں نیچے فرش پر بیٹھ گئیں، آنسو غیر محسوس انداز میں ان کے گالوں پر بہنے لگے تھے، حیدر انہیں ان کا جرم تو بتا گیا تھا، وہ جرم جس کے بارے میں وہ جانتی تھیں کہ ان سے سرزد ہوا ہے اور سزا کا انتظار کر رہی تھیں لیکن حیدر نے نہ تو سزا دی اور نہ ہی معاف کیا تھا اور اگر جرم بتایا بھی تو سزا ان پر چھوڑ گیا تھا کہ اپنی سزا خود تجویز کریں اور اپنی سزا خود تجویز کرتے ہوئے انہیں ہر سزا بہت چھوٹی اور جرم بہت بڑا لگ رہا تھا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں، جھولی میں ندامت کے آنسوؤں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

کیسے ماہم کے خیال نے اس کے دل میں جگہ بنائی اسے خبر ہی نہ ہوئی اسے تو صرف اتنا معلوم تھا کہ اسے دیکھنا اس سے ملنے کی خواہش کرنا اس کا انتظار کرنا اس کے بارے میں سوچنا اسے اچھا لگتا تھا، رفتہ رفتہ کیسے یہ سوچ بدلی اور اسے اپنی زندگی میں ماہم کی کمی شدت سے محسوس ہونے لگی، اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا اور وہ اسے پانے کی خواہش کرنے لگا تھا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کسی اور کی امانت ہے اور بہت جلد کسی کی زندگی میں بخوشی شامل ہونے والی ہے، ماہم کی یہی خوشی ہمیشہ اس کی خواہش کا گلہ گھونٹ دیتی یک طرفہ محبت ہمیشہ اذیت ہی دیتی ہے، جیسے جیسے طیب اور ماہم کی شادی کے دن قریب آتے جا رہے تھے دل کی بے چینی بڑھتی ہی جا رہی تھی پہلے پہل تو وہ طیب کے نام پر ماہم کے چہرے پر کھلنے والے رنگوں سے حسد محسوس کرتا تھا، لیکن اب تو ماہم کو نہ پانے کا دکھ اس رقابت کے حسد سے کہیں زیادہ تھا، شہر بانو کہتی۔

"حیدر آج رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھانا۔" تو وہ مکمل طور پر بھول جاتا، انکل کی دوائیاں لانا بھی بھول جاتا، گھر سے جم جانے کے لئے نکلتا جب ادھوری خواہش کا ماتم کر کے واپس لوٹتا تو خود کو نہر کے ویران کنارے پر کھڑا پاتا، دل و دماغ کو مصروف رکھنے کے ارادے سے اگر شاپنگ کے لئے نکلتا تو مال پر یونہی گھوم پھر کر واپس آ جاتا ظالم سوچیں تب بھی ساتھ ہی رہتیں، زندگی جیسے ایک انسان کی محبت تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہو اور وہ اپنے دکھ میں جیسے قید ہو گیا ہو۔

وقت کو بھی جیسے پر لگ گئے تھے، ہر گزرتا دن اس کی بے چینی میں اضافہ ہی کرتا تھا، شاہ زین کی طرف جاتا تو دیوار کے پار شادی کا ہلا گلا ہوتا، ماہم شہر بانو کو اپنی شادی کی تیاریاں خوشی سے دکھاتی اور وہ یونہی بے چین واپس لوٹ آتا۔

"حیدر بیٹا کیا ہوا؟" مما اسے گم صم حالت میں دیکھ کر پوچھتیں۔

"کچھ بھی تو نہیں ہوا۔" وہ کھویا کھویا سا جواب دیتا اور مما کے سامنے سے ہٹ جاتا، یونہی بے مقصد إدھر اُدھر گھومتا رہتا، مہندی کی رات وہ شاہ زین کی طرف نہیں گیا تھا، شاہ زین اور شہر بانو کو یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ طبیعت خراب ہے، لیکن طیب کو کیسے ٹالتا جو اس کے کسی بھی بہانے کو نہیں

مان رہا تھا۔

''اگر تم آج نہیں آئے تو میں سمجھوں گا کہ تمہارا دوستی کا دعویٰ جھوٹا تھا۔'' انسان ہمیشہ اپنے اردگرد مختلف قسم کے رشتوں کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے، اسے بھی مجبور ہو کر چاروناچار آنا ہی پڑا تھا، رنگ خوشیاں قہقہے مکمل اور بھرپور منظر تھا، سب بہت خوش تھے۔

''پھر دیکھا شاہ زین بلا ہی لیا نا حیدر کو اگر آج تم نے آتے تو میں زندگی بھر تم سے بات نہیں کرتا۔'' طیب فاتحانہ انداز میں مسکرایا تو حیدر نے ہاری ہوئی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا لیا۔

''طیب بیٹا ذرا ادھر آنا۔'' پروفیسر صاحب اور طاہرہ آنٹی برآمدے میں سیڑھیوں کے پاس کھڑے اسے بلا رہے تھے تو طیب ان سے معذرت کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا، سارے گھر کو کسی دلہن کی طرح سجایا گیا تھا، مہندی کی تقریب کا انتظام گھر کے وسیع صحن میں ہی کیا گیا تھا، جبکہ برات اور ولیمے کی تقریب کے لئے ہال بک کروایا گیا تھا، طیب مہندی کے جوڑے میں ملبوس گلے میں میرون اور پیلا دوپٹہ پہنے سب سے مسکرا مسکرا کر مل رہا تھا اور مبارکباد وصول کر رہا تھا، حیدر نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، شاید وہ بھی کہیں کسی سے بات کرتی ہوئی نظر آجائے لیکن وہ کہیں نہیں تھی، حیدر خاموشی سے ایک کونے میں رکھی کرسی پر بیٹھ گیا، جب وہ اسے مہندی کے پیلے جوڑے میں ملبوس اپنی دوستوں کے ہمراہ کمرے سے نکلتی دکھائی دی، سرخ چمکدار دوپٹے کے نیچے جسے اردگرد سے دوستوں نے پکڑ رکھا تھا اور وہ درمیان میں کسی مہارانی کی طرح موجود تھی، چہرے پر دلفریب مسکراہٹ لئے بڑی نزاکت سے پھولوں کے بنے خاص رستے پر چلتی ہوئی سٹیج کی طرف آرہی تھی، ایک دم اسے لگا جیسے سب کچھ پس پردہ چلا گیا ہو، صرف وہی ایک مسکراتا ہوا چہرہ ہو، آنکھوں کی جیسے پیاس بجھ گئی ہو، دل میں جو بے چینی سی تھی اسے سکون مل گیا تھا، وہ مبہوش مسکراتی ہوئی طیب کے پہلو میں جا بیٹھی تھی حیدر نے اپنی آنکھیں بند کر لی اور اپنے نادان دل کو حقیقت سمجھانے لگا، اسے یہ بتانے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ اب کبھی بھی اس کی نہیں ہو سکے گی۔

''ارے میاں یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہو، اٹھو رسم میں حصہ لو۔'' جب اس نے آنکھیں کھولیں تو منظر بالکل ویسا ہی مسکراتا خوشیوں بھرا تھا، وہ کتنے ہی لمحے اس کے عکس کو اپنی آنکھوں میں قید کرنے کی کوشش کرتا رہا، ہوش تب آیا جب رشید چاچا کی آواز سنائی دی۔

''جی میں بس آ رہا ہوں۔'' حیدر نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی، لب محض پھیلے ہی تھے، دوسروں کے لئے مسکرانا بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن وہ کوشش کر رہا تھا، کچھ دوسروں کے لئے بھی مسکرا رہا تھا اور کچھ اپنے اندر اٹھتی درد کی ٹیسوں کو چھپانے کی بھی کوشش کر رہا، رشید چاچا اپنی ہی دھن میں آگے بڑھ گئے، آج تو وہ بھی بہت خوش دکھائی دے رہے تھے، حیدر نے سٹیج کی طرف دیکھا شاہ زین اور شہربانو بھی سٹیج پر بیٹھے ہوئے تھے، شہربانو نے ہلکے فیروزی رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا جس کے گلے پر براؤن کمبینیشن سے کڑھائی کی گئی تھی، جبکہ دوپٹے پر دونوں رنگ موجود تھے، بالوں کی چٹیا بنا کر اسے سفید چمکدار موتیوں سے آراستہ کیا ہوا تھا، چٹیا کندھے کے ایک طرف تھی اور موتیوں کی چمک

اسے مزید دلکش بنا رہی تھی، جبکہ شاہ زین براؤن کلر کا کرتا زیب تن کیے ہوا تھا، طیب نے شاید کوئی شوخ فقرہ ماہم سے کہا تھا جو شرم کی لالی اس کے چہرے پر بکھر گئی تھی، جبکہ شہربانو نے مسکراتے ہوئے کیک کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کیک کا ٹکڑا پہلے ماہم اور پھر طیب کے منہ میں ڈالا۔

''تھینک یو بھابھی۔'' طیب مسکرایا۔

مہندی لگانے کے بعد شاہ زین نے رسم پوری کی، وہ اب دولوں سے مسکرا کر باتیں کر رہے تھے، پروفیسر صاحب اور طاہرہ آنٹی ایک طرف کھڑے فراز احمد (ماہم کے والد) سے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے، سٹیج پر ہی ایک طرف رکھی کرسی پر بیٹھا عادل اپنے دوست کامران سے گپیں لگا رہا تھا، کتنا بھرپور منظر تھا کسی نے نوٹس نہیں کیا تھا کہ حیدر موجود نہیں ہے، کسی نے اس کی کمی کو محسوس نہیں کیا تھا، حیدر خاموشی سے اٹھ کر وہاں سے چلا آیا، شاہ زین نے اسے وہاں سے جاتے دیکھا۔

☆☆☆

حیدر نے بغیر آواز کے گیٹ کھولا، گاڑی شاہ زین کی طرف ہی کھڑی تھی، گیراج کی لائٹس آن تھیں، وہ کچھ دیر تنہا صرف اور صرف اپنی محرومیوں کے ساتھ رہنا چاہتا تھا، وہ لان میں بینچ پر آ کر بیٹھ گیا، اس ایک شخص کے نہ ملنے سے جو کمی پیدا ہوئی تھی اس ایک کمی کی وجہ سے باقی سارے Coplexs بھی اس پر حاوی ہونے لگے تھے، اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے، آج وہ خود کو بہت کمزور محسوس کر رہا تھا، جذبوں میں شدت زیادہ تھی جبکہ اس کی مزاحمت بہت تھوڑی اور کمزور تھی، کتنی ہی گھڑیاں یونہی بے آواز روتے ہوئے بیت گئیں تھیں، اچانک سے اپنے کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا، اس نے مڑ کر دیکھا شاہ زین اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

''حیدر تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' شاہ زین نے پریشانی سے پوچھا۔

''ہاں ٹھیک ہوں۔'' حیدر سے بامشکل بولا گیا تھا۔

''حیدر کیا ہوا تم رو رہے ہو؟'' شاہ زین نے اس کے گلے میں نمی محسوس کر لی تھی۔

''نن.....نن..... نہیں تو۔'' حیدر نے منہ موڑ کر اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

''تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟'' شاہ زین نے حیدر کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف موڑا۔

''ادھر بیٹھو۔'' شاہ زین نے حیدر کو بازو سے پکڑ کر بینچ پر بٹھایا اور پھر خود بھی بیٹھ گیا۔

''مجھے نہیں بتاؤ گے۔'' شاہ زین پورے حق اور مان کے ساتھ بولا تو حیدر اس سے لپٹ گیا، پہلی بار وہ اتنا بے اختیار ہوا تھا، کتنے ہی پل وہ یونہی بے آواز روتا رہا تھا، شہربانو گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو لان میں حیدر اور شاہ زین کو دیکھ کر وہیں رک گئی۔

''ہاں اب بتاؤ کیا ہوا ہے؟'' کافی دیر کے بعد جب حیدر اس سے الگ ہوا تو شاہ زین نے پوچھا۔

''زین محبت اتنی بے اختیار کیوں ہوتی ہے؟ جو قسمت میں نہ ہو آنکھیں اس کے خواب ہی کیوں دیکھتی ہیں؟ ایسا کیوں ہوتا ہے۔'' حیدر بے بسی سے بولا تو شاہ زین نے بے ساختہ اسے خود سے لپٹا لیا۔

اسے ماہم سے حیدر کا گریز پھر بار بار اس کے ذکر پر چونکنا باتوں باتوں میں اس کا ذکر چھیڑ دینا سب کچھ یاد آ رہا تھا، شاہ زین نے مضبوطی

سے حیدر کا ہاتھ تھام لیا۔
"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"
"پہلے بتاتا تو تم کیا کر لیتے؟ کیا تم کچھ کر سکتے تھے؟" شاہ زین نے حیدر کی طرف دیکھا، اتنی بڑی بات اس نے دل میں چھپا رکھی تھی اور پھر سر جھکا لیا، وہ واقعی ہی کچھ نہیں کر سکتا تھا، ماہم اور طیب بخوشی ایک دوسرے کی زندگی میں شامل ہو رہے تھے، وہ طیب کو صرف دوست کہتا ہی نہیں بلکہ دل سے مانتا تھا، ایک طرف طیب کی خوشیاں تھیں تو دوسری طرف حیدر کی یکطرفہ خاموش محبت۔
"کم آن یار تم پریشان کیوں ہوتے ہو محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔" حیدر نے شاہ زین کو پریشان دیکھا تو زبردستی مسکرانے کی کوشش کی، دیوار کے پار میوزک کا والیوم تیز کر دیا گیا تھا، شہربانو نے اپنے بہتے ہوئے آنسو پونچھے، اس کی کلاس میں حیدر واحد لڑکا تھا جس کے بارے میں پروفیسر کہتے تھے۔
"تمہاری قوت ارادی بہت زیادہ ہے تم عملی زندگی میں بہت کامیاب ہو گے۔" کلاس کے جتنے بھی مشکل پروجیکٹس ہوا کرتے تھے حیدر انہیں سب سے پہلے اور بہت آسانی سے کر لیا کرتا تھا، مضبوط نظر آنے والا حیدر اس کی سوچ سے بھی زیادہ مضبوط تھا، محبت کے اتنے بڑے دکھ کو خاموشی سے جھیل گیا تھا اور اب شاہ زین کو کہہ رہا تھا۔
"کم آن یار محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔" اتنا بڑا ظرف حیدر کا ہی ہو سکتا تھا، شہربانو کا دل چاہا کہ کہیں سے بھی حیدر کے لئے خوشیاں مانگ لائے، لیکن بے بس سے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے، کچھ بھی انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا اور خوشیاں تو بالکل بھی نہیں، انسان بس وقت کی کشتی میں زندگی کا سفر طے کرتا رہتا ہے اور پیش آنے والے حادثات و واقعات کو جھیلتا ہوا سفر کو جاری رکھتا ہے، اس سفر کا کوئی ساحل نہیں ہوتا جہاں کشتی ڈوبی زندگی کے سفر کا بھی اختتام ہو گیا۔
"حیدر تم اتنے اچھے کیوں ہو اتنی اچھائی انسان کو زیادہ دکھ دیتی ہے۔" شاہ زین حیدر کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

پچھلے ایک گھنٹے سے وہ لان میں بے مقصد ادھر سے اُدھر چکر لگا رہا تھا، عصر کا وقت تھا وہ منتشر سوچوں کے ساتھ غیر ارادی طور پر اپنے ہاتھ میں پکڑا پتہ مسل رہا تھا، جب ملازم نے پیچھے سے پکارا۔
"صاحب جی!"
"ہاں۔" حیدر واپس مڑا۔
"آپ کا فون کب سے بج رہا ہے۔" ملازم نے بجتا ہوا فون حیدر کی طرف بڑھایا، حیدر نے موبائل پکڑ کر دیکھا، سکرین پر شاہ زین کا نام جگمگا رہا تھا۔
"ہیلو۔" حیدر نے کال ریسیو کی۔
"بدتمیز انسان کدھر تھے تم پچھلے آدھے گھنٹے سے کال کر رہا ہوں کوئی جواب ہی نہیں۔" شاہ زین بولا۔
"ہاں...... میں...... وہ......" حیدر کو سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔
"ایک خوشخبری ہے۔"
"خوشخبری؟"
"ہاں تم چچا بننے والے ہو۔" شاہ زین نے پرجوش ہو کر بتایا تھا، وہ کتنا خوش تھا یہ اس کے لہجے سے بھی عیاں تھا۔

''سچ کہہ رہے ہونا۔'' حیدر بے یقینی سے بولا۔

''شہربانو کی قسم سچ کہہ رہا ہوں۔'' شاہ زین نے یقین دلایا۔

''مم......مم...... میں بس ابھی آیا۔'' خوشی کی وجہ سے حیدر کے منہ سے لفظ بھی بامشکل ادا ہوئے تھے، حیدر سامنے کھڑے ملازم کے گلے لگ گیا۔

''غلام نبی آئی ایم سوہپی، سوہپی۔'' حیدر نے ملازم کو گول چکر دیا اور اندر کی طرف گاڑی کی چابیاں لینے چلا گیا، جبکہ غلام نبی نے حیرت سے اسے اندر جاتے دیکھا، تھوڑی ہی دیر میں حیدر شاہ زین کی طرف پہنچ گیا تھا، شہربانو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی جبکہ طاہرہ آنٹی اس کے پاس ہی بینچ پر بیٹھی ہوئی تھیں، جبکہ شاہ زین بھی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

''ہو...... ہو۔'' شاہ زین حیدر کو دیکھ کر ہونٹنگ کرتا ہوا اس کے گلے لگ گیا، دونوں طاہرہ آنٹی اور شہربانو کی موجودگی سے یکسر بے خبر اور لاپرواہ ایک دوسرے کے گلے لگے ایک دوسرے کو چکر دے رہے تھے اور اچھل بھی رہے تھے، طاہرہ آنٹی اور شہربانو نے ہنستے ہوئے دونوں کی دیوانگی کو دیکھا جو خوشی سے پاگل ہوئے جارہے تھے، دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئے اور ہنستے ہوئے ایک بار ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔

''اچھا بیٹا اب میں چلتی ہوں تم شہربانو کی صحت کا بہت خیال رکھنا اور بیٹی تم خود بھی بہت خیال رکھنا۔'' طاہرہ آنٹی ناصحانہ انداز میں بولیں تو شہربانو نے مسکراتے ہوئے ہاں میں سر ہلایا، آج تو مسکراہٹ کا انداز ہی انوکھا تھا خوشیوں کے کتنے ہی رنگ اس کے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔

''اور ہاں یاد سے صدقہ دے دو خوشیوں کو نظر نہیں لگتی۔'' پا آنے طاہرہ آنٹی واپس مڑتے ہوئے شاہ زین سے بولیں تو شاہ زین نے جی کہتے ہوئے ہاں میں سر ہلا دیا تو طاہرہ آنٹی کمرے سے باہر نکل گئیں، شاہ زین انہیں دروازے تک چھوڑ کر آیا اور واپس آ کر سب سے پہلے والٹ سے صدقے کے لئے پیسے الگ کئے۔

''شہربانو بہت بہت مبارک ہو۔'' حیدر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''تھینک یو۔'' شہربانو مسکرا دی، شاہ زین بھی ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

''تم نے انکل آنٹی کو بتایا؟''

''نہیں ابھی تو نہیں بتایا۔'' حیدر کے پوچھنے پر شہربانو نے بتایا۔

''تم نے طاہرہ آنٹی کی بات سنی نا کہ تمہیں اپنی صحت کا خاص خیال رکھنا ہے لہٰذا تم آج کے بعد گھر کا کام بالکل بھی نہیں کرو گی میں نسرین سے کہہ دوں گا وہ صفائیاں کر دیا کرے گی، برتن بھی دھو جایا کرے گی، کھانے کی تم فکر نہ کرو میں بہت اچھی کوکنگ کر لیتا ہوں، آج کے بعد اپنا اور تمہارا کھانا میں خود بنایا کروں گا۔'' شاہ زین ناصحانہ انداز میں بول رہا تھا۔

''اتنے تو کام ہی نہیں ہوتے اور تم کھانا کیسے بناؤ گے آفس سے تھکے ہارے لوٹو گے تو کیا کھانا بناؤ گے میں کام کر سکتی ہوں۔''

''میں کوشش ضرور کر لوں گا اگر نہ ہو سکا تو کک کا ارینج کر لوں گا، تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں تم مکمل آرام کرو گی۔''

''میں سارا دن فارغ کیسے بیٹھوں گی۔''

"بیٹھنا تو پڑے گا یہ ضروری ہے۔"

"بلکہ آج شام کا کھانا میں اور شاہ زین مل کر بنائیں گے۔" حیدر نے تجویز دی تو شاہ زین نے متفق ہوتے ہوئے ہاں میں سر ہلایا تو شہر بانو مسکرا دی، دل ہی دل میں اس نے اپنی خوشیوں کے لئے ڈھیروں ڈھیر دعائیں مانگ ڈالیں تھیں، ان خوشیوں کے دل ہی دل میں صدقے اتارے تھے۔

"باتیں تو ہوتی رہیں گی پہلے منہ تو میٹھا کر لوں۔" حیدر میز پر پلیٹ میں رکھی مٹھائی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

☆☆☆

"میری ایک بات تو تم سن لو بیٹا ہو یا بیٹی نام رکھنے کا حق صرف چاچا کو حاصل ہے۔" حیدر کھیرا کاٹتے ہوئے بولا۔

"تم سے کس نے کہا کہ یہ حق صرف چاچا کو حاصل ہے بابا خود نام تجویز کریں گے۔" شاہ زین نے چاول بھگو کر ایک طرف رکھے اور پھر پیاز چھیلنے لگا۔

"میں کہہ رہا ہوں ناں۔" حیدر نے کھیرے کا ٹکڑا منہ میں رکھا۔

"اور ہاں تم دونوں اپنے دل سے یہ خواہش تو بالکل ہی نکال دو کہ نام تم دونوں رکھو گے اپنے شہزادے یا شہزادی کا نام چاچو خود رکھیں گے۔" حیدر رعب ڈالتے ہوئے بولا۔

"اپنی یہ خواہش پوری کر لینا۔" شاہ زین پیاز کاٹتے ہوئے مسکرا کر بولا اور آنسو پونچھے اور پھر کٹی ہوئی پیاز کو دیگچی میں ڈال کر گھی ڈالا اور چولہے پر رکھ دیا۔

"میں تم سے پوچھ نہیں رہا تمہیں بتا رہا ہوں۔" حیدر نے فریج سے گوشت کا پیکٹ نکال کر شاہ زین کو پکڑایا۔

"ویسے زین میں سوچ رہا ہوں کہ بے بی جب بولنا سیکھے گا تو سب سے پہلے کس کا نام بلائے گا۔" حیدر وہیں فریج کے پاس کھڑا بولا۔

"ظاہری سی بات ہے کہ سب سے پہلے اپنے بابا کا نام بلائے گا پلیز یہ مت کہہ دینا کہ چاچو بلائے گا۔"

"ہو بھی سکتا ہے۔" حیدر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا اور فریج سے دودھ نکالا۔

"جی نہیں وہ نہ تو بابا کا نام بلائے گا اور نہ ہی چاچو کہے گا وہ سب سے پہلے اپنی مما کا نام لے گا۔" شہر بانو کچن کے دروازے میں کھڑی بولی، تو دونوں نے مڑ کر شہر بانو کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا دیئے۔

"او ہو تم یہاں کیوں آئی ہو بہت گرمی ہے یہاں تم لاؤنج میں جا کر بیٹھو۔"

"ارے بابا کچھ نہیں ہوگا۔"

"شاہ زین ٹھیک کہہ رہا ہے، تم چلو ہم بھی وہیں آتے ہیں تھوڑی دیر تک۔" حیدر نے کیبن سے دیگچی نکالی اور اس میں دودھ ڈال کر چولہے پر رکھا۔

"ویسے تم دونوں کوکنگ کرتے ہوئے بہت سگھڑ اور سلیقہ شعار لگ رہے ہو۔" شہر بانو جاتے جاتے بولی۔

"شکریہ ویسے تم نے یہ تعریف کی ہے یا طنز۔" شاہ زین پیچھے سے بولا۔

"کی تو تعریف ہے، تم جو سمجھ لو۔" شہر بانو جواباً بولی اور لاؤنج میں صوفے پر آ کر بیٹھ گئی اور ٹی وی آن کر لیا، شہر بانو بظاہر تو ٹی وی دیکھ رہی تھی لیکن اس کا سارا دھیان کچن میں کام کرتے حیدر اور شاہ زین کی طرف تھا، جو کام کے ساتھ ساتھ

مسلسل آنے والے ننھے مہمان کی باتیں کررہے تھے، کبھی اس کی شکل کا اندازہ لگاتے کہ کس جیسی ہوگی تو کبھی بڑا ہو کر کیا بنے گا۔

''بزنس میں ڈاکٹر، ایتھلیٹ، آرٹسٹ۔''

شہربانو کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی، کچن سے پلاؤ کی زبردست قسم کی خوشبو آرہی، شہربانو نے دل ہی دل میں شاہ زین کو سراہا، جبھی اسے لاؤنج کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی اس نے صوفے پر بیٹھے بیٹھے مڑ کر دیکھا تو پھر جیسے واپس دیکھنا بھول گئی ہو، دروازے پر حسن علی اور رخشندہ ناز کھڑے تھے۔

''آپ؟'' شہربانو غیر یقینی لہجے میں بولی اور پھر قریب جا کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' رخشندہ ناز نے سلام کا جواب دیا جبکہ حسن علی نے اس کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔

سامنے کھڑی یہ معصوم سی لڑکی ان کے بیٹے کی پسند تھی، ان کا پچھتاوا کچھ اور بڑھ گیا کہ کاش وہ اس کی بات مان لیتے تو اس کا مان بھی رہ جاتا۔

''آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں آئیے نا اندر۔'' شہربانو کے کہنے پر حسن علی اور رخشندہ ناز لاؤنج میں ہی صوفے پر آکر بیٹھ گئے۔

''شہربانو آج تم میری لذیذ کھیر کھانا قسم سے بہت ٹیسٹی لگ رہی ہے۔'' حیدر کھیر میں چمچ ہلاتے ہوئے با آواز بلند لاؤنج میں بیٹھی شہربانو سے بولا۔

''تھوڑی شوخیاں مارو طریقہ تو سارا میں نے تمہیں بتایا تھا۔''

''لو بھلا اس میں طریقے کی کیا بات ہوئی طریقہ تو کھیر کے ڈبے پر لکھا تھا۔''

''یہ بھی تو میں نے ہی بتایا تھا کہ طریقہ اوپر ہی لکھا ہوا ہے تمہارا کیا کمال ہوا۔'' شاہ زین نے پلاؤ کا دم کھولا جبکہ حیدر نے کھیر باؤل میں ڈالی، کام کرتے ہوئے ان کی نوک جھونک جاری تھی۔

''شہربانو آج تم ہمارے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھاؤ گی تو انگلیاں چاٹ......'' شاہ زین چاولوں والا چمچ پکڑے کچن کے دروازے میں آیا تو سامنے لاؤنج میں دیکھ کر فقرہ ادھورا ہی رہ گیا۔

''اف پیچھے ہٹو بہت گرمی لگ رہی ہے پنکھے کے نیچے جانے دو۔'' حیدر کھیر گارنش کرنے کے بعد مڑا تو وہ بھی جیسے کچھ لمحوں کے لئے پتھر کا ہو گیا ہو، شاہ زین واپس کچن میں آگیا، اچانک سے اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں، اس نے چمچ کچن کے درمیان میں رکھے میز پر رکھ دیا، حیدر نے مڑ کر شاہ زین کی طرف دیکھا، وہ شاہ زین کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا، اس لئے اندازہ بھی نہیں کر پایا تھا کہ شاہ زین کیا محسوس کررہا ہے لیکن اتنا ضرور اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جو بھی محسوس کررہا ہے اچھا ہرگز نہیں ہے، حیدر لاؤنج میں آگیا۔

''السلام علیکم!'' حیدر نے ہلکے سے اجتماعی سلام کیا اور ایک طرف رکھے صوفے پر بیٹھ گیا، وہ بھی غیر یقینی صورتحال سے دوچار تھا، انکل حسن کا تو اسے اندازہ تھا کہ وہ شاہ زین کی ناراضگی کو دور کرنے کے لئے آنے کا ارادہ رکھتے ہیں، لیکن مما کا ساتھ آنا اس کے لئے انوکھی بات تھی، شہربانو اٹھ کر کچن میں چلی آئی، شاہ زین اسی طرح میز کے پاس کھڑا تھا، شہربانو نے اس سے کچھ بھی کہے بغیر حسن علی اور رخشندہ ناز کو سرو کرنے کے لئے فریج سے کولڈ ڈرنکس نکالیں۔

''Be brave۔'' شہربانو نے شاہ زین کی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھا اور پھر ایک لمحہ

رک کر شاہ زین سے کہا اور باہر نکل آئی، شاہ زین نے آنکھوں میں آئے آنسو صاف کیے اور خود کو مضبوط کرتا ہوا لاؤنج میں آ گیا۔

''السلام علیکم!'' شاہ زین نے اپنی آواز کو نارمل رکھنے کی پوری کوشش کی تھی، وہ حیدر کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا، کچھ دیر کے لئے لاؤنج میں مکمل خاموشی چھا گئی تھی، کسی کو بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے، سبھی ایک دوسرے سے نظریں چرائے بیٹھے تھے۔

''میں جانتا ہوں کہ میں بہت برا ہوں لیکن شاہ زین بیٹا مجھے ایک بار معاف کر دو اور واپس چلو۔'' شاہ زین نے پاپا کی جھکی ہوئی نظریں دیکھیں تو اپنی گردن جھکا لی، دل میں درد کی ٹیسیں اٹھی۔

''اس میں حسن کا کوئی قصور نہیں ہے آج تک جو بھی ہوا ہے سب میری وجہ سے ہوا ہے تم جو چاہو سزا دو مم...... مم...... میں وہ گھر ہی چھوڑ دوں گی وہ گھر تمہارا ہے تمہارا ہی رہے گا۔'' رخشندہ ناز کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، شاہ زین نے رخشندہ ناز کے چہرے پر بہتے آنسوؤں کو دیکھا وہ تو کبھی نہیں روئی تھیں، ہمیشہ ایک غرور سے ان کی گردن تنی رہتی تھی، چلتی تھیں تو ایسے جیسے دنیا ان کے سامنے بہت چھوٹی ہو، وہ آج شاہ زین سے معافی مانگ رہی تھیں۔

''کیوں؟ اب کیوں؟'' شاہ زین کے اندر ایسے بہت سے سوال ابھر رہے تھے۔

''آپ دونوں مجھ سے کیوں معافی مانگ رہے ہیں میری ذات اتنی بڑی نہیں کہ معاف کرنے کی مجاز ہو، آپ نے کیا کیا ہے، کچھ بھی تو نہیں کیا، مجھے میرا مقام بتایا تھا اگر میں آپ کی نظروں میں اپنا مقام دیکھ کر شرمندہ ہوا تھا تو یہ آپ کا نہیں میرا فالٹ تھا بہت برا ہوں میں جو سب کو تنگ کیا۔'' اس نے پاپا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اسے پاپا کا شرمندہ سا چہرہ کمزور سا لہجہ بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا، اس نے ہمیشہ سے پاپا کو تنی ہوئی گردن کے ساتھ دیکھا تھا، ان کی باتوں میں ایک رعب ہوا کرتا تھا جو سامنے والا اپنے دل پر محسوس کرتا تھا، وہ پاپا کو ان کی اسی شان میں پسند کرتا تھا۔

''اور آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا یہی کرتا، آپ معافی کیوں مانگ رہی ہیں خوش رہیں میں نے پہلے ہی زندگی کے بہت سے سال ضائع کر دیئے۔'' اس نے گلے میں آئی نمی کو اندر اتارا اور رخشندہ ناز سے مخاطب ہوا۔

''آپ کی بنائی ہوئی بڑی دنیا میں میرا وجود بہت چھوٹا تھا، لیکن میرے اس چھوٹے سے آنگن میں میری بہت اہمیت ہے، آپ کو میری کمی کیوں محسوس ہونے لگی، میرے لوٹ آنے سے کیا ہوگا اچھا نہیں ہے آپ کے گھر میں بھی سکون ہوگا ہر وقت لڑتا جھگڑتا جو رہتا تھا۔'' شاہ زین تلخی سے ہنسا اور آنکھیں رگڑیں جو آنسوؤں سے بھری تھیں۔

''میرا مقصد آپ کو مزید شرمندہ کرنا نہیں ہے میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں بہت چھوٹا ہوں سزا جزا کا حق میرے پاس نہیں ہے اور پھر آپ دونوں تو بڑے ہیں ایسا کہہ کر مجھے شرمندہ کر رہے ہیں، اگر ہو سکے تو میری غلطیوں کو معاف کر دیں۔''

''جب بچوں سے غلطی ہوتی ہے تو بڑے معافی دینے نہ دینے کے مجاز ہوتے ہیں لیکن اگر بڑوں سے غلطی ہو جائے تو وہ کس سے معافی مانگیں؟'' پاپا کے پوچھنے پر شاہ زین نے ایک بار

پھر نظریں جھکا لیں، دل چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے اور کہے پلیز پاپا ایسا مت کہیں مجھے تکلیف ہو رہی ہے، لیکن پچھلے ڈیڑھ سال میں اس نے اپنے درد چھپانے بھی سیکھ لئے تھے۔

"شاہ زین پلیز ایک بار معاف کر دو یا سزا دے دو لیکن واپس لوٹ چلو ورنہ میں زندگی میں کبھی کسی سے نظریں نہیں ملا سکوں گی، میرا ضمیر مجھے ہر وقت ملامت کرتا رہتا ہے کہ میں نے کسی کا حق مارا ہے میں اس گناہ کے بوجھ کے ساتھ جینا نہیں چاہتی، ایسے جینا بہت مشکل ہے، تمہیں تمہاری ماں کا واسطہ ایک ماں کو اپنے بیٹے کی نظروں سے سرخرو کر دو۔" رخشندہ ناز شاہ زین کے قدموں میں آ بیٹھیں اور گڑگڑائیں، حیدر نے آنکھیں بند کر لیں تھیں۔

"کیا کر رہی ہیں آپ، پلیز آپ ایسا مت کریں۔" شاہ زین بوکھلا سا گیا، اس نے جلدی سے رخشندہ ناز کو کندھوں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا، حیدر وہاں سے اٹھ گیا، شاہ زین نے پچھلے صحن کی طرف جاتے حیدر کو دیکھا۔

"اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ کے دل کو سکون میرے معاف کرنے سے مل سکتا ہے تو میں نے آپ کو معاف کیا، لیکن میں اس گھر میں واپس لوٹ کر نہیں جا سکتا۔" شاہ زین کہنے کے بعد وہاں رکا نہیں تھا، جبکہ پاپا اپنے آنسو پونچھتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئے۔

"سدا خوش رہو۔" رخشندہ ناز نے ایک طرف خاموشی سے کھڑی شہر بانو سے کہا اور اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے، لاؤنج میں صرف شہر بانو رہ گئی تھی، شاہ زین پچھلے صحن میں گیا تو حیدر ستون کے ساتھ کھڑا اپنے آنسو پونچھ رہا تھا۔

''زین اگر حقیقی خوشیاں چند قدم کے فاصلے پر ہوں تو انسان کو اپنا ظرف بڑا کر کے انہیں حاصل کر لینا چاہیے۔'' حیدر نے سرخ ہوتی آنکھوں سے شاہ زین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پینٹ کی جیب سے گاڑی کی چابی نکالتا ہوا وہاں سے چلا گیا، جبکہ شاہ زین وہیں ستون کے پاس سیڑھیوں پر بیٹھ کر بے آواز رونے لگا، شہر بانو اس کے برابر سیڑھیوں پر آ کر بیٹھ گئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''شہری ایک بات بتاؤ کیا میں بہت برا ہوں؟'' شاہ زین نے نم لہجے میں شہر بانو سے پوچھا۔

''نہیں تم تو بہت اچھے ہو۔'' اس لمحے وہ شہر بانو کو ایک معصوم بچے جیسا لگا جسے اپنی معصومیت کا خود ہی اندازہ نہ ہو، شہر بانو کے کہنے پر اس نے شہر بانو کے کندھے پر سر رکھ دیا اور سسکیوں کے ساتھ رونے لگا۔

''دوست بن کر ایک مشورہ دوں۔'' شہر بانو نے اپنی نم آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا اور اپنا بازو شاہ زین کے کندھے کے گرد پھیلا لیا۔

☆☆☆

اس نے بے دلی سے پیکنگ کی اور سوٹ کیس کو ایک طرف رکھ کر یونہی سر جھکا کر بیٹھ گیا، فلائٹ کا ٹائم ہونے والا تھا، نیچے مما اور انکل اس کا انتظار کر رہے تھے اور اسے نیچے جانے کا مرحلہ انتہائی مشکل لگ رہا تھا، شاہ زین نے اس سے وعدہ لے کر اسے پابند کر دیا تھا، اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے، اس نے اپنی آنکھیں خشک کیں، پاسپورٹ اور باقی کاغذات چیک کیے اور فریش ہونے چلا گیا، اس نے بلیک پینٹ پر لائٹ پنک کی شرٹ پہنی تھی، بیڈ پر رکھی ٹائی لگائی اور پرفیوم کا چھڑکاؤ کیا۔

''اگر ماہم ہوتی تو.....'' ایک سوچ اس کے ذہن میں آ ہستگی اور دل ایک بار پھر مچلنے لگا، کچھ دیر خود کو یونہی آئینے میں دیکھتا رہا اور پھر اپنے دل و دماغ کو ڈانٹا اور خود کو محبت کے سحر سے آزاد کرتا ہوا الماری کی طرف مڑا اور کوٹ نکالا اور پہن لیا، وہ کسی اداس شہزادے کی مانند لگ رہا تھا جس کا کسی نے قیمتی سامان لوٹ کر اسے کسی ویرانے میں چھوڑ دیا ہو، اس کی تیاری مکمل تھی لیکن نیچے جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، وہ کھڑکی کے پاس آ گیا اور کھڑکی کھول کر چند لمبی سانسیں خارج کیں اور اپنی سابقہ زندگی پر ایک نظر دوڑائی۔

زندگی انوکھے واقعات و حادثات کا دوسرا نام ہے، ہر واقعہ ہر حادثہ زندگی کا نیا روپ اوڑھے ہوتا ہے، پاپا کی وفات کے بعد زندگی نے ایک نیا موڑ لیا، وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کرنے لگا تھا، پھر مما نے دوسری شادی کر لی تو زندگی سے اور بھی خوف آنے لگا، لیکن پھر زندگی نے اسے شاہ زین جیسا پکا اور سچا دوست دیا، ان کی دوستی پر شاہ زین اور مما کی آپس کی لڑائی نے بھی کوئی اثر نہیں کیا، بہت مشکل وقت بھی آیا لیکن دوستی کا یہ رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا، جس دن شاہ زین نے اسے شہر بانو کے لئے اپنی پسندیدگی کے بارے میں بتایا تو وہ دن اس کی زندگی کے چند بہت اچھے دنوں میں سے ایک تھا پھر شاہ زین کے چلے جانے کے بعد اسے ایک بار پھر زندگی سے بوریت اور بے چینی ہونے لگی، وہ سارے کام کرتا لیکن بے دلی سے، اس نے

شاہ زین کو ڈھونڈنے میں اپنی ساری کوشش کیں اور بہت سی باتیں بھی سنی، پھر جب لوگوں نے اس کے اور شہر بانو کے دوستی جیسے پاکیزہ رشتے پر کیچڑ اچھالا اسے غلط رنگ دیا تب اسے لگا کہ زندگی بہت ہی بری ہے اسے سب سے نفرت ہونے لگی، اس کا دل چاہا کہ ساری دنیا کو جلا کر رکھ کر دے، ان لوگوں کی وجہ سے اس نے اپنی اتنی اچھی دوست کو کھو دیا تھا، یہ زندگی کا بہت ہی کربناک موڑ تھا۔

پھر ایک دن شاہ زین دوبارہ اسے مل گیا، اس کی زندگی ایک بار پھر کھل سی اٹھی، اس دوران بہت سے مشکل مرحلے بھی آئے لیکن وہ پھر سے مسکرانے کی دل سے جینے کی کوشش کرنے لگا لیکن انکل حسن کی بڑھتی ہوئی بے چینی اور مما کی شرمندگی بھری آنکھیں اسے بہت بے چین رکھتیں، پھر ایک دن اس نے ماہم کو دیکھا تو جیسے زندگی سے بھی پیار ہو گیا ہو، زندگی کا سب سے خوبصورت موڑ، ایک بہت ہی انوکھا احساس اندر جاگا تھا، آنکھیں دن رات اسی کے سپنے دیکھتیں، زندگی پھولوں کا ایک گلشن لگنے لگی، بہت ہی خوشگوار اور بہت ہی پیاری بالکل اس خوبصورت چہرے کی طرح، لیکن جلد ہی اس کا خواب ٹوٹ گیا، اس کے خواب کی عمر بھی ایک پھول جتنی تھی، بہت جلد خواب کی پتیاں ہوا میں اِدھر اُدھر بکھر گئیں اور وہ ایک بار پھر خالی ہاتھ رہ گیا، زندگی میں اگر کچھ بھی نہ رہے تو پھر بھی اسے جینا ہی ہوتا ہے، وہ بھی اپنے جینے کا کچھ سامان کرنے لگا، اپنی کھوئی ہوئی خوشیاں ڈھونڈنے کے لئے شاہ زین کو واپس لانے کی کوشش کی تو شاہ زین کے سچ اور وعدے نے جیسے اسے اندر سے ہلا کر رکھ دیا، زندگی کے اس مقام پر اس نے خود پر بھی اعتماد کھو دیا تھا، اس موڑ پر اس نے خود کو بہت بے بس اور لاچار محسوس کیا تھا، زندگی میں آگے ابھی کیا تھا زندگی کے کتنے موڑ کتنے رنگ ابھی باقی تھے وہ نہیں جانتا تھا۔

''زندگی اب نجانے مجھے کس موڑ پر لے کر جانے والی ہے۔'' اس نے نیلے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے خود کلامی کی۔

''اب زیادہ اداس ہونے کی ضرورت نہیں جلدی کرو دیر ہو رہی ہے۔'' پیچھے سے اسے شاہ زین کی جلدی میں آواز سنائی دی۔

''ہاں بس آ رہا.....'' وہ غیر ارادی طور پر جواباً بولا لیکن اس کا فقرہ ادھورا ہی رہ گیا، اس نے حیرانگی سے مڑ کر دیکھا دروازے میں کوئی بھی نہیں تھا، لیکن ابھی اس نے شاہ زین کی ہی آواز سنی تھی، یہ اس کی سماعتوں کا دھوکہ نہیں ہو سکتا، وہ تقریباً بھاگتا ہوا باہر سیڑھیوں تک آیا اور سیڑھیاں اترنے لگا، نیچے سامنے Sitting room میں رخشندہ ناز اور شہر بانو ڈبل صوفے پر بیٹھیں ہوئی تھیں، جبکہ انکل اور شاہ زین سنگل صوفوں پر بیٹھے ہوئے کسی بات پر ہنس رہے تھے، شہر بانو اور رخشندہ ناز کے لبوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ تھی، حیدر نے حیران نظروں سے نیچے جمی محفل کو دیکھا، شاہ زین اسے دیکھ کر مسکرایا، حیدر نے اپنی آنکھیں رگڑیں اور پھر قدرے پھیلا کر دیکھا کہ کہیں یہ خواب نہ ہو۔

''اب جلدی کرو دیر ہو رہی ہے۔'' شاہ زین نیچے سے بولا تو حیدر خوشی سے سیڑھیاں پھلانگتا ہوا واپس کمرے میں آ گیا، اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور نیچے آ گیا، لیکن سب کے چہروں

پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

"یہ گھر تمہارا نہیں ہے۔" شاہ زین سنجیدگی سے بغیر کسی تاثر کے بولا تو حیدر کے چہرے کا رنگ بھی بدلا۔

"یہ گھر میرا بھی نہیں ہے یہ گھر ہم سب کا ہے اور ہم سب مل کر رہیں گے۔" شاہ زین نے مسکرا کر کہا تو حیدر کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔

"اپنا بہت بہت زیادہ خیال رکھنا۔" رخشندہ ناز حیدر کے گلے ملیں اور ماتھا چومتے ہوئے بولیں۔

"پڑھنے جارہے ہو تو پڑھائی جم کر کرنا۔" انکل نے گلے ملتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیا، شاہ زین نے اس کا سوٹ کیس اٹھالیا اور وہ شاہ زین اور شہر بانو کے ساتھ چلتا ہوا باہر گیراج تک آیا۔

"اب جلدی جلدی پڑھ کر واپس آنا میں کسی ماہم جیسی لڑکی کو اپنی دیورانی بنانا چاہتی ہوں۔" شاہ زین نے سامان رکھا اور گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔

"او..... ہوں، ماہم نہیں تو ماہم جیسی بھی کوئی نہیں اور ماہم جیسی تو کبھی مت ڈھونڈنا ورنہ میں ماہم کو کبھی نہیں بھول سکوں گا اور تمہاری دیورانی کے ساتھ انصاف بھی نہیں کرسکوں گا، اگر میرے لئے کوئی لڑکی ڈھونڈنی ہے تو اپنے جیسی ڈھونڈنا۔" کہتے کہتے وہ آخر میں مسکرایا تو شاہ زین اور شہر بانو بھی مسکرا دیئے۔

"چلو اب دیر ہو رہی ہے۔" شاہ زین نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، تو حیدر شہر بانو کو اللہ حافظ کہتا ہوا شاہ زین کے ساتھ گاڑی میں آکر بیٹھ گیا تو شاہ زین نے گاڑی سٹارٹ کی، چوکیدار نے مستعدی سے گیٹ کھول دیا، شاہ زین گاڑی کو گیٹ سے باہر لے گیا۔

"تھینک یو! شاہ زین تم نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کردیا۔"

"حقیقی خوشیاں اگر چند قدم کے فاصلے پر ہوں تو انسان کو اپنا ظرف بڑا کر کے انہیں حاصل کرلینا چاہیے۔" شاہ زین نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا تو حیدر مسکرا دیا۔

"تمہیں ڈراپ کرنے کے بعد ابھی مجھے مولوی صاحب سے بھی ملنا ہے۔"

"کیوں؟"

"قسم توڑی ہے اب کفارہ بھی تو ادا کرنا ہے نا۔" شاہ زین کے کہنے پر حیدر نے شاہ زین کے کندھے پر مکا مارا تو شاہ زین ہنس دیا، حیدر کو اپنے اندر ڈھیروں ڈھیر اطمینان اترتا محسوس ہوا، شاہ زین کو بھی بہت عرصے بعد اپنی ہنسی خالص لگی تھی، جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں تھی، سامنے زندگی مسکرا کر ان کا انتظار کررہی تھی، انہوں نے خوشگوار زندگی کی طرف پہلا قدم بڑھا دیا تھا۔

☆☆☆

احساسِ زیاں
حیا بخاری

کمرے میں کھٹکا سا ہوا تو دلہن بنی، پھولوں کی سیج پر بیٹھی سائرہ خود میں سمٹ گئی۔

"ضرور شاہ زیب ہوں گے۔" ابھی کچھ دیر پہلے دو مرتبہ ایسا ہی کھٹکا ہو چکا تھا، مگر دونوں بار دولہے کی دادی اور بہن تھیں، دادو نے تو بہت ہی خوبصورت جڑاؤ کنگن تحفہ میں دیئے تھے، لیکن بہن نے منہ دکھائی میں اسے صاف بتا دیا تھا کہ اس کا بھائی اس سے بے حد محبت کرتا ہے سو وہ ان دونوں بہن بھائی کے درمیان آنے کی کوشش کبھی نہ کرے، اس نے نائلہ کی بات پلو سے باندھ لی تھی کہ وہ محبتوں پہ یقین کرنے والی لڑکی تھی۔

قدموں کی آہٹ تھی اور کوئی بالکل اس کے قریب آ کر بیٹھا، تو وہ چونک گئی، کسی نے ایک جھٹکے سے اس کا گھونگھٹ الٹ دیا تھا۔

"آئے ہائے بی بی، ابھی تک یہ دس بارہ ہزار کا جوڑا پہنے بیٹھی ہو، کیا حرام کا پیسہ سمجھ رکھا ہے۔" سائرہ نے حیرانگی سے شازیہ بیگم کو دیکھا، جو ابھی کچھ دنوں پہلے اسے اپنی بہو کے روپ میں دیکھنے کے لئے بے قرار تھیں اور صدقے واری جایا کرتی تھیں جب انہوں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا سائرہ کو، پھر منگنی ہوئی تو وہ مزید سائرہ کے قریب ہوئیں اور سائرہ پہ محبتوں کی مزید بارش ہوئی، بقول شازیہ بیگم کے وہ ان کے اکلوتے بیٹے کی بیوی بننے جا رہی ہے، سو اس سے زیادہ عزیز اب انہیں بھلا کون ہوگا، وہ دل ہی دل میں اپنی خوش قسمتی پہ ناز کرتی۔

مگر آج ان کے سخت الفاظ سے دل میں جیسے چھن سے جذبات چکنا چور ہو گئے تھے۔

"اور ہاں ایک ایک زیور سنبھال کے رکھ دینا، خاص کر جو ہماری طرف سے ملے ہیں، ایک ایک پائی جوڑ کر بنائے ہیں، کل کو تمہارے ہی بچوں کے کام آتے ہیں۔" ایک اور تاکید اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"بلکہ ولیمہ خیر سے گزر جائے تو مجھے ہی دے دینا تم، کہیں رکھ کر بھول وول گئیں تب بھی الزام مجھ پہ ہی آئے گا، کہ بہو تو چھوٹی تھی، ساس نے بھی خیال نہیں کیا۔" اس نے آرام سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور آخری بات، نائلہ میری اکلوتی بیٹی ہے اور شاہ زیب اسے بے حد پیار کرتا ہے، وہ شادی شدہ ہے اب خیر سے، مگر آج بھی یہ گھر اس کا اپنا ہے، جب آئے جب جائے، تمہیں اس کا نوٹس لینے کی کوئی ضرورت نہیں، صرف اپنے کام سے کام رکھنا، نائلہ کے معاملے میں کوئی اونچ نیچ برداشت نہیں کروں گی۔" آخر میں وہ لہجے کو جس قدر سخت بنا سکتی تھیں بناتے ہوئے بولیں، اب کی بار بھی وہ صرف سر ہلا پائی، شازیہ بیگم اسے مزید ایک دو ہدایات دیتیں باہر چلی گئیں، تو وہ دل ہی دل میں شاہ زیب کے متعلق سوچنے لگی۔

"نہ جانے اب وہ کون سی ہدایات دیں، اماں نے تو کہا تھا کہ شادی کی پہلی رات محبتیں سمیٹنے کی رات ہوتی ہے ہر لڑکی کے لئے، محبتوں بھری رات، سارے سسرال سے بس محبتیں، تعریفیں اور تحفے سمیٹنے کا دن، مگر مجھے تو بس ہدایات ہی ہدایات مل رہی ہیں۔" اس نے دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پہ سجاتے ہوئے سوچا تھا، اپنی سوچوں میں اسے پتہ ہی نہ چل سکا، کب شاہ زیب کمرے میں آئے، کب اس کے پاس آ بیٹھے، چونکی تو تب جب انہوں نے نرمی سے اس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

"آ..... آپ۔" وہ پلکیں جھکا گئی، سجا سنورا معصوم پاکیزہ سا نکھرا نکھرا روپ شاہ زیب کے دل کے تار جھنجھنا گیا، وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔

''سائرہ!'' دھیرے سے پکارا گیا، سائرہ نے لمبی گھنی پلکیں دھیرے دھیرے اٹھائیں۔

''تمہاری تصویر دیکھتے ہی یوں تو دل نے فوراً قبولیت بخش دی تھی، لیکن آج تمہیں دیکھتے ہی سمجھو اپنا سب کچھ ہار بیٹھا ہوں، پتہ ہے تمہارے پاس آنے سے پہلے اماں نے مجھے کتنا لمبا چوڑا لیکچر دیا کہ تمہیں زیادہ توجہ نہ دوں، بلکہ رفتہ رفتہ ہی تمہیں اپنی حیثیت اور اہمیت کا اندازہ ہونے دوں، اس طرح تم نہ صرف ایک اچھی بیوی بلکہ اچھی بہو بھی بن سکو گی، لیکن تمہیں دیکھتے ہی میرے پاس کچھ کہنے کو رہا ہی نہیں، تمہیں دیکھ کر نہ جانے کیوں میرے دل کو اطمینان سا ہو گیا کہ تم نہ صرف اچھی بیوی ہو بلکہ اچھی بہو بھی بنو گی، میرا یہ اطمینان سلامت رکھنا سائرہ، تم فاتح ٹھہریں، میں مفتوح، سو تم سے بس گزارش ہی کر سکتا ہوں۔'' کتنے جذب سے، کتنی محبت سے شاہ زیب نے اسے سراہا تھا، اسے اس نئی زندگی میں ویلکم کیا تھا، تو کیا وہ ان کا سر جھکنے دے گی بھلا، کبھی نہیں، سرشاری سے شاہ زیب کی محبتوں میں بھیگتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں خود سے عہد کیا تھا۔

☆☆☆

اس کی شادی کو ایک ماہ ہو گیا تھا، شاہ زیب کی محبت اور قربت نے اس کی شخصیت کو مزید نکھار بخش دیا تھا، دادی اماں کی تو جان تھی اس میں، وہ بھی گھر کے کاموں سے فارغ ہوتی تو انہی کے پاس بیٹھتی، شازیہ بیگم اسے زیادہ اپنے قریب آنے نہ دیتیں کہ اس سے بہو کی عادتیں بگڑ جاتی ہیں بقول ان کے۔

وہ دادی سے ان کے زمانے کے قصے سنتی اور خوب ہنستی، دادی جب اسے اپنی مصروف زندگی اور محنت مزدوری کا بتاتی تو وہ ان کی جرأت پہ حیران ہوتی۔

''ہمارے وقتوں میں یہ گھروں میں نل وغیرہ نہیں تھے، میلوں پیدل چل کر پانی لانا پڑتا اور یقین مانو آب حیات کی طرح گھونٹ گھونٹ ہی استعمال کیا جاتا۔'' وہ حیرت سے منہ کھولے سنتی جاتی۔

نائلہ نہ جانے کیوں اس سے کھنچی کھنچی سی رہتی، اگر آتی تو اپنی امی کے کمرے میں ہی بیٹھی رہتی اور دونوں ماں بیٹیاں دروازہ بند کر کے رکھتیں، وہ پہلے پہل ہرٹ تو ہوئی مگر دادی نے اسے بہلا لیا، پھر بھی وہ نائلہ اور اماں کی اس بیزاری سے سخت پریشان رہتی وہ محبتوں میں گندھی لڑکی ہر وقت ان کی خاطر مدارت میں لگی ان کا دل جیتنے کی کوشش کرتی، لیکن وہ موم ہو کے ہی نہ دیتیں۔

وہ صحن میں بیٹھی دادی اماں کو ڈائجسٹ میں سے اچھی اچھی باتیں سنا رہی تھی کہ شاہ زیب آفس سے لوٹا، وہ اسے سلام کرتی تیزی سے پانی لینے باہر چلی آئی، اتنے میں اماں اور نائلہ بھی وہاں آ گئیں۔

''تمہارے ہاتھ میں کیا ہے شاہ زیب؟'' اماں نے شاہ زیب کے سلام کا جواب دینے کی بجائے اس کے ہاتھ میں لٹکتے شاپر کے متعلق پوچھا۔

''اماں! مارکیٹ سے گزر رہا تھا، ایک سوٹ پسند آیا تو سائرہ کے لئے لے لیا۔'' اس نے صاف گوئی سے بتایا۔

''ارے دکھاؤ تو بھیا۔'' نائلہ نے جھٹ سے لفافہ جھپٹ لیا، وہ بس ہوں ہاں کرتا رہ گیا۔

''واؤ اتنا زبردست کلر اور اماں کام تو دیکھیں۔'' اورنج کلر کے شیفون کے سوٹ پہ بلیک باریک کڑھائی کا نفیس کام، بے حد دلکش

سوٹ تھا، نائلہ کی تو آنکھیں جگمگا اٹھیں، سائرہ نے ایک مسکراتی نگاہ اس کی اس بچگانہ حرکت پہ ڈالی تھی۔

"یہ تو مجھے پسند ہے، آپ بھابھی کے لئے اور لے آئیں۔" اس نے لباس والا ہاتھ کمر کے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"ارے ہاں ہاں، تو رکھ لے بیٹا، آخر بہن ہے شاہ زیب کی، سائرہ کے لئے اور آ جائے گا۔" اماں نے فوراً اسے کہا۔

"لیکن اماں میں تو......" شاہ زیب کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اچھا تو اب تم بہانے بناؤ گے۔" اماں ناراض لہجے میں بولیں۔

"ہاں تو کیا نہ بنائے بہو، ایک ہی تو بہو ہے تمہاری، اگر پہلی مرتبہ وہ اپنی بیوی کے لئے دل سے کچھ لایا ہے تو کیوں خواہ مخواہ درمیان میں ٹانگ اڑا رہی ہو۔" دادی اماں نے بہو کو جھڑکا۔

"ارے، بس، نائلہ واپس کرو سوٹ، ایک سوٹ کے پیچھے اتنی باتیں سننی پڑیں گی اب ہمیں۔" اماں نے غصے سے نائلہ کو مخاطب کیا، وہ نفی میں سر ہلا گئی، سائرہ نے گھر کی فضا میں تلخی گھلتی محسوس کی تو فوراً نائلہ کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"نہیں اماں یہ سوٹ نائلہ آپی پہ ہی سوٹ کرے گا، میرے لئے شاہ زیب اور لے آئیں گے۔" اس نے محبت سے نائلہ کے کندھے پہ ہاتھ رکھا، جسے نائلہ نے نرمی سے ہٹا دیا۔

"نہ بی بی پھر تمہارا میاں کہے گا کہ ہم نے تم سے تمہاری چیز چھین لی۔" اماں کے سخت الفاظ نے شاہ زیب کا دل مسل دیا۔

"میری اماں کہتی ہیں، کہ جو چیز اللہ آپ کے نصیب میں لکھ دیتا ہے نہ، وہ بادشاہ وقت بھی آپ سے نہیں چھین سکتا اور پھر میں یہ سوٹ اپنی مرضی سے آپی کو دے رہی ہوں، زبردستی نہیں، آپ لوگ بیٹھیں میں سب کے لئے گرما گرم چائے لے کر آتی ہوں۔" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ کچن کی طرف بڑھ گئی، شاہ زیب نے محبت سے اسے جاتے دیکھا۔

☆☆☆

وہ جتنی بھی محنت کرتی، اماں کی خدمت کرتی، انہیں راضی نہ کر پاتی، وہ ہر وقت سائرہ سے خفا خفا رہتیں، ان کے اس بیزار رویے نے اب شاہ زیب کو بھی پریشان کرنا شروع کر دیا تھا، وہ بھی کچھ بیزار بیزار سا رہنے لگا تھا، سائرہ کو وقت بھی نہ دے پاتا، سائرہ کو اب وقت بتانا مشکل ہو جاتا، گرمیوں کے لمبے دن، دادو بھی تھک کے سو جاتیں، وہ بھی کہانیاں پڑھتی، کبھی ٹی وی دیکھتی، لیکن پھر بھی بور ہوتی رہتی۔

آج بہت دنوں بعد بادل چھائے تھے، نرم ٹھنڈی ہواؤں اور بارش کی ننھی ننھی بوندوں نے موسم خاصا خوشگوار کر دیا، وہ چائے کا مگ لے کر باہر لان میں ٹہلنے لگی، اماں اور دادی اماں دونوں اندر آرام کر رہی تھیں۔

اسی وقت کسی نے بے حد جلدی میں جیسے گلی کا دروازہ دھڑ دھڑایا تھا، وہ چائے کا مگ لان میں رکھی پلاسٹک کی میز پر رکھ کے دروازے کی طرف بڑھی، تبھی دروازہ ایک مرتبہ پھر زور سے دھڑ دھڑایا گیا، وہ پریشان ہو گئی اور جلدی سے دروازہ کھولا، زار و قطار روتی نائلہ نے اس کے حواس گم کر دیئے۔

"کیا ہوا آپی؟ خیریت تو ہے ناں؟" نائلہ سیدھا اماں کے کمرے کی طرف بھاگی، سائرہ بھی اس کے پیچھے تھی۔

"اماں...... اماں۔" وہ سیدھا اندر لیٹی ماں

سے جا لپٹی، وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھیں۔
''کیا ہوا میری جان۔'' وہ بھی بے طرح پریشان ہوئیں۔
''اماں! طاہر (نائلہ کا شوہر) کا ایکسیڈنٹ ہو گیا، وہ آپریشن تھیٹر میں ہیں اور ڈاکٹر نے کہا ہے کہ ان کو بہت شدید چوٹیں آئی ہیں، بہت خرچہ ہو گا۔'' وہ روتے ہوئے بتانے لگی، سائرہ کے ساتھ ساتھ اماں بھی دل تھام کے رہ گئیں۔
''دو لاکھ تو صرف آپریشن کے مانگ رہے ہیں، اماں میں کہاں سے لاؤں دو لاکھ، میرے تو سارے زیور بھی اتنے کے نہیں ہیں۔'' وہ کتنے کرب سے رو رہی تھی، سائرہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
تبھی ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے اس کے ذہن میں کوندا تھا، وہ جلدی سے اپنے کمرے میں آئی، اپنی اماں کی طرف سے دیئے گئے تمام زیورات کے ڈبے اٹھائے اور واپس اماں کے کمرے میں چلی آئی۔
''آپی! آپ کیوں پریشان ہوتیں ہیں، آپ کا بھائی آپ کی امی اور میں آپ کے ساتھ ہیں، آپ میرے سارے زیور رکھ لیں آپی، اور جائیں جلدی سے پیسوں کا بندوبست کریں ہم یہاں آپ کے لئے طاہر بھائی کے لئے دعا کریں گے، میں ابھی شاہ زیب کو فون کر کے اطلاع دیتی ہوں۔'' دروازے سے اندر آتے شاہ زیب نے بیوی کی ساری بات سن لی تھی، اماں کی باتوں سے دل پہ جمی ہلکی سی گرد بھی بس ایک لمحے میں چھٹ گئی تھی۔
''ہاں نائلہ سائرہ ٹھیک کہہ رہی ہے، ابھی تمہارا بھائی زندہ ہے ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' وہ نائلہ سے کہتے ہوئے بولا۔

''اور سائرہ تم ابھی انہیں رہنے دو میں نے پتہ چلتے ہی پیسوں کا بندوبست کر لیا ہے، لیکن اگر ضرورت پڑی تو......'' اس نے سائرہ سے کہا۔
''جی ضرور۔'' وہ فوراً بولی۔
شاہ زیب نائلہ کو لے کر چلا گیا، تو وہ بھی اپنے کمرے میں جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی، کہ اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، وہ حیرانگی سے انہیں دیکھنے لگی۔
''مجھے معاف کر دو بیٹا۔'' وہ اچانک ہی رونے لگیں، انہوں نے دونوں ہاتھ سائرہ کے آگے باندھ دیئے۔
''ارے اماں، یہ کیا کر رہی ہیں آپ۔'' وہ شرمندہ سی ان سے لپٹ گئی۔
''مجھے معاف کر دو سائرہ، میں لوگوں کی باتوں میں آ کر تم جیسی پیاری اور قابل بہو کی قدر نہ کر پائی، مجھے لگا کہ تمہیں ایسے ہی دھتکار کر، جوتے کی نوک پہ رکھ کر ہی تم سے اپنی عزت کروائی جا سکتی ہے، میں یہ بات بھول گئی تھی کہ اچھائی تو انسان کے اندر ہوتی ہے، بیرونی رویوں سے اچھائی کو ختم نہیں کیا جا سکتا، مجھے معاف کر دو سائرہ بیٹا، میں نے تمہیں پہچاننے میں بہت دیر کر دی اور ہمیشہ تمہارا اور اپنے بیٹے کا دل دکھاتی رہی۔'' وہ رونے لگیں، سائرہ انہیں ساتھ لگاتے تسلیاں دیتی رہی۔
اسے نائلہ کے غم پہ افسوس کے ساتھ اس بات کی خوشی بھی تھی کہ اس نے اپنی محبتوں، خدمت اور قربانی کا صلہ پا لیا تھا، اپنی ساس کو اپنی ماں بنا لیا تھا، اسے اپنے خدا پہ بھروسہ تھا اور اس خدا نے اسے مایوس نہ کیا تھا، بلکہ اسے بہترین صلہ سے نواز دیا تھا، اس کا گھر خوشیوں اور محبتوں کا گہوارہ بننے والا تھا، جو کہ اس کا خواب تھا۔

☆☆☆

تیرویں قسط

ستارا ہوسپٹل گئی تھی طلال کو دیکھنے، وہ بالکل تندرست تھا اور شام تک اسے ڈسچارج کیا جا رہا تھا، ستارا کو دیکھ کر اس کے چہرے پر سرد مہری اتر آئی تھی، جس کی وجہ سے تارا نے اس سے بس رسمی حال احوال ہی پوچھا تھا، وہ پاپا کی وجہ سے آگئی تھی اور نوفل کو خبر تک نہ تھی، خدا معلوم اسے پتا چلتا تو وہ کتنا مائنڈ کرتا اور جب وہ گھر واپس آئی تو اس نے یہ جان کر سکھ کا سانس لیا کہ نوفل گھر نہیں تھا۔

اس نے شاور لے کر بال تولیے میں لپیٹ کر اوپر کر کے سمیٹے اور وارڈ روب کھول لی، کافی چیزیں بکھری ہوئی تھیں، اس نے سمیٹنا شروع کر دیں، یکا یک اس کے دماغ میں اک عجیب خیال آیا تھا، اس نے نوفل کی سائیڈ کے دراز کھول دیئے وہاں حسب توقع وہی فائلز تھیں مگر آج اسے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی وجہ سے وہاں ایک البم

ناولٹ

نظر آیا تھا۔

اس نے تیزی سے البم کھینچا اور باقی ساری چیزوں کو کھلا چھوڑ کر ویسے ہی بیٹھ گئی، البم کی بیرونی ٹائٹل پر کچھ لکھا ہوا تھا اور اسے پڑھنے میں دقت ہوئی کیونکہ وہ اردو یا انگلش نہیں تھی، وہ یقیناً مینڈرن تھی، چونکہ ستارا کو وہ پڑھنا نہیں آتی تھی، اس نے سر جھٹک کر اس کا کور پلٹا، وہاں دو تصویریں تھیں، دو خوبصورت چہرے، طلال بن منصب اور نوفل بن منصب۔

اگرچہ وہ دونوں ٹین ایجرز لگ رہے تھے مگر اس کے باوجود ستارا نے ان کو بڑے آرام سے شناخت کر لیا تھا، اس نے اگلا صفحہ کھولا وہاں کچھ مزید ان کی ہی تصاویر تھیں، ستارا نے بے دلی سے صفحات الٹے تھے اور پھر وہ ایک دم سے چونک گئی۔

وہاں چار لوگ تھے صدیق، نوفل اور طلال

اور......؟ ہاں وہ وہاں تھیں، ایک سیاہ فام خاتون، جو ان کے ساتھ کھڑی تھی، اسے حیرت ہوئی بھلا وہ کون تھیں؟ جو ان کے ساتھ یوں کھڑی تھیں؟

اس نے سر جھٹک کر اگلا صفحہ پلٹا اور اس بار پھر حیران رہ گئی، نوفل اسی سیاہ فام خاتون کے گلے میں بازو ڈالے کھڑا تھا۔

''آخر کون ہوسکتی ہیں یہ؟ اتنی بے تکلفی؟'' اس نے حیرت سے سوچا تھا، پھر اس کے ذہن میں یکدم ایک خیال آیا۔

''اوہ یہ یقیناً ان کی گورنینس ہوگی۔'' اس نے سوچا۔

اس سے پہلے کہ وہ آگے کچھ دیکھ پاتی، نوفل کی شکل دروازے میں نظر آئی، دونوں کی نظر ملی اور اگلے ہی لمحے نوفل جیسے اڑتا ہوا اس تک آیا تھا، اس نے ایک دم وہ البم اس کے ہاتھ سے کھینچا۔

''یہ کون ہے نوفل؟'' ستارا نے البم اسے پکڑاتے ہوئے پوچھا، نوفل نے لب بھینچ لئے تھے اور اس کے چہرے پر ایک عجیب سا درد بھرا سایہ لہرایا تھا، مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''کیا یہ آپ کی کوئی میڈ ہے؟ کافی کلوز لگ رہی ہے آپ سے۔'' اس نے تجسس سے پوچھا تھا، نوفل کا رنگ سرخ پڑ گیا۔

''شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ ستارا، یہ میری ماما ہیں۔'' وہ چلا کر بولا تھا۔

ستارا کا رنگ اڑ گیا، اس نے نوفل کو یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ خراب ہوگیا ہو، نوفل اب بھینچے ہوئے لبوں کے ساتھ البم الماری میں رکھ رہا تھا، پھر اس نے پٹ بند کیا اور اس کی طرف مڑا۔

''تمہیں یوں میری چیزوں کو دیکھنے کا پورا حق ہے لیکن کم از کم مجھ سے ایک بار پوچھ تو لینا چاہیے تھا۔'' اس کی آنکھوں سے تپش نکل رہی تھی، ستارا کو پہلی دفعہ اس سے ڈر لگا تھا۔

''میں تو بس یونہی......'' اس نے اٹک کر بات ادھوری چھوڑ دی، نوفل کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''کیا بات تھی؟ چچی جان نے کیوں بلایا تھا؟'' علینہ نے کافی کا مگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''کچھ خاص نہیں، کہہ رہی تھیں تم علینہ کو لے کر کہیں جاتے ہی نہیں، بچی گھر بیٹھی بور ہوتی رہتی ہے۔'' وہ بڑی خوبصورتی سے بات بدل کر اسے تسلی کروا رہا تھا، علینہ نے اس کی بات سن کر نفی میں سر ہلایا تھا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں۔''

''مجھے تو ہے۔'' اس نے کہا۔

''تو ہو۔'' اس نے تیکھے انداز میں کہا تھا، شاہ بخت ٹھٹکا، اس کا وہی پہلے سا تیکھا انداز بخت نے شادی کے بعد آج پہلی بار دیکھا تھا۔

''ارے یار، تمہاری پسند مجھ سے الگ ہے کیا؟'' وہ ہنستے ہوئے کچھ جتا رہا تھا۔

''بالکل الگ ہے۔'' وہ پھر جتا کر بولی، بخت کی ہنسی سمٹ گئی۔

''یہ غلط بات ہے جب تم میری ہو تو اصولی طور پر تمہاری پسند ناپسند بھی میرے مطابق ہونی چاہیے۔'' وہ دھونس سے بولا۔

''مگر میں ایک انسان بھی تو ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے باور کروا رہی تھی۔

''صحیح کہا تم صرف انسان ہی نہیں، میری جان بھی ہو۔'' وہ اس کا گال کھینچ کر لاڈ سے بولا تھا۔

علینہ اٹھ کر باہر نکل گئی، اسے ایک ضروری فون کرنا تھا، لاؤنج خالی تھا، اس نے فون اٹھا کر

گود میں رکھا اور صوفے پہ بیٹھ گئی، آہستہ سے اس کی انگلیاں ایک نمبر ڈائل کر رہی تھیں، دوسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔

''کیا بات ہے؟''

''پتا نہیں۔''

''کیوں؟''

''بس عجیب سی بے بسی ہے اور بے چینی ہے۔''

''کوئی وجہ بھی تو ہو؟''

''بعض چیزوں کی وجوہات بتانا ضروری نہیں ہوتا۔''

''یہ تو صحیح کہا مگر پھر بھی۔''

''کیا؟''

''تم خوش نہیں ہو؟''

''خوش......؟'' (لمبا خاموشی کا وقفہ) شاید خوشی کا تعلق...... نہیں میں جانتی، خوشی کا تعلق کس چیز سے ہے؟ تمہیں پتا ہے تو بتا دو؟

''خوشی کا تعلق ایک مسکراہٹ سے ہے شاید۔''

''ہاں اور تب جب یہ مسکراہٹ شاہ بخت کی ہو۔'' اس نے کھلکھلا کر بات مکمل کی تھی۔

''صحیح کہا، خوشی کا تعلق احساس سے ہے۔''

''ہاں، تب جب یہ احساس شاہ بخت کرے جیسے کہ وہ ہمیشہ یاد رکھتا ہے مجھے کریم کافی پسند ہے اور اسے بلیک۔'' اب وہ لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''بہت اچھے، خوشی کا تعلق آنکھوں سے ہے۔''

''ہاں، جب یہ آنکھیں شاہ بخت کی ہوں، سنہری، شہد رنگ، جھلمل جنہیں قطرہ قطرہ پینے کو دل کرے۔'' اس نے آنکھیں بند کر سرشاری سے کہا تھا۔

''واہ بہت عمدہ اور خوشی کا تعلق دل سے ہے۔''

''ہاں جب یہ دل شاہ بخت کا ہو، خالص اور پاک۔'' وہ غرور سے بولی تھی۔

''کیا بات ہے، خوشی کا تعلق روح سے ہے۔''

''ہاں جب یہ روح شاہ بخت کی ہو، اجلی اور پاکیزہ اور معصوم جسے بس محسوس کرنے کو دل چاہے۔'' اس نے فخر سے کہا تھا۔

''بہت اعلیٰ تو ثابت ہوا کہ خوشی کا تعلق بس شاہ بخت سے ہے۔''

''ہاں خوشی کا تعلق بس شاہ بخت سے ہے جسے دیکھ کر میرے اندر زندگی اتر لی ہے، جس کے ہونے کا احساس میری چلتی سانسوں کا ضامن ہے، جس کا وجود میرے لئے چشمہ سکون ہے، جس کی خوشبو میری روح کی تازگی ہے، جس کی زندگی میری آنکھوں کا نور ہے، جو میرے لئے وجہ حیات ہے، تم نے صحیح کہا خوشی کا تعلق صرف شاہ بخت سے ہے۔'' اس کے بول تھے یا عطر میں ڈوبے قلم سے لکھے گئے مشکبور پھولوں سے مزین الفاظ۔

سیڑھیاں اترتے شاہ بخت کے قدم وہیں تھم گئے تھے، کسی نے جیسے سرخ گلابوں کا بھرا ہوا تھال اس پر پھینکا تھا، اس کا وجود خوشبو میں نہلا گیا، اس قدر خوبصورت الفاظ اس کے لئے کہے گئے تھے، وہ جیسے ہواؤں کے دوش پر چلتا ہوا اس تک گیا تھا، علینہ تب تک فون بند کر کے اٹھ چکی تھی۔

''کس خوش قسمت سے میرے متعلق ایسی حسین گفتگو کی جا رہی تھی جس سے میں تا حال محروم ہوں۔'' اس نے چمکدار آنکھوں کے ساتھ علینہ کے آگے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تھا۔

''میری دوست تھی۔'' علینہ نے مسکراہٹ دبا کر کہا تھا، شاہ بخت ہنس دیا۔

''بڑی خوش قسمت دوست تھی۔''

''آپ سے زیادہ نہیں۔''

''اس بات کا تو مجھے پورا یقین ہے۔'' اس نے پہلی مرتبہ یوں بڑے غرور سے کہا تھا اور تقدیر کہیں دور اس کے غرور پر ہنسی تھی۔

بہت دفعہ ہم کسی انسان کو دیکھتے ہیں، جس کے پاس خدا کی تمام نعمتیں ہوتی ہیں، حسن، دولت اور شہرت اور ہم تاسف میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ انسان تو ان نعمتوں کا قطعی حقدار نہیں۔

کئی دفعہ ہم کسی ایسے شخص سے ملتے ہیں جو کہ بہت اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا ہے اور ہم حسد کا شکار ہو کر سوچتے ہیں کہ یار یہ تو اس قابل ہے ہی نہیں یا پھر اس کی قابلیت اس عہدے کے مطابق قطعاً نہیں۔

ہاں ایسا کئی بار ہوتا ہے کہ ہم کسی شخص کو دیکھ کر غمگین ہو جاتے ہیں، کف افسوس ملتے ہیں کہ آخر وہ چیز میرے پاس کیوں نہیں؟ جبکہ بظاہر اس شخص میں ایسی کوئی قابلیت اور اہلیت نہیں ہوتی۔

مگر ایک انمٹ سچائی ہم فراموش کر دیتے ہیں، ہم بھول جاتے ہیں کہ یہ ''خدا کی تقسیم ہے۔''

یہ اس پاک ذات کی مرضی ہے کہ

وہ جسے چاہے عزت دے

جسے چاہے ذلت دے

اور

جسے چاہے بیٹے دے

جسے چاہے بیٹیاں دے

اور

جسے چاہے دولت دے

جسے چاہے شہرت دے

اور

جسے چاہے کچھ بھی نہ دے

''شاہ بخت مغل'' بھی انہی چند لوگوں میں سے ایک تھا، خدا کی تقسیم کا شاہکار۔

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ جو نعمتیں اسے عطا کی گئی تھیں آیا وہ ان کا حقدار بھی تھا یا نہیں اور یہ نہ ہی اس نے کبھی یہ سوچنے کی کوشش کی تھی کہ وہ ان نعمتوں کا حق ادا بھی کر رہا تھا؟ کیا وہ اس رب کائنات کا شکر گزار بھی تھا؟ جس نے اس پر بیش بہا رحمتیں کی تھیں، ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نعمتوں کو حق اور مصیبتوں کو ظلم سمجھتے ہیں، کوئی بھی یہ نہیں سوچتا کہ ان مصائب کو خود پر لادنے میں اس کا کتنا ہاتھ ہے؟

☆☆☆

''مسیحائی صرف وہی کر سکتا ہے جو خود درد سے گزرا ہو۔''

اس نے بھی کرب کی انتہا دیکھی تھی جبھی وہ آگاہ تھی کہ اذیت انسان کو کس طرح توڑتی ہے اور جب یہ اذیت جسمانی کے ساتھ ساتھ ذہنی بھی ہو تو انسان کس طرح ٹوٹتا ہے کہ صدیوں سمٹ نہیں پاتا۔

وہ خود ٹوٹی تھی جبھی جانتی تھی کہ اپنی راکھ سمیٹنا کس قدر مشکل ہوتا ہے، اسے سمیٹنے والے اس کے ماں باپ تھے مگر اسید کو سمیٹنے والا تو کوئی نہ تھا۔

اگرچہ وہ اس کے ستم در ستم اور ظلم در ظلم کا شکار تھی مگر آخر کار وہ حبا تیمور تھی جسے دنیا میں صرف ایک ہی شخص سے محبت ہوئی تھی اور اس محبت میں اتنی فراخ دلی تو تھی کہ وہ آنکھیں بند کر کے سب کچھ بھول سکتی، اگر وہ شخص تین سال بعد نرم پڑا تھا تو اس کی محبت میں اتنی وسعت تو

ہونی چاہیے تھی کہ وہ اسے قبول کرتی، اسے سنبھالتی، اسے گرنے نہ دیتی اور اس نے ایسا ہی کیا تھا۔

ہاں وہ حبا تیمور تھی، خواہ اس کا باپ سخت دل اور تنگ نظر تھا مگر اس کی تربیت تو مرینہ خانم کی تھی، جن کی فراخ دلی اس کی گھٹی میں تھی، جبھی وہ کشادہ دلی اور وسیع القلبی سے اسید کو سمیٹنے میں کامیاب ہوئی تھی، ایسا نہیں تھا کہ اسے اسید کا رویہ بھول گیا تھا مگر جو چیز گزر چکی تھی وہ اس پر ماتم کرتی رہتی تو آنے والے وقت میں بھی کوئی خوشی اس کی جھولی میں نہ پڑتی اور ایسا وہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ایسا ہی ہوتا ہے ہم لوگ گزرے وقت کے ماتم میں اس قدر مصروف ہوتے ہیں کہ ہمیں نظر ہی نہیں آتا اور خوشیاں ہمارے در سے مایوس لوٹ جاتی ہیں، حبا نے اپنی زندگی میں آنے والے چند جگنوؤں کو مٹھی میں سمیٹ لیا تھا۔

ان دونوں کی زندگی میں بہت بڑا انقلاب آیا تھا، یہ ایسا انہونا اور ناقابل یقین واقعہ تھا کہ حبا بے یقینی میں مبتلا تھی۔

اس نے آفس جانے سے پہلے حبا کے کمرے میں جھانکا جہاں شفق سو رہی تھی، اس نے آگے بڑھ کر سوئی ہوئی اپنی بیٹی کے ماتھے کو چوما تھا اور ڈریسنگ روم سے باہر آتی حبا کے چہرے حیرت آمیز خوشی جھلکی تھی، اس منظر کو دیکھنے کی کتنی حسرت تھی اسے، اس نے دل میں اللہ کا شکر ادا کیا جس نے اسے یہ حسین نظارہ دکھا دیا تھا۔

ناشتے کی میز پہ اس نے حبا کو بھی ساتھ ناشتہ کرنے کی دعوت دی تھی، مگر اس نے آرام سے انکار کر دیا یہ کہہ کر کے وہ بعد میں کرے گی جب شفق جاگے گی، اسید نے بھی مزید زور دیے بغیر سر ہلا دیا تھا۔

جب وہ آفس چلا گیا تو حبا خاموشی سے اپنے بیڈ پہ آ کر لیٹ گئی، اس کا دل آج کچھ کرنے کو نہیں کر رہا تھا، وہ ڈھیر سارا سونا چاہتی تھی اور دوبارہ سے وہ سب سوچنا چاہتی تھی جو کہ رات اسید نے اس سے کہا تھا، کتنی عجیب اور قدرے بے وقوفانہ سی خواہش تھی مگر وہ یہ کرنا چاہتی تھی، اس نے پانی کا گلاس پیا اور شفق کے ساتھ لیٹ گئی، آنکھیں بند کر کے اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''میں بہت تھک گیا ہوں حبا، اتنا زیادہ کہ مجھے لگتا ہے کہ میں ایک قدم بھی نہیں چل پاؤں گا اور گر جاؤں گا، مجھے تمہارا ساتھ چاہیے۔''

''تم دو گی نا میرا ساتھ؟'' اس نے اپنے خدشوں کی یقین دہانی چاہی تھی، حبا نے اس کا ہاتھ تھام کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''میں یہ نہیں کہتا کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، مگر میں کوشش کروں گا کہ اب کم از کم وہ نہ ہو جو پہلے ہوتا رہا، میں اپنی طرف سے تمہیں ہر ممکن سکون دینے کی کوشش کروں گا، مگر پھر بھی حبا، جو ہو چکا ہے اسے بھلانا آسان کام نہیں ہے مگر میں ہر بار پرانی باتیں یاد کر کر کے، اپنے زخم ہرے نہیں کر سکتا، یہ انتقام کا سلسلہ اب اور نہیں چلا سکتا میں۔''

''بہت تکلیف ہوتی ہے اس میں۔'' اس نے حبا کا ہاتھ مضبوطی سے جکڑا تھا اور اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''تمہیں درد دے کر میں خود کبھی خوش نہیں ہو سکا، شاید اس اذیت کا احساس میرے اندر اتر گیا ہے، میں تمہیں مسکراتے دیکھنا چاہتا ہوں، خوش دیکھنا چاہتا ہوں، بالکل ویسا، جیسے تم پہلے تھیں، ہنستی مسکراتی، کھلکھلاتی ہوئی چڑیا جیسی۔''

وہ کسی خواب کے زیر اثر تھا۔

''مجھ سے باتیں کرو حبا، یوں چپ نہ ہو، کچھ تو کہو، میں تمہاری باتیں سننا چاہتا ہوں، بہت عرصے سے اکیلا ہوں، ترس گیا ہوں۔'' حبا کے اندر بارش اتر آئی تھی۔

میرے ہم سفر کا یہ حکم تھا
میں کلام اس سے کم کروں
میرے ہونٹ ایسے سلے کہ پھر
میری چپ نے اس کو رلا دیا

اس کے ذہن میں بڑی شدت سے درد آمیز اشعار گونجے تھے، ہاں ایسا ہی تو ہوا تھا۔

اب وہ اسے بتا رہا تھا کہ کس طرح وہ پل پل مرتا رہا تھا، کیسے کیسے نہیں تڑپا تھا اپنی بیٹی کو سینے سے لگانے کے لئے، اسے اپنا کہنے کے لئے، حبا بے یقینی اور خاموشی سے سنتی رہی، پھر اس نے نرمی نے اسید کا ہاتھ تھام کو سہلایا تھا، جیسے اسے سہارا دینا چاہتی ہو۔

وقت نے اپنی رفتار بدلی تھی، اگر اچھے دن کے انتظار میں اس نے برا وقت دیکھا تھا تو شاید صلہ بھی ملا تھا۔

☆☆☆

رات بہت بے چین کر دینے والی اور گھٹن بھری تھی، وہ ابھی تک کسی بھی راز کے سرے تک نہ پہنچ پائی تھی کہ آخر یہ کیا الجھا ہوا مسئلہ تھا، کیسا جگسا پزل تھا کہ وہ نہیں سمجھا پا رہی تھی۔

نوفل کی ماما نیگرو تھیں جبکہ پاپا بے حد ہینڈسم تھے، دونوں بھائی بھی وجاہت کا مرقع تھے، پھر کیا وہ ان کی دوسری بیوی تھیں؟ مگر پھر نوفل کا ری ایکشن ایسا کیوں تھا؟ اسے اتنا غصہ کیوں آیا تھا، اتنا غصہ تو سگی ماں کے متعلق ہی آ سکتا تھا، وہ پریقین تھی اور سب سے بڑھ کر آخر اس نے جو کچھ ستارا کے ساتھ کیا تھا اس کا مقصد بھلا کیا ہو سکتا تھا؟ کیا دیکھنا چاہتا تھا وہ، کون سی آزمائش مقصود تھی اسے، اس نے ستارا کے ساتھ یہ جھوٹ کیوں بولا تھا کہ وہ خود نیگرو تھا؟ وہ کیا چیک کرنا چاہتا تھا، اس نے اپنا کمپلیکس کیوں انڈیلا تھا، کیا بھید بھرا قصہ تھا۔

وہ سوچ سوچ کر تھک گئی، اس نے کئی بار سوچا کہ وہ پاپا سے پوچھے، پھر اس نے خود ہی اپنی سوچ کو جھٹک دیا، یقیناً وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ نوفل پہلے ہی ستارا کو پسند کر چکا تھا اور اس نے پاکستان آنے کا اتنا بڑا فیصلہ صرف تارا کی وجہ سے ہی کیا تھا، انہیں یقیناً معلوم نہیں تھا کہ ستارا نے معصب کو صرف ایک عام مرد سمجھ کر ہی شادی کی تھی۔

اور اس بات کا بھی کیا فائدہ ہوتا کہ وہ ان سے کچھ پوچھتی، جس کہانی کے عنوان سے ہی وہ ناواقف تھے اس کا متن کہاں سے جان پاتے۔

اس نے مایوس ہو کر کروٹ بدلی تو نظر نوفل پر پڑی جو کہ اس کے قریب ہی گہری نیند میں تھا، اسے اس کی گہری اور پرسکون نیند پر رشک آیا تھا، آخر اس کا حق تھا کہ سب فکروں سے آزاد ہوتا، اس نے اتنا لمبا کھیل کھیلا تھا ستارا کے لئے، سب کچھ بدل ڈالا تھا اس کے لئے، وہ اتنی ہی تو محبت کرتا تھا تارا سے، اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

اس نے پھر بے تابی سے کروٹ بدلی، کس سے بات کرے، کدھر جائے، کیوں نیند اس کی آنکھوں سے خفا تھی، کیوں اتنی بے چینی اس کے اندر اتر آئی تھی۔

اس نے بے بسی سے سر پٹخا، جب نوفل کی آنکھ کھل گئی، اسے جیسے سوتے میں بھی تارا کی فکر تھی، اس نے اسے کھینچ کر قریب کیا اور ساتھ لپٹا کر دھیرے دھیرے تھپکنے لگا، ستارا کے اندر سے لمحہ بھر میں ساری ناراضگی اڑی تھی، جیسے تیز آندھی

گرد کو اڑا کر رکھ دے، اس کے وجود سے ایسی دلآویز مہک اٹھی تھی کہ تارا کو لگا وہ چھم سے سکون کی بانہوں میں اتر گئی تھی اور اس کے مہربان وجود میں ایسی اپنائیت تھی کہ تارا چند لمحوں میں ہی نیند کی وادی میں اتر گئی، اس کی بے کلی اور بے چینی حیرت انگیز طور پر ختم ہو چکے تھے اور اسے پتہ بھی نہ چلا کہ وہ کب گہری نیند میں گئی اور اس کے لب نوفل کے دل پر پیوست تھے، بہت انجانی بے خبری میں ہی سہی اس نے نوفل کے دل کو اپنے لبوں سے چھوا تھا، اس دل کو جو بڑا خالص تھا اور اس کا تھا صرف اس کا، ستارا کا نوفل۔

☆☆☆

وہ دونوں اس وقت ڈنر کے لئے ایک ہوٹل میں موجود تھے، بے انتہا خوش علینہ اس وقت ٹخنوں تک آتے لائیٹ پنک کلر کے خوبصورت گھیر دار فراک میں ملبوس تھی اور شاہ بخت بلیک جینز کے ساتھ موو کلر کی شرٹ میں ملبوس تھا۔

''چائنیز کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''نیک خیال ہے۔'' علینہ نے ہنس کر کہا۔

بخت نے مسکراتے ہوئے ویٹر کو چکن منچورین، ایگ فرائیڈ رائس اور سوپ کا آرڈر دے دیا۔

حسب روایت ڈیفنس کلب میں کھانا سرو کرنے سے پہلے اسنیکس سرو کیے گئے، وہ دونوں اسنیکس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

''اتنی دیر؟ مجھے لگتا یہ کھانے کے بعد مجھ سے کھانا نہیں کھایا جائے گا۔'' علینہ نے منہ بسور کر سامنے رکھی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''میں پوچھتا ہوں کسی ویٹر سے۔'' بخت نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائی اور یکدم ٹھٹک گیا۔ ان کے اگلے میز پر معصب شاہ، حیدر عباس شاہ، ستارا اور علشبہ موجود تھے۔

''علینہ پلیز ویٹ فار آ منٹ۔'' وہ تیزی سے اٹھا اور ان کی میز کی طرف بڑھ گیا، علینہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا، وہ کسی ہینڈسم سے آدمی سے ہاتھ ملا رہا تھا اور پھر وہ مڑا۔

علینہ کو لگا اس کا سانس تھم جائے گا، اب وہ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے تھے، شاہ بخت مغل اور حیدر عباس شاہ، ان کے ساتھ دو لڑکیاں بھی تھیں جن میں سے ایک کو تو علینہ نے سیکنڈز میں شناخت کیا تھا، وہ حیدر کی بہن تھی، علشبہ عباس، یہ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ اس نے سن ہوتے حواس کے ساتھ سوچا پھر اسے ہنسی آئی، یہ ایک معروف ریسٹورنٹ تھا تو ظاہر ہے وہ کھانا ہی کھانے آئے ہوں گے، اب وہ بخت سے دریافت کر رہے تھے کہ وہ بھی انہیں جوائن کر لے، جبکہ بخت نے انہیں بتایا کہ وہ اپنی مسز کے ساتھ آیا ہوا ہے، اس کے ساتھ ہی اس نے اشارہ کر کے بتایا تھا۔

معصب خوش دلی سے سر ہلایا اور ویٹر کو بلا کر کچھ سمجھانے لگا، چند لمحوں بعد انہیں نسبتاً زیادہ کرسیوں والی میز پر شفٹ کر دیا گیا، معصب خود شاہ بخت کے ساتھ اسے لینے آئے تھے۔

وہ ان کی ٹیبل پہ آ گئی، اب انہوں نے علینہ کا تعارف ان سب سے کرایا، علینہ کو معصب کی مسز بہت نائس لگیں تھیں، حیدر کی آنکھوں میں پہچان کے گہرے رنگ موجود تھے، علشبہ بھی اسے پہچان گئی تھی مگر اس نے بھی بس رسمی سی سلام دعا کی اور پھر ستارا کی طرف متوجہ ہو گئی۔

کھانے کا آرڈر دیا جا چکا تھا وہ لوگ خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔

''آپ سائیکا ٹرسٹ ہیں حیدر ان بلیو ایبل۔'' بخت نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔

''وہ کس طرح؟'' حیدر نے دلچسپی سے

اسے دیکھا۔

''بس پتا نہیں، مگر ایک بڑی عجیب سی بات ہے کہ ہمارے ذہن میں سائیکا ٹرسٹ کا ایک خاص گیٹ اپ ہوتا ہے کہ بکھرے ہوئے بال، چشمہ لگا ہو اور بڑا رف اینڈ ٹف سا حلیہ ہو، مگر آپ تو بالکل ڈیفرنٹ ہیں۔'' وہ حیرت زدہ سا تھا، حیدر بے ساختہ ہنس دیا۔

''آپ کی رائے بھی معصب بھائی جیسی ہے، یہ بھی مجھے یہی کہتے ہیں کہ تم ذرا سائیکا ٹرسٹ نہیں لگتے اور میں ان سے ہمیشہ پوچھتا ہوں کہ یہ ''ذرا سائیکا ٹرسٹ'' لگنے کے لئے کیا کروں میں؟'' وہ خوشدلی سے کہہ رہا تھا سب ہنس دیئے۔

علینہ قدرے محتاط اور خاموش تھی، ہاں کھانا وہ بڑی رغبت سے کھا رہی تھی، علشبہ نے کئی بار اس دیکھا اور بات کرنا چاہی مگر حیدر کی نظروں میں کچھ ایسا تھا کہ وہ خاموش رہ گئی۔

کھانے کے بعد وہ شاہ بخت نے ان کو گھر آنے کی دعوت دی تھی، پھر وہ لوگ واپسی کے لئے نکل گئے، شاہ بخت مسلسل حیدر کو ڈسکس کر رہا تھا، اسے حیدر کچھ زیادہ ہی پسند آ گیا تھا۔

''بڑی ویل بیلنسڈ اور گراؤنڈ پرسنالٹی ہے یار، آج کل افراتفری اور اس قدر خراب معاشرتی سیٹ اپ میں ایسے لوگ بہت کم ہیں۔'' اس نے موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔

''ہوں۔'' اس نے مدھم سی ہوں کی تھی، بخت نے کوئی نوٹس نہ لیا۔

رات پھر تقریباً گیارہ کے قریب وقت تھا جب کہ سارا گھر سونے کے لئے جا چکا تھا اور وہ شاہ بخت کے لئے دودھ لینے نیچے آئی تھی، اس نے آج پھر فون اٹھا کر کال ملا دی تھی، حسب معمول پہلی بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔

''اسے اپنے پیچھے پاگل کرنے کو کس نے کہا تھا تم سے؟'' وہ جھنجھلائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''ایسا کیا ہوا؟'' وہ چونکا۔

''وہ تمہیں ہی ڈسکس کر رہا ہے تب سے، مجھے ٹینشن لگ گئی ہے اس کے سر پر کبھی کوئی اس طرح سوار نہیں ہوا۔'' وہ قدرے جھلا گئی تھی۔

''سوائے تمہارے۔'' اس نے ہنستے ہوئے مذاق اڑایا تھا۔

''بات یہ نہیں ہے حیدر، اب سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے، بخت کسی قسم کا سوال جواب نہیں کرتا، وہ مطمئن ہے اس نے کبھی مجھ سے شادی سے پہلے والے رویے پہ کوئی سوال نہیں کیا، نہ ہی وہ اب کچھ کہتا ہے، مجھے اور کیا چاہیے؟'' اس نے اس بار بدلے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

''ہاں یہ تو ہے، خیر آج جو بھی ہوا، وہ سراسر اتفاقیہ تھا اس میں کسی قسم کی کوئی منصوبہ بندی کا دخل نہ تھا۔'' وہ صفائی دینے والے انداز میں بولا تھا۔

''مجھے پتا ہے حیدر، میں خود تمہیں وہاں دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی اور پھر جس طرح بخت تمہاری میز تک گیا، مجھے تو فکر لگ گئی تھی کہ یہ آخر ہو کیا رہا ہے، خیریت رہی، علشبہ مجھے ناراض لگی کچھ، اس نے کوئی بات ہی نہیں کی مجھ سے۔'' وہ اب دریافت کر رہی تھی۔

''تم سوچ بھی نہیں سکتی میں اسے کس طرح روکا تھا، تمہیں پتا تو ہے اس کا، وہ کتنی بے ساختہ بولتی ہے، شاید ادھر بھی علینہ آپی کہہ کر گلے پڑتی تمہارے، وہ تو میں نے اسی وقت اسے ٹیکسٹ کیا کہ تم نے علینہ کو اجنبی سمجھ کر ملنا، باقی بات تمہیں گھر جا کر سمجھاؤں گا۔'' وہ ہنستے ہوئے بتا رہے تھے۔

''صحیح کیا، اب بخت کے دماغ میں سے

تمہیں کیسے نکالوں؟" وہ چڑ کر پوچھ رہی تھی۔

"تم کیوں جیلس ہو رہی ہو؟" حیدر نے ہنس کر چڑایا۔

"بہت، اس کے دماغ میں میرے علاوہ کوئی اور آئے بھی تو کیوں؟" وہ دھونس سے بولی تھی۔

اس بات سے بے خبر، کہ شاہ بخت جس طرح نیچے آیا تھا اسی طرح واپس اوپر چلا گیا تھا۔

☆☆☆

حبا اور اسید کی کہانی کا یہ اختتام بڑا خوش نما لگتا ہے کہ اب دونوں میں چونکہ سب ٹھیک ہو چکا تھا اور جبکہ وہ شفق کو اپنی بیٹی مان چکا تھا اسے حق دے چکا تھا، حبا کے ساتھ بھی اس کی غلط فہمی ختم ہو چکی تھی۔

اور اب منطقی طور پر ان کی کہانی کا انجام یہی بنتا تھا کہ صرف ایک سطر لکھ کر بات ختم ہو سکتی تھی۔

"And they became live happy"

مگر افسوس کی بات تو یہ تھی کہ یہ حقیقی زندگی تھی، یہاں ایسا انجام اتنی آسانی سے کہاں ہوتا ہے اور جبکہ کہانی اس قدر ظلم و ستم سے لبریز اور ون مین شو پر مشتمل ہو۔

بظاہر اب وہ دونوں نارمل زندگی کی طرف آ چکے تھے، مگر اگر اب سب کچھ اتنی آسانی سے نارمل ہو سکتا تو یقیناً سائیکا لوجسٹ اور سائیکا ٹرسٹ کی ضرورت ہی نہ پڑتی سب ایسے ہی ہنسی خوشی رہنے لگتے، مگر نہیں۔

"کہانی ابھی باقی ہے۔"

آنے والے کچھ دنوں میں ہی اسید کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ شفق کے حوالے سے کسی قسم کے عدم تحفظ کا شکار نہ تھی بلکہ بہت خوش و مطمئن تھی۔

ہاں وہ اپنے آپ کو لے کر کسی طرح مطمئن نہ تھی، جب بھی کبھی اسید نے اسے حقوق و فرائض کی ادائیگی کے لئے پاس بلایا، اذیت کے سوا کچھ نہ پایا۔

وہ اس سے ڈرتی تھی، گذشتہ ریکارڈ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسے اب بھی کہیں اندر سے یہی لگتا تھا کہ وہ اسے صرف اذیت دینے کے لئے ہی پاس بلا سکتا تھا، اکثر وہ رونے لگ جاتی اور اس کے آنسو اسید کو جیسے گھٹنوں کے بل گراتے تھے، وہ بے بسی سے مرنے والا ہو جاتا۔

ڈاکٹر حیدر کے ساتھ کیے گئے سارے سیشنز میں اس کی ڈسکشن حبا کے حوالے سے ہی ہوتی۔

دوسرا سب سے بڑا عدم تحفظ یہ تھا کہ اس کے نزدیک اسید کے لئے سب سے اہم چیز اس کی تعلیم تھی جس کے لئے وہ ابتدائی سالوں سے ہی سخت محنت کرتا آیا تھا، مگر اس حادثاتی شادی کے نتیجے میں جہاں حبا کی تعلیم چھوٹی تھی وہیں اس کا طرز زندگی بھی بری طرح متاثر ہوا تھا، جس کا اثر اس کی نفسیات پر بہت گہرا پڑا تھا۔

اس نے تعلیم کو دشمن سمجھ لیا، اسے لگنے لگا کہ چونکہ وہ تعلیم حاصل کر کے باشعور اور بولڈ ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے اس نے وہ انتہائی قدم اٹھا لیا تھا۔

تو یقیناً اب نور شفق کو تعلیم دلانے کا مطلب تھا ایک اور حبا پیدا کرنا جو کہ وہ کسی صورت نہیں چاہتی تھی۔

نہ جانے اسی طرح کے کتنے خیالات اس کے اندر پل رہے تھے، چار سال میں جس طرح اس کی زندگی کچرے کا ڈبہ بنی تھی اسے واپس اس لیول تک آنے میں کم از کم چار سال تو لگنے ہی تھے اور اسید تھک گیا، وہ اتنا تھک گیا کہ ایک دن حبا کا ہاتھ پکڑ کر رو نے لگا۔

''میں تھک گیا ہوں حبا، مجھ سے مزید سہا نہیں جاتا، میں تمہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتا، تم ٹھیک کیوں نہیں ہونا چاہتیں، پلیز خود کو بدلو، میں ضمیر کی مار کھاتے کھاتے تھک گیا ہوں، تم ٹھیک ہو جاؤ ناں، تم کچھ بولتی کیوں نہیں ہو، اتنا چپ نہ رہا کرو۔'' وہ التجا کر رہا تھا، حبا کے اندر چھن سے کوئی چیز ٹوٹی تھی، وہ سوچنے لگی وہ کس قدر ظالم تھی جو اسید کو اس طرح رلا رہی تھی، اس نے اسید کے گال صاف کیے اور مسکرائی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اس قدر جبری مسکراہٹ، اسید کا دل پھٹنے لگا، مگر وہ اسے کچھ نہ کہہ سکا۔

اس کے بعد اس نے ڈاکٹر حیدر کو کہا تھا کہ وہ حبا کے ساتھ سیشنز کرے، اس کے دماغ میں کیا عجیب گرہ لگ گئی تھی کہ وہ کہتی تھی وہ کسی صورت نور شفق کو سکول ایڈمیشن نہیں دلائے گی، کس قدر خوفناک بات تھی۔

وہ جیسے پاگل ہونے کو تھا، کس قدر مشکل سے وہ اسے منا سکا تھا کہ وہ اسے کانونٹ اسکول لے جائے اور شاید کوئی قبولیت کے لمحے اس کی محنت ثمر بار ٹھہرائی گئی تھی کہ وہ مان بھی گئی۔

اور پھر وہ دن جب اسے حبا کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع دی گئی، اسے سب کچھ ریت کی مانند اپنے ہاتھوں سے نکلتا ہوا محسوس ہوا تھا، اس نے اسلام آباد فون کر دیا تھا۔

تیمور اور مرینہ کے قدموں تلے سے ایک بار پھر زمین نکل گئی تھی، اب تو کہیں جا کر انہوں نے اپنے بچوں کی مکمل خوشی دیکھنا نصیب ہونے والی تھی کہ اس حادثے نے تیمور کی دنیا اندھیر کر دی تھی، مرینہ اسلام آباد سے لاہور تک کے سفر میں مسلسل روتی ہوئی آئی تھیں، انہیں اسی وقت کوئی فلائٹ دستیاب نہ ہو سکی تھی، اگلی فلائٹ تین گھنٹوں بعد کی تھی، تیمور کا خوف اور پریشانی سے برا حال تھا، وہ کسی صورت انتظار کرنے کے موڈ میں نہ تھے، انہوں نے اسی وقت گاڑی نکلوائی تھی، مرینہ نے انہیں ڈرائیونگ سے روکا تھا، ان کی حالت نہیں تھی کہ وہ ڈرائیونگ کرتے جبھی انہوں نے ڈرائیور کو ساتھ لے لیا تھا۔

سارا راستہ انہوں نے کہیں بھی رک کر کسی سی این جی اسٹیشن پر اسٹے نہ کیا تھا کہیں بھی رکے بغیر وہ اڑھائی گھنٹوں کے اندر پرائیوٹ ہاسپٹل کے گیٹ کے سامنے اترے تھے۔

☆☆☆

جہاں پر زندگی کے حوصلے مسمار ہوتے ہیں
جہاں پر حرف تسلی بھی یونہی بے کار لگتا ہے
دعاؤں کے پرندے راستوں سے لوٹ جاتے ہیں
جہاں پر تتلیوں کے پر بھی رنگوں سے مکر جائیں
جہاں پر گیت سارے فاختاؤں کے بکھر جائیں
یہی وہ عالم حیرت، دشت بدگمانی ہے
جہاں دل کی حویلی میں وفا بربادر ہتی ہے
یقیں کے باب میں ساری فضا ناشاد رہتی ہے
یہاں ذہنوں پہ کوئی خوشحالی چھا نہیں سکتی
محبت بن کے اس در پہ سوالی آ نہیں سکتی

وہ آفس میں تھا، پریشان اور اکتایا ہوا، ہر چیز سے نالاں، کیا سچ تھا کیا جھوٹ، اسے فی الحال کچھ بھی معلوم نہ تھا اور بغیر کسی مضبوط ثبوت کے وہ علینہ سے کسی قسم کی کوئی باز پرس نہ سکتا تھا۔

بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اس متعلق کچھ الٹا سیدھا سوچ بھی نہ سکتا تھا، ضروری نہیں تھا کہ جو اس نے سنا تھا وہ درست ہوتا، بعض اوقات آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی بات بھی غلط ہو جاتی ہے، مگر کہیں تو کچھ غلط تھا۔

اس نے ساری فائلز اور لیپ ٹاپ ویسے

ہی کھلا چھوڑا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا، علینہ بچپن سے لے کر اب تک کھلی کتاب کی مانند اس کے سامنے تھی، اس کی ساری اسکولنگ اور پھر کالج کی اسٹڈی گرلز کے ساتھ ہی تھی، کوایجوکیشن سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہ تھا، یونیورسٹی ابھی وہ گئی نہ تھی، کزنز ان کے اتنے قریبی کوئی تھے نہیں جن سے کبھی اس کا میل جول ہو پاتا اور ایک گھر میں رہتے ہوئے شاہ بخت کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ اتنی بولڈ قطعی نہ تھی کہ کسی لڑکے سے یوں اس کی گفتگو ہو سکتی اور ڈسکشن بھی پیور شاہ بخت کے موضوع پر۔

اس کی جگہ اگر رمشہ ہوتی تو اسے کوئی فرق نہ پڑتا، بات یہ نہیں تھی کہ علینہ اس کی بیوی تھی اور رمشہ کزن، بات یہ تھی کہ دونوں کے مزاجوں میں زمین آسمان کا فرق تھا، وہ یہ چیز رمشہ سے امید کر سکتا تھا مگر علینہ سے کسی طور نہیں۔

اسے یہ اعتراض نہ تھا کہ یہ کیوں تھا؟ بلکہ وہ حیران تھا کہ یہ ہو کیسے گیا؟

آخر ان دونوں کا میل جول کہیں سے تو شروع ہوا ہی تھا اور اسے وہ اسٹارٹنگ پوائنٹ ہی نہ مل رہا تھا اور جس طرح کی علینہ کی شخصیت تھی اس صورت میں یہ ساری صورت حال اور بھی پیچیدہ اور گنجلک بنتی جا رہی تھی۔

شاہ بخت کو معلوم تھا کہ علینہ کے پاس موبائل نہیں تھا، انٹرنیٹ یوز کرنا اسے آتا ہی نہ تھا، فیس بک آئی ڈی تو دور کی بات تھی۔

اسی طرح اس کو باہر گھومنے پھرنے کا بھی کوئی خاص شوق نہ تھا، اکثر ان کی وزٹ کی ٹریٹس میں وہ شامل نہیں ہوتی تھی۔

حلقہ احباب اس کا اس قدر محدود تھا کہ یہ توقع کرنا بے حد فضول تھا کہ وہ اس کے دوستوں میں شامل ہو سکتا تھا۔

اس فون کال کے الفاظ شاہ بخت کے دماغ میں بیٹھے ہوئے تھے وہ بھول نہیں پا رہا تھا کہ جو ہرا تھا وہ کیا تھا؟

علینہ کے بے تکلفانہ لہجہ بتاتا تھا کہ وہ گفتگو کسی اجنبی سے نہیں کر رہی تھی، نہ ہی پہلی دفعہ کر رہی تھی۔

مگر پھر وہ کیا سمجھے؟ کس طرح سے سمجھے کہ وہ دونوں کہاں ملے تھے؟ کیسے اس تک بے تکلف ہوئے تھے ایک دوسرے سے کیسے جانتے تھے ایک دوسرے کو؟ سوال در سوال نے اسے پاگل کیا ہوا تھا۔

پہلے اس نے سوچا کہ اسے وقار کو بتانا چاہیے پھر اس نے سر جھٹک دیا، یہ خالصتاً ان دونوں کا معاملہ تھا، ان کا ذاتی معاملہ، ان کے درمیان یقیناً کسی اور کو نہیں آنا چاہیے تھا، وہ بھی اس صورت میں جبکہ پورے معاملے سے وہ خود آگاہ نہ تھا وہ تو علینہ پہ حق رکھتا تھا اس کا شوہر تھا مگر وقار بھائی شاید کبھی اس کی بات نہ بھلا پاتے اور یہ وہ کبھی ہونے نہیں دینا چاہتا تھا۔

اسے علینہ کا مان اس کا وقار اور عزت نفس پہ کوئی حملہ کسی صورت منظور نہ تھا۔

یہ اس کی برداشت کا اس قدر کڑا امتحان تھا کہ شاہ بخت ضبط کی آخری حد کو چھو رہا تھا، علینہ سے کسی قسم کی بات پوچھنا سراسر اس کی تذلیل کے مترادف تھا، وہ لامحالہ یہی سمجھتی کہ وہ اس پہ شک کر رہا تھا اور اس بات کی بھنک بھی گھر میں سے کسی کو پڑ جاتی تو کیا تماشا لگتا؟

اسے سوچ کر ہی جھرجھری آ گئی، وہ دونوں اس قدر خوش تھے کہ بہت سے سوالات اور تبصرے خود بخود ٹھنڈے پڑ گئے تھے اب اگر ان کا معمولی سا بھی کوئی کلیش سامنے آتا تو بہت بڑی قیامت آتی تھی خاص طور پر رمشہ جو کہ ابھی تک

اس بات کو ہضم کرنے میں ناکام تھی، مگر پھر وہ کہاں جائے؟ اس کے سر میں درد شروع ہو گیا تھا۔

اس کے پاس ایسا کوئی بھی نہیں تھا جس سے وہ بات شیئر کر کے کچھ سوچ پاتا، وہ بے بسی سے سر پٹخ کر رہ گیا، کوئی رستہ بجھائی نہ دے رہا تھا۔

☆☆☆

صدیق احمد نے اسے دیکھا اور بہت دیر تک خاموش رہے، شاید ان کے پاس الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

آج طلال واپس جا رہا تھا، اس کی آنکھوں میں ایک بے کنار سرد مہری ٹھہر گئی تھی اور چہرہ پتھر دکھائی دیتا تھا۔

وہ شاید اب انہیں کبھی نہ ملتا، اس دنیا کے ہجوم میں ان کے دل کا ٹکڑا ان کا دایاں بازو شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھو جانے والا تھا، وہ اسے روکنا چاہتے تھے مگر آگاہ تھے کہ وہ کبھی نہیں رکے گا جبھی بالکل خاموش تھے، طلال بھی چپ تھا، کل اسے ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا اور اس کے بعد وہ اپنے ہوٹل کے روم میں ہی تھا، جہاں پاکستان آنے کے بعد اس کا ہمیشہ قیام ہوتا تھا، آج پاپا اسے وہیں ملنے آئے تھے۔

''تم ٹھیک تو ہو ناں؟'' انہوں نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ موبائل نکال کر کوئی نمبر ملانے لگا، وہ خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

''وہاں جا کر اکیلے رہو گے؟'' وہ فکر مند تھے۔

''ظاہر ہے اکیلا ہی رہوں گا، جیسے ہمیشہ سے رہا ہوں۔'' وہ تلخی سے بولا تھا، اس نے موبائل کان کو لگا لیا تھا، دوسری طرف شاہ بخت تھا۔

''کیسے ہو بخت؟''

''تم زندہ ہو؟ افسوس ہوا؟'' بخت نے چھوٹتے ہی چڑھائی کی تھی۔

''بس اس بار بھی بچ گیا ہوں، تم بتاؤ کہاں مل سکتے ہو؟'' اس نے نظر انداز کر کے بڑے سکون سے کہا تھا۔

''جہاں تم کہو مل سکتے ہیں، اس میں کیا مسئلہ ہے؟'' اس نے کہا۔

''تو ٹھیک ہے ایک گھنٹے بعد میں تمہارا انتظار کروں گا کے ایف سی آ جانا۔'' اس نے کہہ کر فون بند کر دیا، صدیق خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''کوئی دوست تھا؟''

''ہاں جی، دوست تھا۔''

''تم رک جاؤ ناں طلال۔''

''کس کے لئے؟''

''میرے لئے۔''

''نہیں رک سکتا۔''

''کیوں؟''

''آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔''

''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''مجھے پتا ہے۔''

''غلط سوچ ہے تمہاری۔''

''ہرگز نہیں۔''

''تم میرے بیٹے ہو۔''

''نہیں، میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں۔''

''فضول باتیں مت کرو۔''

''آپ کا بیٹا صرف وہ ہے جو آپ کے ساتھ رہتا ہے۔''

''تم بھی ساتھ رہ سکتے ہو۔''

''مگر وہ رہنے نہیں دے گا۔''

''اس کا فیصلہ صرف میں کر سکتا ہوں وہ نہیں۔''

''آپ بھی تو اسی کے ساتھ رہتے ہیں۔''

''غلط بات مت کرو، وہ میرے ساتھ رہتا ہے۔''

''بہر حال میں نہیں رہ سکتا۔''

''وجہ؟''

''بڑی مختصر سی ہے، جہاں وہ رہے گا وہاں میں قطعی نہیں رہ سکتا۔''

''مجھے کس بات کس سزا ہے؟''

''سزا؟ نہیں اس میں سزا والی تو کوئی بات نہیں ہے۔''

''تو پھر کیا ہے؟''

''میں ساری زندگی آپ کے ساتھ نہیں رہا، اب کیسے رہوں گا؟''

''یہی تو میں چاہتا ہوں، ساری زندگی نہیں رہے اب تو رہو۔''

''نہیں رہ سکتا۔''

''تو پھر پاکستان کیوں آئے تھے؟''

''اپنا حصہ لینے۔''

''کیا مطلب؟''

''آپ کی زندگی میں سے، آپ کی محبت و شفقت میں سے آپ کے وقت میں سے اپنا حصہ لینے آیا تھا میں، مگر مجھے حصہ بہت جلد مل گیا، اس کی شکل میں۔'' اس نے اپنے گولی لگے بازو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ صرف ایک جھگڑا تھا اور کچھ نہیں، مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ساری زندگی اسی بات کے پیچھے لگا دی جائے۔''

''مجھے کسی قسم کی یقین دہانی یا وضاحت نہیں چاہیے۔''

''میں تمہارا باپ ہوں طلال۔''

''آپ کی قسمت۔''

وہ تلخی سے ہنسا اور بیڈ پہ دراز ہو گیا وہ خاموشی سے اسے دیکھتے رہے پھر اٹھ کر اس کے قریب چلے آئے، جھک کر اس کی پیشانی پہ بوسہ دیا اور سیدھے ہو گئے۔

''تم نے ٹھیک کہا، میری قسمت کہ میں تمہارا باپ ہوں، میرے خون میں تمہاری محبت شامل ہے، میں تمہاری فکر کیے بغیر رہ ہی نہیں سکتا، دعا ہے خدا تمہیں راہ راست پر لائے اور بہت آسانیاں دے۔'' وہ کہہ کر خاموشی سے باہر نکل گئے۔

طلال بہت دیر تک اسی طرح بے حس و حرکت چھت کو دیکھتا رہا، پھر اس کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا اور اس کے بالوں میں جذب ہو گیا، پتھر میں دراڑ پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

اسے میں نے ہی لکھا تھا
کہ لہجے برف ہو جائیں
تو پھر پگھلا نہیں کرتے
پرندے ڈر کے اڑ جائیں
تو پھر لوٹا نہیں کرتے
اسے میں نے ہی لکھا تھا
یقیں اٹھ جائے تو شاید
کبھی واپس نہیں آتا
ہواؤں کا کوئی طوفاں
کبھی بارش نہیں لاتا
اسے میں نے ہی لکھا تھا
دل ٹوٹ جائے اک بار
تو پھر جڑ نہیں پاتا

شنق اس کے بازوؤں میں تھی اور وہ خاموشی سے کھڑکی کے پار دیکھ رہا تھا، حبا ایڈمٹ

تھی اس کے کندھے، دائیں ٹانگ اور ہاتھ پر شدید چوٹیں آئی تھیں۔

وہ ہوش میں آئی تھی مگر اسے درد اس قدر تھا کہ وہ تڑپنے لگ گئی جس کی بناء پر اسے ٹرینکولائز دے کر سلا دیا گیا تھا، اسید اس کے پاس ہی تھا، مرینہ اور تیمور بس پہنچنے والے تھے اور وہ سامنے پڑی اس زندہ لاش کی سی لڑکی کو دیکھ رہا تھا، ہاں وہ غلط تھا۔

کیوں کہ وہ ساری زندگی اسے سچ کا سبق پڑھاتا رہا تھا، مگر اس کا اپنا عمل جھوٹا نکلا تھا، ہاں وہ منافق تھا۔

دل سے اس کی حالت پہ کڑھتا مگر بظاہر پتھر بنا رہا تھا، ہاں وہ کم ظرف تھا

وہ اس کی کسی غلطی کو نظر انداز نہ کر سکا تھا اور باوجود اس کہ وہ اسے ساری زندگی اعلیٰ ظرفی کا سبق پڑھاتا رہا تھا۔

ہاں وہ اس کی امیدوں پہ پورا نہ اتر سکا تھا، بلکہ اس نے تو حبا کے سارے خواب کوڑے کا ڈھیر بنا دیئے تھے۔

وہ مسلسل کئی گھنٹوں سے سوچ رہا تھا، کہیں نہ کہیں غلطی اس کی بھی تھی، وہ مکمل طور پر خود کو اس سارے معاملے میں بے قصور قطعی قرار نہ دے سکتا تھا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سگریٹ پیئے مگر شفق اس کی گود میں تھی جبھی وہ ایسا کرنے سے قاصر تھا۔

پھر اس نے تیمور اور مرینہ کو اپنی طرف آتے دیکھا، مرینہ اس کے ساتھ لگ کر رونے لگیں، تیمور بے چینی سے شیشے کے دروازے کے پار دیکھتے رہے جہاں پٹیوں میں لپٹی وہ پڑی تھی۔

مرینہ نے شفق کو اس سے لے لیا، وہ تھکا سا بنچ پہ بیٹھ گیا، کچھ دیر بعد تیمور اس کے برابر آن بیٹھے، اس نے محسوس کیا مگر اسی طرح بیٹھا رہا، تیمور نے کنکھیوں سے اس کا جائزہ لیا، وہ مضبوط و توانا تھا، باوقار تھا اور اس وقت سخت غمگین اور دکھی نظر آتا تھا۔

''اسید مصطفیٰ'' اس نام کے ساتھ ساری زندگی ان کی نہیں بنی تھی، وہ کبھی خوش نہیں ہو سکے، نہ کبھی اس کو کوئی رعایت دے سکے، باوجود اس کے کہ وہ ان کی بیٹی کا شوہر بن گیا، اندر جب وہ دونوں مل کر پھر سے رہنے لگے تب بھی وہ خوش نہیں تھے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں دنیا میں جو کسی حال میں خوش نہیں ہوتے، خواہ انہیں ساری خوشیاں جھولی بھر کے مل جائیں۔

انہوں نے بھی کبھی اسید سے مل کر کوئی غلط فہمی دور نہیں کی تھی، نہ ہی اسے اس قابل سمجھا تھا کبھی کہ ان دونوں کی میں انڈر اسٹینڈنگ بن پاتی اور اب وہ بالکل چپ تھے۔

''وہ ٹھیک تو ہو جائے گی نا؟'' انہوں نے خدشوں سے لبریز آواز میں پوچھا تھا۔

''انشاء اللہ۔'' اس نے امید سے کہا۔

''ہوا کیا تھا؟'' مرینہ اس کی داہنی جانب آ کر بیٹھ گئیں، اب یوں تھا کہ وہ دونوں اس کے اردگرد موجود تھے اور درمیان میں اسید، اسے محسوس ہوا کہ وہ ایک مضبوط حصار میں آ گیا ہو۔

''نور کا ایڈمیشن کروانے جا رہی تھی۔'' اس نے پچھتاؤں سے بھری آواز میں کہا۔

''میں آفس میں تھا جب کال آئی مجھے کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، پھر تب سے یہیں ہوں، ڈاکٹر کہتا ہے زخم گہرے ہیں، میں نے کہا ہاں مجھے پتا ہے زخم بہت گہرے ہیں، وہ اتنی کمزور اور نازک ہے کہ اسے ہمیشہ گہرے زخم ہی

آتے، خواہ انسانوں سے آئیں یا حادثوں سے۔"
وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ بول رہا تھا، تیمور کے دل کو کچھ ہوا تھا۔
"وہ ٹھیک ہو جائے گی، مجھے پورا یقین ہے۔" انہوں نے کہا اور اسید کا چہرہ عجیب سا ہو گیا، جیسے آج سالوں بعد اس کا ضبط ٹوٹ گیا، اس کا رنگ زرد پڑا اور پھر وہ بے ساختہ تیمور کے گلے لگ گیا۔
"بس کریں پاپا، میری برداشت ختم ہو چکی ہے، میری سزا ختم کر دیں پاپا۔" وہ شدت سے بیٹھی ہوئی آواز میں بول رہا تھا، تیمور ششدر رہ گئے۔
"اسید! کیا ہو گیا ہے؟" انہوں نے اس کا شانہ تھپکا تھا۔
"بہت برا ہو گیا ہے پاپا، میرے ہاتھوں سے سب کچھ نکل گیا ہے، میرے ساتھ یہ کیا ہو گیا؟ وہ مجھ سے اتنا پیار کرتی ہے کہ اس سے زیادہ پیار مجھے کوئی بھی نہیں کر سکتا، اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں کیسے رہوں گا؟ میری انا پرست اور ہٹ دھرم شخصیت کو صرف وہ برداشت کر سکتی ہے، جیسے اس نے میرا احساس کیا، میرا خیال رکھا، ویسے اور کوئی نہیں رکھ سکتا، میں...... میرا غرور کس طرح اس چیز کو برداشت کریں گے کہ وہ ہمیں چھوڑ کر چلی جائے، میں تو بالکل بھی اچھا نہیں ہوں پاپا، دیکھیں نا ابھی بھی صرف اپنا ہی سوچ رہا ہوں، کس قدر خود غرض ہوں میں، مگر آپ کو پتا ہے مجھے خود غرض بنانے میں سراسر اس کا ہاتھ ہے پاپا۔"
"ہاں...... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، اسی نے بنایا ہے مجھے ایسا، میں تھا کیا؟ کچھ بھی نہیں، ایک عام اور معمولی انسان ہی تھا نا، اس کی بدقسمتی کہ وہ مجھ سے بہت سی امیدیں لگا بیٹھی اور میری بدبختی کہ میں اس کی امیدوں پہ پورا نہ اتر سکا، میں کس قدر دوغلا انسان ثابت ہوا نا؟ میں نے ساری زندگی جو سبق اسے دیئے آخر میں خود ان سے منکر ہو گیا، اس نے جو خاکہ میرا بنایا تھا میں نے اپنے اعمال سے اس میں سیاہ رنگ بھر دیا، وہ مجھے چاہتی رہی اور میں اس کو غلط سمجھتا رہا، وہ مجھے دل کی مسند پر دیوتا بنا کر پوجتی رہی اور میں بچ بچ کے پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہو گیا، ہاں مجھے پتا ہے پاپا، میں نے اس کے ساتھ بہت برا کیا ہے، میں نے اس کے سارے خوابوں کو مٹی کا ڈھیر بنا دیا، مگر اب اس نے مجھے اتنا اپنا عادی بنا لیا ہے، اتنا سر چڑھا لیا ہے کہ میں اس کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا، میں اتنی اذیت نہیں سہہ سکتا، ہاں میں ہوں خود غرض، کیوں نہ ہوں میں خود غرض۔ مجھ سے اس کے علاوہ اور کون پیار کرتا ہے؟ آپ سے تو ماما کرتی ہیں، حبا سے آپ دونوں کرتے ہیں، مجھ سے تو صرف حبا کرتی ہے نا پاپا۔"
"مجھ سے اگر وہ کھو گئی تو میں کیا کروں گا، کدھر جاؤں گا؟ آپ بھی تو بس اس سے پیار کرتے ہیں مجھ سے نہیں کرتے، کیا تھا اگر آپ مجھ سے تھوڑا سا پیار کر لیتے، میرے ماتھے پہ بوسہ دیتے، مجھے یہ یقین دہانی کراتے کہ میں یتیم نہیں ہوں، مجھے یہ تسلی دیتے کہ آپ میرا سائبان ہیں، میں تنہا نہیں، تب شاید میں بھی اتنا پیار کو نہ ترستا، حبا کی توجہ کی اتنی ضرورت نہ ہوتی مجھے، ہاں میں جانتا ہوں یہ آپ کا فرض نہیں تھا، نہ ہی میرا حق کہ آپ یہ سب کرتے مگر انسانیت کے ناطے میں تو بہت کچھ کرتا ہے انسان، آپ مجھے یتیم اور لاوارث سمجھ کر ہی سر پہ ہاتھ رکھ دیتے مگر آپ نے ایسا کچھ نہ کیا اور میں خود میں سمٹتا سمٹتا اپنی محرومیوں کو اندر دباتا کب اس طرح کا ہو گیا مجھے پتا ہی نہ چلا۔"

"میرے اندر بھی احساس کمتری کے جھکڑ چلتے تھے جب مجھے آپ تینوں ایک پرفیکٹ فیملی کی تصویر لگتے تھے اور میری جگہ وہاں کہیں نہیں نکلتی تھی، میں آپ کی ہیپی فیملی کے سین سے اتنا دور چلا گیا کہ مجھے کوئی واپس ہی نہ لا سکے اور کوئی مجھے واپس لاتا بھی کیوں؟ آپ تینوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش تھے، میری ضرورت آپ کو نہیں تھی اور اگر حیا کو تھی تو یہ مسئلہ بھی ہمیشہ آپ کو تنگ کرتا رہا، آپ کو ساری زندگی یہ غلط فہمی رہی کہ میں نے اسے ورغلایا، اسے آپ کے خلاف کیا مگر خدا گواہ ہے کہ میں نے کبھی اسے برا سبق نہیں سکھایا، کبھی آپ کے خلاف نہیں کیا میں نے کبھی اپنے انتقام، اپنی محرومیاں اس کے سر نہیں تھوپیں کبھی اسے قصوروار نہیں ٹھہرایا مگر اس کے باوجود بھی میں نے اس کے ساتھ غلط کر دیا، میں اسے کیسے واپس لاؤں؟ کدھر سے لاؤں؟ کیسے مناؤں اسے؟ میں نے کہاں جانا ہے اس کے بغیر؟ میرا کیا ہوگا، تین سال ہونے والے ہیں ہم دونوں کو ساتھ، مگر آج تک اسی طرح ایک دوسرے کے دور ہیں، کوئی بھی چیز ہمیں قریب نہیں لا سکی، میں تھک گیا ہوں، میرا دل چاہتا ہے خودکشی کر لوں، پھر سوچتا ہوں میرے بعد ان دونوں کا کیا بنے گا، میں کدھر جاؤں، کس سے بھیک مانگوں اس کی زندگی کی، سب غلط ہو گیا پاپا، کچھ بھی ٹھیک نہیں رہا۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں رو رہا تھا، آج سارے اعتراف ہو گئے تھے، آج ساری غلط فہمیاں دھل گئی تھیں، آج سارے غبار چھٹ گئے تھے، تیمور اب واقعی بوڑھے ہو گئے تھے، وہ اسے سینے سے لگا کر خود بھی رو پڑے تھے۔

☆☆☆

ستارا نے پاپا کو دیکھا جو کہ اپنے سامنے لیپ ٹاپ رکھے کچھ مصروف تھے، وہ ہلکے سے دروازہ بجا کر اندر آ گئی، وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"آؤ ستارا۔" انہوں نے کہا، وہ اندر آ گئی۔

"وہ میں نے آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔" وہ کچھ جھجک کر بولی۔

"جی بیٹا پوچھو۔" وہ مسکرائے۔

"طلال کیسا ہے؟"

"وہ ٹھیک ہے۔" انہوں نے افسردگی سے کہا، ستارا نے بڑے غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔

"کدھر ہے وہ؟ گھر نہیں آئے گا؟"

"وہ واپس جا رہا ہے؟"

"واپس، کہاں؟" وہ حیران ہوئی۔

"دوبئی۔"

"وہ یہاں نہیں رہے گا؟"

"نہیں وہ وہیں رہتا ہے۔"

"اوہ... میں سمجھی، وہ ٹھیک ہو کر ادھر آئے گا۔"

"ہوں۔"

"جاتے ہوئے مل کر جائے گا؟"

"کیا ہو گیا ہے ستارا آپ کو، بیٹا خود سوچو، جتنا خوفناک جھگڑا نوفل اور طلال میں ہو چکا ہے وہ کبھی بھی یہاں نہیں آئے گا، بتا چکا ہے وہ مجھے۔" وہ تھکے ہوئے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"آپ مل چکے ہیں؟" وہ اور حیران ہوئی۔

"کیا وہ ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو چکا ہے؟"

"ہاں وہ اپنے ہوٹل میں ہے جہاں اس کا قیام ہے، میں مل چکا ہوں اس، اب ٹھیک ہے وہ۔" انہوں نے مختصراً کہا۔

"اوہ، میں بھی اس سے ملنا چاہتی ہوں پاپا۔"

"ضرور کیوں نہیں بیٹا، آپ چلی جاؤ، میں اسے فون کر دیتا ہوں، وہ ہوٹل ہی ہے آپ سے مل لے گا۔" اس بار انہیں قدرے خوشی ہوئی تھی، ان کی بہو خود رشتے کو بہتر بنانا چاہتی تھی۔

"میں کیسے جاؤں پاپا؟"

"ڈرائیور کے ساتھ چلی جانا اور واپس بھی اس کے ساتھ آ جانا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔" انہوں نے کہا، وہ سر ہلا کر باہر نکل گئی۔

صدیق موبائل نکال کر طلال کا نمبر ملانے لگے، وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ ستارا کا رشتوں کو دوبارہ سے استوار کرنے کے موڈ میں نہ تھی، بلکہ وہ تو اس جگسا پزل کو حل کرنا چاہتی تھی جس کے گم شدہ ٹکڑے اسے مل نہیں پا رہے تھے، مگر اب طلال اس کے خیال میں اس کی کافی مدد کر سکتا تھا۔

وہ جلدی جلدی تیار ہونے چلی گئی، اس بات سے بے خبر کہ وہ اپنی زندگی کا سب سے خوفناک قدم اٹھانے جا رہی تھی، جس کا اثر اس کی آنے والی زندگی میں بے حد برا پڑنے والا تھا۔

☆☆☆

طلال نے کال کر کے اسے اپنے روم میں ہی بلا لیا تھا، شاہ بخت آیا تو طلال باتھ لینے میں مصروف تھا، وہ بیڈ پر نیم دراز ہو کر پھر سے سوچنے لگا، طلال کی کال پہ وہ اسی وقت بھاگا آیا تھا کیوں اسے خود بھی دلی پریشانی تھی کہ وہ اس کی شادی پہ کیوں نہ آیا تھا، دوسرے اسے جو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس سے ڈسکس کرے علینہ والا مسئلہ، اب اسے طلال کی صورت ایک کندھا مل گیا تھا، اسے اپنا کتھارسس کرنے کا موقع مل جائے گا، پھر شاید وہ اس مسئلے کا کوئی حل ڈھونڈ سکے گا۔

کچھ دیر بعد طلال شاور لے کر آ گیا، اس نے شرٹ نہیں پہنی تھی اور اس کے کندھے پر لگی وہ بڑی سی بینڈیج شاہ بخت چونک کر سیدھا ہوا۔

"مصعب کیا ہوا ہے تمہیں؟" وہ تیزی سے اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے بینڈیج کو چھوا، چہرے سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

''بتا دوں گا، جلدی کیا ہے؟'' طلال نے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

بخت نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا، زردی مائل چہرہ، یقیناً کمزوری کے سبب تھا اور اس کی آنکھوں میں ہلکی سی سوجن تھی۔

''کیا مطلب؟ بتا دوں گا تم ٹھیک نہیں ہو اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں، کیا ہوا ہے یہاں بولو، کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے کیا، یہ زخم کیسا ہے؟'' وہ پریشانی سے فکر سے بول رہا تھا، طلال کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''بہت اچھا لگا تمہیں اپنے لئے پریشان دیکھ کر، چلو کوئی تو ہے جسے میری فکر ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''بات مت بدلو ایڈیٹ۔'' وہ جھلا گیا۔

''ارے یار کہا تو ہے بتا دوں گا، ابھی زخم تازہ ہے بار بار پوچھو گے تو خون بہنے لگے گا۔'' اس کا لہجہ عجیب تھا، افسردگی اور دکھ کی چادر میں لپٹا ہوا۔

شاہ بخت چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر سر ہلا کے وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا، اس نے پٹ کھول کر ایک شرٹ منتخب کی اور اس کی طرف بڑھا دی، طلال ہنسا تھا۔

''بالکل سگھڑ بیوی لگ رہے ہو۔'' اس نے مذاق اڑایا اور شرٹ پہننے لگا۔

''شٹ اپ غصہ نہ دلاؤ مجھے۔'' بخت نے چڑچڑے انداز میں کہا تھا۔

''اچھا کیوں نہ دلاؤں تمہیں غصہ، ایک تم ہی تو میرے یار اور دلدار ہو۔'' طلال نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''وہ تو ہوں، مگر اس وقت میرا دماغ اڑا ہوا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے پھر سے لیٹ گیا، پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا۔

''ارے تم تو انجرڈ ہو، شاور کیوں لیا تم نے؟''

''انجرڈ ہوں، بے وقوف نہیں، زخم کو پانی سے بچا کر رکھا تھا۔'' طلال شرٹ پہن کر اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''اب مجھے سمجھ آئی ہے تم میری شادی میں کیوں نہیں آئے۔'' بخت نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''مجھے خود بہت دکھ ہوا تھا یار، تمہیں پتا ہے میں آنا چاہتا تھا۔'' طلال کو پھر افسردگی نے آن گھیرا، اسی وقت اس کا فون بجنے لگا، اس نے دیکھا پاپا تھے، اس نے کال ریسو کر لی، وہ اسے بتا رہے تھے کہ ستارا اس سے ملنا چاہتی ہے، اس کے ماتھے پہ شکن آ گئی، اس نے انکار تو نہیں کیا، مگر دل میں وہ سوچ رہا تھا کہ آخر ایسی کون سی بات تھی جس کی وجہ سے انہوں نے اس سے ملنا چاہا اور کیا نوفل بے خبر تھا، اس نے فون بند کیا اور بخت کی طرف متوجہ ہو گیا۔

پھر اسے بھی بتایا کہ کوئی خاتون ملنے آ رہی ہیں، وہ حیران ہوا۔

''تم سے کون ملنے آ رہا ہے اور وہ بھی لڑکی؟'' بخت نے اسے گھورا۔

''ابھی چل جائے گا پتا۔'' طلال نے ٹالا۔

وہ دونوں چائے پی رہے تھے جب ہلکی سی دستک ہوئی بخت نے ہی اٹھ کر دروازہ کھولا اور حیران رہ گیا۔

''آپ یہاں؟'' اس نے ستارا کو دیکھ کر سوال کیا تھا۔

(باقی آئندہ)

کہیں دور دشت خیال میں
کوئی قافلہ ہے رکا ہوا
کہیں کھلی آنکھ کی گود میں
کئی رتجگے ہیں پروئے ہوئے
کہیں عہد ماضی کی راہ میں
کوئی یاد سی کہیں کھو گئی
کہیں خواب زاروں کے درمیان
مجھے زندگی نے بسر کیا
میرے ماہ و سال کی گود میں
نہ وصال کا کوئی چاند ہے
کوئی آس ہے نہ امید ہے
نہ کسی ستارے کا ساتھ ہے
نہ ہی ہاتھ میں کوئی ہاتھ ہے
کئی واہمے، کئی وسوسے
مجھے گھیر لیتے ہیں شام سے
وہی دن متاع حیات ہیں
جو بسر کیے تیرے نام سے

رحاب آفاق کی آواز آرٹس کونسل کے آڈیٹوریم ہال میں گونج رہی تھی، لفظوں کا اتار چڑھاؤ اور اس کی سانسوں کا زیر و بم پورے ہال میں گونج رہا تھا، سکوت یکدم ٹوٹا تھا اور تالیوں کی زوردار گونج اور داد و تحسین کے لفظوں سے اس کو بہت خوبصورت خراج تحسین پیش کیا گیا تھا۔

ہال میں اب تک دھیمی دھیمی تالیوں کی گونج برقرار تھی جبکہ ساتھ ہی دبی زبان میں تبصرہ بھی، وہ اس تمام تبصرہ سے بے نیاز نہایت تمکنت سے چلتی ہوئی اپنی نشست پہ آبیٹھی، وہ جانتی تھی کہ یہ داد و تحسین اس کے لئے ہے کوئی اس کا پرسوز حسن سراہ رہا تھا تو کوئی انداز شاعری، اس کی شاعری کی پوری یونیورسٹی دیوانی تھی یہی وجہ تھی کہ ایم اے فائنل والوں کی طرف سے آرٹس کونسل میں کیے جانے والے اس پروگرام میں اسے بطور خاص مدعو کیا گیا تھا، وہ اسٹوڈنٹ کے دیوانے پن سے آگاہ بھی تھی، مگر اس دل کا کیا کرتی جو ہر چیز سے بے نیاز ہو چکا تھا۔

مریم نے اپنی خاموش، سوگوار حسن میں لپٹی بھیگی آنکھوں والی بہن کو اتنے خوبصورت ماحول سے بے نیاز دیکھا تو اس کی بے نیازی پر مریم کی پلکیں بھی بھیگ گئیں، کوئی تعریف، کوئی توصیف یا کوئی خوشگوار جملہ اس کی ساکت جھیل جیسی زندگی میں ہلچل مچانے میں ناکام رہتا تھا، رفتہ رفتہ ہال خالی ہونے لگا اور سب پارکنگ کی طرف بڑھنے لگے، یونیورسٹی کا یہ سالانہ فنکشن جو اس مرتبہ اسٹوڈنٹ کی فرمائش پہ آرٹس کونسل میں منعقد کیا گیا تھا، ہر سال کی طرح اس سال بھی شاعری کی بدولت بے انتہا کامیاب ہوا تھا اور بے حد پسند کیا گیا تھا، ہال تقریباً خالی ہو چکا تھا، مریم نے ہال خالی ہوتا دیکھ کر رحاب سے کہا۔

''چلیں رحاب!'' اس نے چونک کر مریم کو دیکھا جیسے گہری نیند سے جاگی ہو اور تھکی تھکی چال چلتی پارکنگ کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

وہ مارچ کی ایک خوبصورت شام تھی مریم اور رحاب اپنی مشترکہ فرینڈز کی ارینج کی گئی پارٹی میں جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی، مریم بہت خوش تھی رحاب نے اس کے بصد اصرار تیار ہو جانے کے بعد مریم کو نکلنے کا اشارہ کیا تو مریم نے ایک آخری نگاہ اپنی تیاری پہ ڈالی اور دوسرے ہی پل اس کی نظریں رحاب پر تھیں وائٹ شیفون جارجٹ کا سوٹ جس کی آستین اور گلے پر سفید موتیوں کی لڑی لگی ہوئی تھی اور کمر پر لہراتے سلکی سیاہ بال جو چھوٹی سی کیچر میں مقید تھے، آنکھوں میں بھی ہلکی کاجل کی دھار وہ سادگی میں بھی بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی، مریم نے آگے بڑھ

کر بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی۔

''میری دعا ہے رحاب خدا نے تمہیں جتنا خوبصورت بنایا ہے، اتنا تمہارا نصیب بھی مصطفیٰ خان آفریدی کو شش عطا کر کے خوبصورت بنا دے۔'' اور اس کے لفظوں پر رحاب نے چونک کر اسے دیکھا اور جلدی سے باہر نکل گئی مبادا دل کے زخم، رسنے نہ لگ جائیں، وہ تیزی سے گیٹ پار کر کے باہر نکل رہی تھی جبھی سامنے سے آتے شخص سے ٹکرا گئی، اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا سامنے کوریئر سروس کا بندہ کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں موجود سامان زمین بوس ہو چکا تھا۔

''سوری میں نے آپ کو دیکھا نہیں۔'' رحاب نے معذرت کی۔

''اٹس او کے میم! ''آفاق ولا'' یہی ہے ناں۔'' اس نے رحاب کے پیچھے بنا وہ عالیشان محل جس پر جلی حرفوں میں ''آفاق ولا'' لکھا اور وہ ڈوبتے سورج کی کرنوں میں نہایت حسین لگ رہی تھی خصوصاً اس کے در و دیوار میں لگے سنگ مرمر کے ٹکڑے سورج کی کرنوں میں سونے کا روپ دھارے نظر آ رہے تھے، کو دیکھتے ہوئے، اس نے رحاب سے تصدیق چاہی اور اپنی اٹھتی نظروں کو روک نہ سکا جو اس محل کو دیکھتے ہوئے مبہوت ہوئی تھیں۔

''جی ہاں یہی ہے آپ کو کیا کام ہے؟'' رحاب نے اس کے مبہوت بھرے انداز کو کوفت سے دیکھا جواب آفاق ولا کے بعد اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں اتر آیا تھا، اس کی کوفت بھری آواز پر وہ یک لخت سیدھا ہوا۔

''سوری میم! ایکسٹریملی سوری یہ ایک پارسل مس رحاب آفاق کے لئے اور دوسرا مریم آفاق کے نام کا ہے، آپ.....'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''جی میں ہی رحاب آفاق ہوں لائیے کہاں سائن کرنے ہیں۔'' اس نے مریم اور اپنے نام کے نیچے سائن کر کے اسے جانے کا اشارہ دیا اور قریب تھا کہ خود بھی اندر بڑھ جاتی، کہ باہر نکلتی مریم نے اسے دیکھا تو وہ اسے کوریئر سروس کے نمائندے کے بارے میں بتا کر پھولوں کا بکے اور گفٹ پیک اسے دے کر اندر کی طرف بڑھ گئی، مریم نے بکے میں لگے ریحان کا نام (منگیتر) کا نام دیکھا تو یکدم مسکرا دی، سامنے سے آتی ملازمہ کو دونوں چیزیں دے کر اسے اپنے کمرے میں رکھنے کی ہدایت کر کے وہ رحاب کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

رحاب لفافے پر لگی سرحد کی اسٹیمپ لگی دیکھ کر وہ نہ جانے کتنی دیر تک خود کو یقین دلاتی رہی کہ یہ خط اسے مصطفیٰ خان آفریدی نے بھیجا ہے، جبھی کھٹکے کی آواز پر چونکی سامنے مریم کھڑی ہوئی تھی۔

''رحاب چلو دیر ہو رہی ہے اور تم نے بتایا نہیں تم کو کس نے پارسل بھیجا ہے اور کیا؟'' مریم نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے رحاب کی آنکھوں میں نمی تھی اور لبوں پہ مسکراہٹ۔

''تمہیں پتا ہے مریم مصطفیٰ نے مجھے خط لکھا ہے مجھے رحاب آفاق کو۔'' وہ بچوں کی طرح کھلکھلاتی زور و شور سے روتی ہوئی ہنستی لگتی بے یقینی کا شکار اپنے آپ سے لاپرواہ مصطفیٰ خان آفریدی کی محبت میں ڈوبی اپنی اس بہن کو اس حالت میں دیکھ کر مریم بھی خود پہ قابو نہ رکھ سکی اور اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی، کافی دیر بعد وہ جب دونوں رو کر تھک گئی تو مریم نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ میں سے پانی نکال کر رحاب کو دیا اور پھر خود بھی پی کر وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی، رحاب نے کانپتے ہاتھوں سے لفافہ

کھولا تو گلابی رنگ کا کاغذ اس کی گود میں آگرا اس نے کاغذ اٹھایا تو بے اختیار اس کی نظریں کاغذ پہ پھسلتی چلی گئیں۔

''عزیز من رحاب!

آج میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہیں کبھی نہ ختم ہونے اپنے دل کی باتیں لکھوں یا پھر وہ سب تو ضرور لکھوں جو تم میری آنکھوں میں تلاش کرتی تھیں اور میرے لبوں سے سننا چاہتی تھیں رالی زندگی ہمیں ہمیشہ وہ سب کچھ نہیں دیتی جو ہم طلب کرتے ہیں ان میں سے ایک محبت بھی ہے میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور آج مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ مجھے بھی تم سے محبت ہے لیکن شاید یہ تمہاری محبت کا عشر عشیر بھی نہیں مگر زندگی محبت کا نہیں بلکہ حقوق و فرائض اور اپنے وجود پر موجود قرضوں کی ادائیگی کا نام ہے اب یہ قرض ظاہری شکل میں ہو یا باطنی پیسے کی شکل میں ہو یا کسی کی زندگی کی شکل میں، خوابوں کی صورت میں ہو یا محبت کی صورت میں ہمیں ادا کرنا ہی ہوتا ہے، میری زندگی بھی ایک قرض ہے، اپنے وطن پر اپنے شہر پر، اپنی مٹی پر اور اس کی ادائیگی صرف میری شہادت کی صورت میں ہے۔''

رحاب نے بے اختیار لبوں پہ ہاتھ رکھ کر سسکاری روکی۔

''رحاب اگر تم یہاں آکر زندگی دیکھو تو شاید زندگی کا یہ رخ دیکھ کر تمہیں یقین نہ آئے یہاں موت کا رقص ہمہ وقت جاری ہے اور موت کا یہ اندھا رقص کتنی زندگیوں کو نگل چکا ہے اور کتنوں کا نگلنے والا ہے کوئی نہیں جانتا، میں نے اپنے شہر کی ماؤں کی ممتا بچانے اور ان مرغزاروں میں رہتے معصوم بچوں کی مسکراہٹوں کو لوٹانے کا عزم کیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ میرا رب مجھے مایوس نہیں کرے گا اور عنقریب میں ان لوگوں کی فہرست میں ضرور شامل ہو جاؤں گا جن کو رب عظیم نے خود تاج پہنانے کا وعدہ کیا ہے، اپنے وطن کے شیرازہ کو مزید بکھرنے سے بچانے کے لئے آج اگر مصطفیٰ خان آفریدی اپنی جان کا نذرانہ دے کر سہارا نہ دے سکا تو اسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیروکار اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عاشق کہلانے کا بھی کوئی حق نہیں مجھے یقین ہے کہ تم سے بچھڑنے اور تمہاری آنکھوں میں جلتے دیپوں کو بجھانے کا دکھ مجھے شدید ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تمہیں مجھ سے زیادہ بہتر شخص ضرور مل جائے گا جو یقیناً تمہیں مجھ سے زیادہ چاہے گا میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی۔''

میں شہر فنا ہوں\
تیرے کس کام کا ہوں\
اک بجھتا سا دیا ہوں\
تیرے کس کام کا ہوں\
تو رفاقت کے لئے کسی اور کو چن لے\
میں تو خود تنہا ہوں تیرے کس کام کا ہوں\
میں شہر فنا ہوں\
تیرے کس کام کا ہوں

وہ سانس روکے خط کا متن پڑھ رہی تھی مگر رحاب کو ایسا لگ رہا تھا آج اس خط کے ذریعے اس نے سارے پردے فاش کر دیئے ہیں وہ محبت جو وہ اپنے آپ سے بھی چھپا رہی تھی مصطفیٰ خان آفریدی نے اسے ایک لمحے میں عیاں کر دیا تھا، وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں تھی لیکن ذہن میں سوالات اور خیالات کا ہجوم تھا، وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی سب کچھ کہہ گیا تھا، سارے رشتے اور تعلق کو جانتے اور مانتے ہوئے بھی توڑ گیا تھا لیکن درحقیقت وہ رحاب آفاق کو توڑ گیا تھا، اس نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھا کر مریم کو دیکھا جس کی

پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"رومت مریم ابھی رحاب کی محبت اتنی کمزور نہیں ہوئی کہ وہ مصطفیٰ خان آفریدی کو ڈھونڈ نہ سکے، تم دیکھنا مریم میں اسے ڈھونڈ و گی بھی اس کی محبت بھی حاصل کروں گی اور رفاقت بھی۔" وہ مریم کو تسلی دے رہی تھی، یا اپنے آپ کو مریم سمجھ نہ سکی۔

"تم جاؤ مریم مجھے نیند آرہی ہے میں کچھ دیر کے لئے سوؤں گی۔" وہ مریم کو جانے کا اشارہ دیتی بالوں سے کیچر نکال کر بیڈ پہ لیٹ گئی۔

"لیکن رحاب!" مریم نے کہنا چاہا۔

"پلیز مریم میں لیکن ویکن یا اگر مگر کچھ نہیں سننا چاہتی، پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" اس کی صاف گوئی سے کہنے پر مریم خاموشی سے باہر نکل گئی، مریم کے باہر جانے کے وہ ماضی میں کھو گئی یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد سے اگر وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ مصطفیٰ خان آفریدی کو بھولنے میں کامیاب ہوگئی ہے یا ہو جائے گی تو یہ اس کی غلط فہمی تھی، کمرے میں پھیلتی تاریکی میں اسے مصطفیٰ خان آفریدی کے ان دیکھے وجود کی خوشبو جو اس کی موجودگی کا پتا دیتی تھی رحاب کو اپنے وجود میں سرایت ہوتی محسوس ہو رہی تھی ذہن کے دریچوں میں چھائی دھند کی چادر سرکنے لگی تو ہر منظر واضح ہونے لگا۔

☆☆☆

"ایکسکیوز می مے آئی کم ان سر!" سر تیمور جو لیکچر دینے کے ساتھ اہم پوائنٹس نوٹ کروا رہے تھے انہوں نے مڑ کر دیکھا تو ان کی نظروں کے ساتھ رحاب اور مریم سمیت پوری کلاس کی نظریں نووارد پر تھیں، ہوا میں خنکی سی شامل تھی سفید کلف لگے کرتا شلوار پہنے پاؤں میں سیاہ پشاوری چپل سرخ وسفید رنگت اور شہد رنگت والا وہ شخص مردانہ وجاہت کا مکمل شاہکار تھا، وہ منتظر نگاہوں سے سر کو دیکھ رہا تھا، سر تیمور نے اس کو سر کی جنبش سے اندر آنے کی اجازت دے دی، اس نے اندر آنے کے بعد ایک طائرانہ نگاہ کلاس پہ ڈالی اور سوئے اتفاق رحاب کے برابر رکھی خالی چیئر پہ بیٹھ گیا، وہ اس کے وجود سے اٹھتی مردانہ کلون کی مہک اور اس کی سحر انگیز شخصیت میں گم تھی اور قریب تھا کہ وہ نہ جانے کتنی دیر گم رہتی، یہ نہیں تھا کہ اس نے کبھی وجیہہ مرد نہیں دیکھے تھے، وہ جس کلاس سے تعلق رکھتی تھی وہاں ایک سے بڑھ کر ایک وجیہہ مرد تھے، لیکن اس کی شخصیت میں ایک سحر سا تھا اور سحر کا وہ ہالہ یکدم اس کی آواز سے ٹوٹا تھا، شخصیت جتنی سحر انگیز تھی آواز اس سے کہیں زیادہ گمبھیر تھی۔

"میرا نام مصطفیٰ خان آفریدی ہے، میرا تعلق مردان سے ہے اور میں مردان یونیورسٹی سے مائیگریٹ کروا کے آیا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ کی کلاس میں آپ کے لئے اچھا اضافہ ثابت ہوں گا۔" وہ اپنا تعارف کروانے کے بعد بیٹھ چکا تھا۔

گزرتے دنوں کے ساتھ رحاب پر اور بھی بہت کچھ منکشف ہوا تھا، وہ سراپا راز تھا، اس کی شخصیت میں ایک اسرار سا تھا اور رحاب آفاق اس راز کو تلاش کرنا چاہتی تھی اور اس راز کو تلاش کرنے میں وہ تہہ در تہہ مصطفیٰ خان آفریدی کی محبت میں ڈوبتی چلی گئی، وہ خوبصورت تھی، بولڈ تھی مگر لحاظ وادب کے معیار پر بھی پوری اترتی تھی، اس نے اپنی ذات پر مصطفیٰ خان آفریدی کی محبت کے انکشاف کو سات تہوں میں دفن کر دیا تھا اور شاید یہ محبت ہمیشہ کے لئے دفن ہی رہتی جب مصطفیٰ اچانک ہی یونیورسٹی سے غائب نہ ہو جاتا وہ ایک ہفتہ رحاب نے کس طرح گزارا تھا یہ

صرف وہی جانتی تھی اس نے اپنی حالت مریم پر بھی منکشف نہ ہونے دی تھی لیکن ایک ہفتہ بعد مصطفیٰ کو دوبارہ یونیورسٹی میں دیکھ کر اس نے اپنی ساری شرم بالائے طاق رکھ کر اسے مس یو کہہ دیا، وہ اسے کھونا نہیں چاہتی تھی اور مصطفیٰ کے سوا دنیا میں اسے اب کچھ بھی نہ نظر آرہا تھا اور نہ پرواہ تھی اس کی بات پر رحاب نے مصطفیٰ کے چہرے پر ایک لمحہ کے لئے تاریکی محسوس کی لیکن اگلے ہی پل وہ بالکل نارمل تھا اور اس کی بات کا جواب دیئے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا اور اس کے اس رویے پر رحاب شرمندگی کی انتہا گہرائیوں میں ڈوبتی چلی گئی کیونکہ مصطفیٰ خان آفریدی نے اس کی محبت کے پیالے میں نہ اقرار کے سکے ڈالے تھے نہ انکار کے اور نہ ہی انتظار کے۔

☆☆☆

وہ بھی ایک عام سا دن تھا ان لوگوں کا فائنل ائیر شروع ہوئے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا، جب وہ حادثہ ہوگیا، جس نے رحاب آفاق کی زندگی کو ایک نیا رخ دے دیا، ملک میں جگہ جگہ پھیلے قدرتی آفات کا سلسلہ جو کسی طور بھی تھمنے میں نہ آرہا تھا، اس کا سرا مالاکنڈ اور مردان کے ساتھ اس کے نواحی علاقوں میں جا کر رک گیا، لیکن اس سلسلے نے رکنے کے بعد جو تباہی اور آفت وہاں پھیلائی پورے ملک کو غم و سوگواری کی لپیٹ میں لے لیا، مالاکنڈ اور مردان میں آنے والا زلزلہ حقیقتاً رحاب آفاق کے لئے امتحان بن کر آیا تھا، مصطفیٰ ایک بار پھر یونیورسٹی سے بغیر بتائے غائب ہو چکا تھا اور اس کے بغیر بتائے ہی سب سمجھ چکے تھے کہ وہ مردان جا چکا ہے، وہ سمجھ رہی تھی کہ مصطفیٰ تھوڑی بہت امدادی کاروائی کر کے واپس آچکا ہوگا لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی پندرہ دن گزر جانے کے باوجود جب واپس نہیں آیا تو رحاب نے مزید انتظار کرنے کے بجائے ایک فیصلہ کر لیا وہ مصطفیٰ خان آفریدی کو بتانا چاہتی تھی کہ اس کی محبت پانی کا بلبلہ نہیں جو وقتی طور پر اٹھا اور اس کا جواب نہ پا کر غائب ہوگیا، بلکہ اس کی محبت صنوبر کے درخت کی طرح شاخ در شاخ پھوٹتی اس کے پورے وجود کو گھیر چکی ہے، رحاب نے سب سے پہلے اپنی سیونگ نکالی اور مریم کو اپنا لائحہ عمل بتایا تو مریم نے خاموشی سے اپنی اس محبت میں ڈوبی پاگل بہن کو دیکھا اور اپنی تمام سیونگ اس کے ہاتھ پر رکھ دی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ مصطفیٰ کی محبت میں بہت آگے جا چکی ہے، لیکن رحاب یہ نہیں جانتی تھی کہ جتنی محبت وہ مصطفیٰ سے کرتی ہے اس سے کہیں زیادہ مریم اس سے کرتی ہے، ان دونوں نے مل کر ان سب کو لائحہ عمل بتایا اور پھر پوری کلاس سے فنڈ جمع کرنے کے بعد تمام اسٹوڈنٹ نے مل کر اساتذہ کرام سے مدد لینے کے بعد اس کے کلاس فیلوز جو ایک گروپ کی شکل اختیار کر چکے تھے پوری یونیورسٹی سے فنڈ جمع کرتے گئے، رحاب اور مریم نے پوری یونیورسٹی سے فنڈ جمع کرنے کے بعد اپنے باپ ایڈووکیٹ آفاق حیدر کے حلقہ احباب سے مزید رقم جمع کرنی شروع کر دی، ایک مخصوص رقم جمع کرنے کے بعد ان سب دوستوں نے دوپہر شام ایک کرتے ہوئے تھکن سے بے پرواہ تمام لڑکیاں کپڑوں کی پیکنگ اور استری وغیرہ کرتیں جبکہ لڑکے راشن، چٹائی، کولر اور دیگر اشیاء کی خریداری کرتے، ان جمع شدہ اشیاء کو محفوظ کرنے کے بعد انہوں نے اسے لوڈ کروایا اور اپنی منزل مردان روانہ ہوگئے، رحاب کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں، وہ کبھی شکر گزار نظروں سے آسمان کو دیکھتی اور کبھی اپنی ساتھیوں کو جو بے غرض ہو کر اس مدد

کے لئے نکل پڑے تھے۔ بے غرض تو وہ بھی تھی، مگر دل میں چھپی محبوب سے ملنے کی غرض جو کبھی کبھی دل کے ایوانوں سے جھانکتی تو وہ بے اختیار نظریں چرا لیتی، پاس سے گزرتی ہوا نے مسکرا کر اسے نظریں چراتے دیکھا تو مسکرا کر آگے بڑھ گئی اور ہوا کی اس موج سے اس نے بے اختیار دل میں اٹھتے لفظوں کی کہانی سنانی شروع کر دی۔

اے موج ہوا تو ہی بتا
وہ دوست ہمارا کیسا ہے
جو بھول چکا ہے ہمیں کب سے
وہ جان سے پیارا کیسا ہے
کیا اس کے جیون لمحوں میں
کوئی لمحہ میرا باقی ہے
کہا اس کو جاگتی آنکھوں میں
میری یاد بھی کہیں باقی ہے
اگر ایسا نہیں تو تو ہی بتا
ہم یاد اسے کیوں کرتے ہیں
وہ ہم سے بچھڑ کر خوش ہے اگر
تو پل پل ہم کیوں مرتے ہیں
اے موج ہوا تو ہی بتا
اے موج ہوا تو ہی بتا

جس وقت وہ لوگ اپنی منزل پہ پہنچے رات کے بارہ بج رہے تھے، منزل پہ پہنچنے کے بعد رحاب کو یوں لگا مصطفیٰ اسے ملنے کی خواہش میں دل نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگا ہو سب لوگ گاڑیوں سے اتر کر سامان اتارنے لگے لڑکوں نے مل جل کر دو خیمے نصب کر لئے ان خیموں میں سے ایک کو انہوں نے اپنی رہائش گاہ کے طور پہ اور دوسرے کو سامان محفوظ کرنے کے لئے بنایا تھا، جس جگہ خیموں کو نصب کیا گیا تھا اس سے کچھ فاصلے پر کچی دیواروں کی خستہ حالت اور چھت کی جگہ پر گھاس پھونس بچھا کر ایک چھوٹا سا کمرہ بنانے کی کوشش کی گئی تھی بے سروسامانی اور خستہ حالی پر رحاب اور مریم کی آنکھیں بھیگنے لگیں، مریم کو اس کی ساتھی نے آواز دے کر بلایا تو وہ اس کی طرف چلی گئی رحاب اس ٹوٹے پھوٹے کمرہ نما اسکول میں چلی گئی تو پتا چلا وہاں متاثرین موجود ہیں لیکن کسی کی نظروں میں نہ آنے کی وجہ سے ان کو مدد ہی نہ مل سکی تھی، رحاب نے کاندھے پر لٹکے جوس اور خشک گوشت اور روٹی کے کچھ پیکٹ ان سب کو دیئے اور مزید سامان کا بھجوانے کا وعدہ کر کے باہر نکل آئی، وہ جانتی تھی کہ وہ لوگ اسے اپنی آپ بیتیاں سنانا چاہتی ہیں لیکن ان کی آپ بیتیاں سننے کی بجائے تیزی سے باہر نکل آئی تھی اسے لگا اگر وہ مزید بیٹھی تو ان کے دکھ اور آنسوؤں سے خشک ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر اس کا دل پھٹ جائے گا، لیکن سکول سے باہر نکلنے کے بعد جو منظر رحاب کی آنکھوں نے دیکھا فرط غم سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، ایک معذور مرد اور بیمار بیوی دونوں اکیلے ہی تھے اور اسکول کے چار خستہ حال دیواروں میں جو ایک تھوڑی مضبوط تھی اس سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، ٹاٹ کے علاوہ نہ کوئی ان کے پاس اپنا کوئی اثاثہ تھا اور نہ ان کو کسی نے دیا، رحاب کے قدم بے ساختہ ان دونوں کی طرف بڑھنے لگے، صبح کاذب کی روشنی پھیلنے لگی تھی ساری رات کے لئے نہ امداد دینے والوں نے پل جھپکی تھی اور نہ لینے والوں نے، وہ چار دن سے بھوکے تھے رحاب نے کاندھے پہ لٹکے اس سامان سے بھرے بیگ کو کھولا تو اس کی نظریں خالی لوٹ آئیں کیونکہ بیگ تو وہ اس اسکول نما کمرہ میں خالی کر آئی تھی، وہ تیزی سے واپس پلٹی اور خیمے میں آئی، ان بوڑھوں کی عمر کی ملحوظ رکھ کر روٹی کے ساتھ کچھ فروٹس لئے اور واپس ان کے پاس آئی

وہ سوچ رہی تھی خشک فروٹ کے ساتھ وہ روٹی کس طرح کھا سکیں گے، نہ پانی اور نہ کوئی سالن جس میں روٹی بھگو سکیں بوڑھے مرد نے کانپتے ہاتھوں سے روٹی پکڑی انتہائی مشکور نظروں سے اسے دیکھا اور شکریہ ادا کیا وہ انہیں پانی لانے کا اشارہ کرتی تیزی سے دوڑتی ہوئی خیموں کی طرف بھاگی جہاں وہ لوگ فل سائز کارٹن میں منرل واٹر کی بوتلیں بھر کر لائے تھے، جلدی جلدی ایک کارٹن کی ریپنگ کو پھاڑ کر اس میں سے دو بوتلیں پانی کی نکالیں اور بھاگتی ہوئی واپس ان دونوں کے پاس گئی مبادا خالی روٹی ان بوڑھوں کے حلق سے اترنے میں دشواری ہو رہی ہو، واپسی پر وہ حیران رہ گئی کہ وہ دونوں روٹی کھا بھی چکے تھے بس ان کے ہاتھ میں دبے دو لقمے باقی رہ گئے تھے، رحاب ان کی بھوک اور بے بسی دیکھ کر وہیں گھٹنوں کے بل گر گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ان بزرگ نے محبت شفقت اور شکر گزاری سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تو وہ ہاتھ جوڑ کر ان سے معافی مانگنے لگی۔

''بابا جی ہمیں معاف کر دیں یہ سب ہمارے ہی اعمال ہیں جن کی وجہ سے آج آپ لوگ بے بسی اور کمپرسی کی حالت میں ہیں پلیز بابا جی ہمیں معاف کر دیں۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی جبھی اپنے کاندھے کے گرد کسی کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا تو اس نے چونک کر سر اٹھایا وہ مصطفیٰ خان آفریدی تھا، اس وادی میں آنے کے بعد جسے تلاش کرتے کرتے نظریں تھک گئیں تو وہ نہ جانے کہاں سے سامنے آ گیا تھا، اس کی سرخ و سفید رنگت میں غم و دھوپ کی سیاہی اترنے لگی تھی اور خاموش کائنات کا راز اپنے اندر سمیٹنے والی آنکھیں اس پل وادی کی حالت پر ویران اور دہشت زدہ لگ رہی تھیں، اسے سامنے دیکھ کر وہ خود پہ قابو نہ رکھ سکی تھی اور اس کے کاندھے پر سر رکھ کر ایک بار پھر رو دی اسے اس طرح روتے دیکھ کر مصطفیٰ خان آفریدی کو تکلیف ہونے لگی شاید اس لئے کہ وہ بھی اس سے محبت کرنے لگا تھا، یا شاید اس لئے کہ وہ نہ صرف اس کی بلکہ اس کے ماں باپ کے ساتھ وادی کے ہر شخص کی محسن تھی، کافی دیر بعد جب وہ خاموش ہوئی تو اسے اپنی پوزیشن کا احساس ہوا وہ خفت سے پیچھے ہٹ گئی اور مصطفیٰ اس کی تمام تر بولڈنیس سے آگاہ ہونے کے باوجود اس پل اس کی خفت و شرم پر مسکرا دیا۔

''رحاب یہ میرے بابا اور اماں ہیں۔'' مصطفیٰ نے ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا اور اس انکشاف پر رحاب کو لگا وہ وہیں بے ہوش ہو جائے گی، اس نے بے یقینی سے ان دونوں کو دیکھا تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

''مگر مصطفیٰ ان دونوں کے لئے کھانا پانی وغیرہ۔'' وہ پوچھنا چاہتی کہ جوان بیٹے کے ہوتے ہوئے وہ بھوک و پیاس سے کیوں بلبلا رہے تھے، لیکن مصطفیٰ نے شاید اس کی سوچ پڑھ لی تھی، جبھی اس نے بتایا۔

''میں جب بھی اماں اور بابا کے لئے کچھ لینے جاتا تو اول تو وہاں کچھ بچ نہ پاتا اور اگر کچھ بچ جاتا تو میرے بابا اور اماں سے زیادہ حقدار مل جاتا اور اس طرح میرے بابا اور اماں کو کوئی اپنے منہ کا نوالہ دیتا تو یہ کھا لیتے ورنہ پھر کسی کے آنے کا انتظار کرتے۔''

''اور تم؟'' رحاب نے اس سے پوچھا تو اس کے سوال پر مصطفیٰ نے نظریں چرالیں جبھی وہ چونکی۔

"بیٹی اللہ تمہیں دونوں جہاں میں سیراب کرے اور خوش اور آسائش سے بھرا رکھے آمین، تم نے ہم دونوں بوڑھوں کا پیٹ بھر دیا۔" مصطفیٰ نے زیر لب کہا تو رحاب نے چونک کر اسے دیکھا۔

"بیٹی تم سے ایک عرض کرنی تھی۔"

"بابا!" مصطفیٰ نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں روکا تو رحاب نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کروا دیا۔

"بیٹی!" وہ کہتے کہتے رک گئے۔

"آپ بے فکر ہو کر کہیے بابا۔" اس کے بابا کہنے پر ان کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

"میرے بیٹے نے پانچ دن سے ایک لقمہ منہ میں نہیں ڈالا اگر ایک روٹی اسے بھی مل جائے تو تمہارا احسان ہوگا بیٹی۔" انہوں نے روتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو رحاب ان کے لفظوں اور ان کے ہاتھ جوڑنے پر کانپ گئی اس نے ایک شکوہ بھری نظر مصطفیٰ پر ڈالی اور اثبات میں سر ہلا کے بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی، اونچے نیچے پتھروں کو پھلانگتی وہ اپنے کیمپ تک پہنچی تو حسب معمول لنچ کے وقت موجود نہ ہونے پر اس کا کھانا ڈھک کر رکھ دیا گیا تھا، اس نے ٹرے سے دستر خوان اٹھایا تو مونگ اور مسور کی دال ایک پلیٹ میں رکھی ہوئی تھی سلاد کے طور پر تھوڑی سی پیاز کاٹ کر رکھی ہوئی تھی اس نے روٹیاں اٹھائیں تو وہ دو تھیں اس نے دوبارہ دستر خوان ڈھانپا اور تیزی سے باہر نکل کر اونچے نیچے راستوں کو پھلانگتی اس اسکول تک پہنچ گئی جہاں مصطفیٰ اپنے والدین کے ساتھ بیٹھا تھا، وہ جس وقت وہاں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا وہ دونوں مصطفیٰ کو کھانا نہ لوٹانے پر اصرار کر رہے تھے، وہ ان دونوں کو نظر انداز کرتی سیدھی مصطفیٰ کے پاس جا کر دو زانو بیٹھ گئی۔

"چلو مصطفیٰ فوراً کھانا شروع کر دو کیونکہ میرے پیٹ میں چوہوں کا اولمپکس شروع ہو چکا ہے۔" اس نے لہجے کو یوں سرسری بنا کر کہا گویا وہ دونوں بہت گہرے دوست ہوں لیکن مصطفیٰ کوئی بھی جواب دیئے بغیر وہاں سے اٹھنے لگا تو رحاب نے بے اختیار اسے کلائی سے تھام لیا۔

"پلیز مصطفیٰ میری محبت کو تو تم ٹھکرا چکے ہو مگر میرے لائے ہوئے رزق کو تو نہ ٹھکراؤ رزق بے شک رب کا ہے، کیا ہوا اگر اس نے تم تک پہنچانے کا وسیلہ مجھے بنا دیا۔" یہ کہہ کر وہ روتی ہوئی اٹھی قریب تھا کہ وہ وہاں سے نکل جاتی جبھی مصطفیٰ نے اسی کے انداز میں کلائی تھام کر اسے واپس بٹھا دیا اور اس کے لائے ہوئے کھانے کو قبول کرنے پر اس کی آنکھیں بے اختیار چھلک اٹھیں جسے مصطفیٰ نے نہایت محبت سے سمیٹ دیا اور محبت کے اس مظاہرے پر وہ سرپرائز ہو کر رہ گئی۔

☆☆☆

انہیں وہاں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا، اس لئے اب وہ لوگ اپنا سامان سمیٹ رہے تھے، کیونکہ جو امدادی سامان وہ لوگ لے کر آئے تھے وہ ختم ہو چکا تھا اور ٹیلی فونک سلسلے کے ذریعے جو امدادی سلسلے وقتاً فوقتاً جاری و ساری تھا وہ بھی اب قدرے کم ہو گیا تھا، رحاب نے اپنا بیگ تیار کر کے دیگر سامان کے ساتھ رکھا اور باہر نکل آئی اس کے دیگر ساتھی سامان سمیٹنے اور باندھنے میں مصروف تھے، انار اور سفیدے کے درختوں میں سورج کی روشنی چھن چھن کر اس کے سنہرے وجود پر پڑ رہی تھی جو اردگرد سے بے نیاز حسین کہساروں میں گھری پھولوں اور پھلوں

سے لدی اس جنت کو دیکھ رہی تھی جا بجا بھاگتے کھیلتے کودتے بچے اپنے اوپر آئی آفت سے انجان تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ بچپن کتنا اچھا ہوتا ہے نہ کسی تکلیف کی پرواہ نہ کسی غم کا ڈر اور مصطفیٰ کی بے گانگی، وادی سے جدائی اور ان لوگوں کی محبت کا سوچ کر اس کی آنکھیں جھلک پڑیں۔

"رو کیوں رہی ہو رحاب؟" اس کی پشت پر گمبھیر آواز گونجی تو اس نے سرعت سے آنکھیں پونچھ لیں۔

"مت رو رحاب میں جب سے یہاں آیا ہوں میں نے ان آنکھوں میں اتنے آنسو دیکھے ہیں کہ میرا وجود ان آنسوؤں میں ڈوبنے لگا ہے، مجھے بتاؤ کیا ہم اس وطن کا حصہ نہیں کیا ہم اس قوم کا حصہ نہیں، کیا ہم مسلمان نہیں کیا ہمارا وجود اتنا ارزاں ہیں کہ کوئی ہماری مدد نہ کر سکے، کوئی ہمارا سائبان نہ بن سکے ایک مسلمان ہونے کے باوجود ایک نبی کو ماننے کے باوجود ان معصوموں کو بے سائبانی سے، کھلے آسمان تلے ہوتی بے پردہ بہنوں کو پردہ سے کون سہارا دے سکے گا۔" اس کو جھنجھوڑتے ہوئے وہ چھ فٹ کا لمبا چوڑا مرد اپنے لوگوں کی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا اور رحاب اسے بے بسی سے روتا دیکھتی رہی وہ شخص جو اس کی محبت تھا، جو ساکت جھیل کی طرح خاموش اور بہتے پانی کی طرح ٹھنڈا مزاج رکھتا تھا، اس پل بے سائبانی کی حالت میں بے سروسامانی سے پڑا دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا، اس کے کاندھے پر رحاب نے تسلی بھرا ہاتھ رکھا تو وہ خاموش ہوگیا۔

"مصطفیٰ یہ زندگی ہے اس میں دکھ بھی ملتے ہیں اور خوشیاں بھی اگر تم سب لوگوں کی جھولی میں مقدر نے کچھ غم اور آزمائش ڈال دی ہے تو اس کے دامن میں تمہارے لئے خوشیوں کے پھول بھی ہوں گے کیونکہ آسمانوں پہ رہنے والا خدا بہت مہربان اور شفیق ہے وہ ہمارے آنسوؤں اور دکھوں کا حساب ضرور رکھتا ہے مایوس نہ ہو۔" اس کے نرم الفاظ پر مصطفیٰ نے حیرت سے اسے دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ شام رحاب آفاق کی زندگی کی سب سے خوبصورت شام تھی جو اس نے مصطفیٰ خان آفریدی کے سنگ گزاری۔

☆☆☆

آؤ کسی شب مجھے ٹوٹ کے بکھرتا دیکھو
میری رگوں میں زہر جدائی کا اترتا دیکھو
کس کس ادا سے اسے مانگا ہے رب سے
آؤ کبھی مجھے سجدوں میں سسکتا دیکھو
اس کی تلاش میں ہم نے خود کو کھو دیا ہے
مت آؤ سامنے مگر چھپ کے مجھے تڑپتا دیکھو
بڑے شوق سے مر جائیں گے ہم وصی
تم سامنے بیٹھ کے سانس کا تسلسل ٹوٹتا دیکھو

کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، یادوں کے سمندر میں ڈوبتے آنسوؤں سے تکیہ بھگوتے اسے ساری رات گزر گئی تھی، ایک رات میں اس کی حالت کیا سے کیا ہو گئی تھی، چمکتی آنکھیں ویران صحرا کی طرح تھیں جبکہ ہونٹ پپڑی زدہ ہو گئے تھے، اللہ اکبر کی بلند ہوتی آوازوں پر وہ حقیقت کی دنیا میں لوٹ آئی اس نے بیڈ پہ لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر پردہ سرکایا تو اذان کی آواز صاف سنائی دینے لگی، اس نے منہ پر ہاتھ پھیر کر بیڈ سے اتر کے اذان کی آواز پہ لبیک کہا اور واش روم کی طرف بڑھ گئی، پانی اور آنسوؤں سے وضو کرنے کے بعد اس نے جاء نماز بچھائی اور نیت باندھی، بہتے آنسوؤں اور ہچکیوں سے لرزتے وجود کے ساتھ اس نے نماز ادا کر کے دعا کے

لئے ہاتھ اٹھا دیئے، دعا کے لئے اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا مانگے اس کے لبوں سے بے اختیار ایک ہی لفظ نکلنے لگا۔

''مجھے وہ شخص عطا کر دے، مجھے اس کی ہمراہی عطا کر دے بے شک تو سب عطا کرنے والوں سے بے نیاز ہے، یا رب کریم میرے پاس کوئی نیکی نہیں کوئی عمل نہیں لیکن تو سمیع البصیر ہے، مجھے میری محبت عطا کر دے۔'' دعا مانگ کر اس نے رخسار پہ بہتے آنسوؤں کو صاف کیا اور ٹیبل پہ رکھے خط کو ایک بار پھر پڑھ کر وہ الماری کی طرف بڑھ گئی، وہ جس وقت الماری کھول کر کھڑی تھی دروازے پہ ہونے والی کھٹ پٹ سے اس نے گردن موڑ کر دیکھا مریم اندر داخل ہو رہی تھی۔

''شکر ہے تم اٹھ گئیں میں ساری رات پریشان رہی جبھی تمہیں دیکھنے آئی تھی، تم یونیورسٹی جانے کے لئے تیار ہو ہو ناں۔'' مریم نے اس سے سوال کرتے ہوئے اپنے جواب کی یقین دہانی چاہی۔

''نہیں۔'' رعاب نے جواب دیا۔

''پھر کہاں جا رہی ہو تم۔''

''تمہیں بتانے ضروری نہیں سمجھتی۔'' رعاب نے بے پرواہی سے جواب دے کر الماری میں نادیدہ چیزیں تلاش کرنے لگی۔

''کیوں ضروری نہیں تمہیں پتا ہے ہم کتنے پریشان ہیں تمہارے لئے۔''

''کون ہم۔'' اس نے ابرو اچکاتے ہوئے تیکھی انداز میں پوچھا۔

''میں اور بابا رعاب تم مصطفیٰ کی محبت میں اتنی پاگل ہو چکی ہو کہ تمہیں نہ میری محبت نظر آتی ہے اور نہ بابا کی، بابا کتنے پریشان ہیں تمہارے لئے میں ان سے بہانے بنا بنا کر تھک چکی ہوں کبھی پریکٹیکل کا کبھی سمسٹر کا میں کب تک تمہارے خاطر جھوٹ بولتی رہوں، میں تمہارا ساتھ نبھاتی رہوں لیکن تمہیں نہ میری پرواہ ہے اور نہ میری محبت کی۔'' بولتے بولتے اس کا گلا رندھ گیا وہ بیڈ پہ بیٹھ کر اس سے آنسو چھپانے لگی۔

''کیا فائدہ ایسے شخص کے سامنے بیٹھ کر رونے اور آنسو بہانے کا جس کو نہ آپ کے آنسوؤں کی قدر ہو اور نہ آپ کی۔'' اس کے چہرہ موڑنے پر بھی رعاب اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسو دیکھ چکی تھی جبھی اس کے سامنے دوزانو بیٹھ کر اس کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

''تم میری بہن ہو مریم اور جتنی محبت تم مجھ سے کرتی ہو میں بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتی ہوں لیکن میں اپنے دل کا کیا کروں جو کسی طور نہیں سنبھلتا میں مردان جا رہی ہوں۔'' اس نے اتنے آرام سے کہا جیسے وہ لبرٹی جا رہی ہو، شاپنگ کے لئے۔

''تم میری اتنی مدد کرو کہ مجھے بابا سے مردان جانے کی اجازت دلوا دو، میں ایک مرتبہ مصطفیٰ سے مل کر اس کے دل میں اپنی محبت ڈھونڈنا چاہتی ہوں اگر وہ مجھے مل جائے گا تو یہ میری خوش نصیبی اور اگر وہ مجھے نہ مل سکا تو تم جو کہو گی میں تمہاری اور بابا کی بات مانوں گی تم مجھے آخری فیور دے دو لیکن تم دعا کرنا میں کامیاب لوٹوں میں جب آؤں تو میرا دل مصطفیٰ کی محبت سے بھرا ہو، بولو کرو گی ناں میرے لئے دعا۔'' اس نے اپنے دل میں موجود ساری کتھا سنا ڈالی تھی اور مریم بے ساختہ اس کے گلے لگ گئی۔

''خدا تمہیں ضرور کامیاب کرے گا مجھے یقین ہے تم فکر نہ کرو۔''

☆☆☆

سیاہ کارتوں پہ بھاگتی ڈائیوو بس کے ٹائر چرچرائے تو فضا میں پھیلا سکوت یکدم ٹوٹا تھا ساتھ ہی رحاب کے ذہن میں پھیلے مصطفیٰ سے ملاقات کے منظر میں یکدم جھٹکا کا ہوا تھا وہ حال میں لوٹ آئی اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا سورج کی استقبالیہ کرنیں نرم بادلوں کے پیچھے اپنی چھب دکھا کر چھپنے لگی تھیں، روتا ہوا چاند نہ جانے کب سورج کی آغوش میں چھپ چکا تھا، وہ جس وقت اسٹاپ سے اتری اسے فضا میں گہری سوگواری رچی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، اپنی سوچ کو جھٹکتی وہ تیزی سے بلند و بالا پہاڑوں کو دیکھتی اونچی نیچی ڈھلانوں کو پار کرتی چلی جا رہی تھی وہ آسمان سے زمین کو چومتی سنہری روشنی میں نکھرے خوبصورت مناظر کو دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی کہ سامنے نظر آتے منظر کو دیکھ کر اس کے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا سفید کفن اوڑھے پانچ وجود قبر کی گود میں جانے کے لئے تیار تھے ان سب میں نمایاں وہ ننھی کلی تھی جو کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئی تھی، وہ ساکت نگاہوں سے اس ننھے وجود کو دیکھ رہی تھی زندگی میں پہلی مرتبہ ایک ساتھ اتنی لاشیں دیکھ کر وہ بیتا ٹائز ہو گئی تھی، لیکن تھوڑی دیر بعد بڑھتے قدموں کی ساتھ اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کی آوازوں نے اسے حقیقت کی دنیا میں لا کھڑا کیا، تمام مرد جا چکے تھے رحاب نے نظر گھما کر دیکھا پہاڑ کے جس ٹیلے پر وہ کھڑی تھی اس کے کونے پر ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اس کی طرف بڑھنے لگی، اس کی آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی وہ چودہ پندرہ برس کی معصوم سی لڑکی تھی لیکن اپنوں کی پے در پے موت نے اس کے حواس سلب کر لئے تھے، وہ یک ٹک آسمان کو دیکھ رہی تھی، رحاب نے قریب جا کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی پھر اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی روتے ہوئے وہ ایک ہی لفظ کی تکرار کر رہی تھی، لالہ بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے مجھے سب نے چھوڑ دیا، رحاب نے اسے اپنے کاندھے سے الگ کیا اور اس کے بکھرے بال اور آنسو سمیٹ کر اسے کھڑا کیا۔

''کیا نام ہے تمہارے لالہ کا؟'' رحاب نے اسے تسلی دینے کے لئے محبت سے پوچھا۔

''مصطفیٰ!''

''کیا؟'' رحاب کا ہاتھ اس کے کاندھے سے یکدم چھوٹا اور اسے لگا ساتوں آسمان گھوم گئے ہیں، یعنی جس کے لئے وہ ساری کشتیاں جلا کر آئی تھی وہی داغ مفارقت دے گیا تھا، اس کا پیر لڑکھڑایا سامنے کھڑی لڑکی نے اسے تھامنا چاہا لیکن اسے دیر ہو چکی تھی، راہ میں آئے پتھروں کو سرکنے میں چند لمحے لگے تھے اور بلند بالا پہاڑ اس کی چیخوں سے لرز اٹھے تھے، وہ ٹیلے پر سے کسی گیند کی طرح نیچے لڑھکتی چلی گئی اس کی آنکھ کھلی تو خود کو ایک انجان جگہ پایا وہ ایک کچے طرز کا مکان تھا، دروازہ سے داخل ہوتے ہی ایک بڑا سا صحن تھا جس میں انار کا درخت لگا ہوا تھا، صحن پار کرنے کے بعد دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے اور کمرے سے ملحقہ ہی ایک چھوٹا سا صحن تھا جسے چند برتن اور انگیٹھی رکھ کر وہاں کے مکینوں نے کچن کی شکل دی ہوئی تھی اس نے پلنگ پر لیٹے لیٹے ہی پورے گھر کا جائزہ لے لیا تھا، انار کے درخت پہ بیٹھی چڑیاں اپنی مخصوص آواز میں رب کی حمد و ثناء کر رہی تھی، سورج کی نرم کرنوں سے سجا یہ ماحول اتنا فیسی نیٹ کر رہا تھا کہ وہ کتنے ہی لمحے مبہوت ہو کر دیکھتی رہی، قریب ہی دیوار پہ بنی کیل سے ایک ڈرپ لگی ہوئی تھی جس میں سے قطرہ قطرہ زندگی اس کے اندر داخل ہو رہی تھی،

اسے فوری طور پر فرسٹ ایڈ مل گئی تھی جبھی وہ چند ہی لمحوں میں ہوش میں آ گئی تھی، سوچ کر پرواز مصطفیٰ کی طرف گئی تو آنسو قطار در قطار اس کے گالوں پہ بہنے لگے، وہ آنکھیں بند کیے اردگرد سے بیگانہ ہچکیوں سے رو رہی تھی، اس پل اسے اپنے خالی رہ جانے کا بہت شدت سے احساس ہوا تھا۔

''نئی زندگی مبارک ہو۔'' کمرے میں گونجتی بھاری مردانہ آواز پر اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں سامنے ہی مصطفیٰ خان آفریدی پوری شان سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

''مصطفیٰ تم۔'' وہ بے اختیار اٹھ کر اس کی طرف بڑھی اور اس بے اختیاری میں وہ ہاتھ میں لگی، ڈرپ کو بھول گئی تھی لیکن ہاتھ کی پشت پہ اٹھنے والی چبھن نے اسے دوبارہ بیٹھنے پر مجبور کر دیا، اس کی بے تابی پر مصطفیٰ لپک کر اس کی طرف آیا تھا، مصطفیٰ کے قریب آنے پر اس نے اسے چھو کر محسوس کرنا چاہا۔

''تم زندہ ہو مصطفیٰ۔'' اور اس کے بے تکے سوال پر مصطفیٰ مسکرا دیا اس کی مسکراہٹ پر وہ یکدم جھینپ گئی۔

''نہیں میرا مطلب ہے پہاڑی پہ وہ لڑکی......'' باقی لفظ آنسوؤں میں ڈوب گئے۔

''میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی مصطفیٰ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی میں نے موت کو اتنے قریب سے دیکھا ہے کہ مجھے موت سے خوف آنے لگا ہے۔'' وہ خوف زدہ ہوتی میلے میں گم ہوئی بچی کی طرح اس کے دونوں بازو پکڑتے ہوئے بولی، مصطفیٰ نے اسے غور سے دیکھا وہ اسے کھونے سے خوف زدہ تھی اور وہ اسے اپنانے سے گریزاں مصطفیٰ نے اسے اپنے ہاتھوں میں منہ چھپائے اسے روتے دیکھا اور اس کا وجود پل میں پانی بن گیا تھا۔

''کتنا عجیب لگتا ہے جب کسی اور کے آنسو آپ کے ہاتھوں پر گریں اور وہ آنسو آپ سے فیصلہ کرنے کی طاقت بھی چھین لیں۔'' رحاب کے آنسو اس کی شدت پسندی اور دیوانگی مصطفیٰ خان آفریدی سے اپنی محبت اور اپنا آپ منوانے میں کامیاب ہو چکی تھی، اس نے رحاب کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں تھامے اس کے آنسو صاف کیے، مصطفیٰ نے اس کی محبت کو سرخروئی بخش دی وہ اس پل اس کے آنسوؤں سے اس کی محبت سے ہار گیا تھا لیکن یہ ہار مصطفیٰ خان آفریدی کا ایک سرشاری بھی دے گئی تھی اور مصطفیٰ کی محبت پہ وہ اپنے رب کی شکر گزار ہوتی سوچ رہی تھی۔

آسمانوں پہ رہنے والا خدا بہت مہربان اور شفیق ہے وہ ہمارے آنسوؤں اور دکھوں کا حساب ضرور رکھتا ہے، جبھی تو آج اس کے رب نے مصطفیٰ کو بھی اس کے دل کے کعبے کی چوکھٹ پہ سرنگوں کیا تھا اور رحاب کا دل ایک داسی کی طرح مصطفیٰ کے دل کی چوکھٹ پہ براجمان رہتا تھا کیونکہ دلوں کے کعبے آباد رہیں تو محبت بھی زندہ رہتی ہے اور اگر دلوں کے کعبے ڈھا دیے جائیں تو صحرا کی طرح ویرانی ہر سو ہر جگہ پھیل جاتی ہے اور پھر کبھی آباد نہیں ہوتی۔

☆☆☆

چھٹی قسط کا خلاصہ

کبیر احمد کی روانگی سے پہلے امرکلہ اس سے اس کی کہانی پوچھتی ہے اور یہ کہ وہ غائب کیسے ہو جاتے
ہیں جس پر وہ خود تشویش میں پڑ گئے ہیں اور امرکلہ کو اعتبار نہیں، وہ اسے اپنی کہانی سنانے لگ جاتے ہیں
جس کے دوران ان کو اپنے ایک سوال کا جواب مل جاتا ہے۔

امرت بڑی کوشش سے آفس میں عمارہ کی جگہ نکالنے میں کامیاب ہو جاتی ہے مگر عمارہ پہلے دن ہی
اس ملازمت سے انکار کر کے چلی جاتی ہے، امرت بے یقینی اور پریشانی کا شکار ہے اسے بورڈ والوں
سے جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔

علی کو ہر گھر واپس لوٹتا ہے اور گھر کی چھوٹی موٹی چیزیں تبدیل کر دیتا ہے، عمارہ کے استفسار کرنے
پر بھی وہ اس لڑکی کا راز راز رکھتا ہے۔

ذنکار ہر طرح سے ھالار کو پریشان کرتا ہے تا کہ وہ لوٹ آئے۔

عبدالحنان امرت کا منگیتر اس سے ملنے آتا ہے اور دھمکاتا ہے شادی کے سلسلے میں، اس پر دباؤ
ہے اس بارے میں دوسری طرف وہ عمارہ کے لئے پریشان ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

ساتویں قسط

قصہ ہے مختصر کہ ہر کوئی نشانِ منزل کی تلاش میں سفر پر رواں دواں ہے اور کبیر احمد نے شاید جس نشانِ منزل کی چاہ میں راستے کا انتخاب کیا تھا، وہ راستہ بھی وہی تھا تو منزل بھی وہی اور نشانِ منزل بھی، کسی صوفی کا قول جگمگاتا رہا کہ رستہ تب تک بے اثر ہے جب تک مقصد نہیں، جب مقصد ہے تو رستہ بھی ہے اور منزل بھی۔

آٹھ گھنٹے کی طویل گفتگو کے بعد ایک کرولا بتیاں جلاتی بجھاتی آ پہنچی تھی ویرانے میں تیزی سے جھٹکے کے ساتھ گاڑی رکی ایک نوجوان اترا دوڑتا ہوا ہاتھ ہلاتا کبیر بھائی کے پاس آ کر گلے لگا اور سندھی میں بات کرنے لگا۔

"ادا اٹھ کلاک جو سفر چار کلاکن میں طے کرتوں آیو، روانگی تھیئے، جلدی تھیئے۔"

"ادا، آٹھ گھنٹے کا سفر چار گھنٹوں میں کرتا ہے تو روانگی پھر ہو جائے اور جلدی ہو جائے۔"

"بالکل تھیئے (ہو جائے)۔" گاڑی اسٹارٹ تھی، کبیر بھائی نے بس چار منٹ اس سے مانگے نوجوان گاڑی میں جا بیٹھا۔

"آٹھ گھنٹے کے سفر کو مختصر کرنے کے لئے نوجوان ہی کو چنا میرے مالک نے۔"

"امر کلہ بات سنو، جو فیصلہ کیا ہے اس پر قائم رہنا، اصولوں کو مدِنظر رکھنا مگر جہاں موت اور زندگی کا سوال ہو وہاں پہ اصولوں کو بدل سکتی ہو وہ بھی دوسرے اچھے اصولوں سے، اپنی حفاظت کرنا اور خیال رکھنا، مجھے جب جب یاد کرو تو یکھنا تمہارا بھائی تمہیں یاد رکھے ہوئے ہے، تمہیں کبھی نہیں بھلاؤں گا، تم تو میری زینب ہو کلثوم ہو، جویریہ ہو، تم تو میری بیٹی ہو میری بہن ہو، تمہارے لئے بہت دعا کروں گا تم بھی کرنا، کہ مجھے میری منزل موت سے پہلے مل جائے۔"

"کبیر بھائی!" وہ رو دینے کو تھی کچھ کہنے کی سکت نہ تھی۔

"اللہ نے کبھی تمہیں تنہا نہیں کیا وہ تمہیں کبھی تنہا نہیں کرے گا، اس پل سے گزرو تو خودکشی کا نہ سوچنا، ان رستوں سے گزرو تو رونا مت، زندگی سستی نہیں ہے اسے سنوارنا، دکھ میں ہنسنا، مسکراہٹ کو آباد رکھنا، بہت نصیحتیں ہو گئیں نا جانے عرصے میں نہ کیں سو آج کر دیں۔" پہلی بار سر پہ ہاتھ رکھا تھپتھپایا، وہ ان سے لگ کر رو دی، چپ کرایا ایک گٹھڑی دی۔

"امر کلہ تمہاری گٹھڑی میرے پاس نہیں ہے، وہ علی گوہر کے ہاتھ لگی ہو گی کیونکہ وہاں سے نکلنے کے بعد وہی ہمارے پیچھے آیا ہو گا ہماری تلاش میں، مگر وہ امانتوں میں خیانت کرنے والا نہیں ہے وہ جب بھی ملا لوٹا دے گا تمہیں یہ وعدہ میں تم سے کرتا ہوں، مگر یہ گٹھڑی کھول لینا اس میں تمہارے استعمال کی کچھ چیزیں ہوں گی اللہ کے حوالے، کیونکہ چار منٹ چار مرتبہ گزر چکے ہیں۔" آنکھ دبا کر کہا اور گیلی آنکھوں سے مسکرا دیے۔

"امر گاڑی مل جائے گی اور ٹھکانہ بھی، بھروسہ رکھو۔" وہ اس کی کشمکش کی وجہ سمجھ رہے تھے۔

"مجھے آپ پر بھروسہ ہے کبیر بھائی۔"

"تمہیں اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے بچہ۔" آخری بار سر تھپتھپایا، اس بار وہ لپٹ کر رو بھی نہ سکی کہ انہوں نے آنکھوں کی آنکھوں میں روک دیا تھا۔

"بیٹیاں مت... الوزی، بلکہ مریم، تمہیں مریم پسند ہے نا آج سے پکا کر لو، چلو اللہ کے حوالے۔"

کبیر بھائی گاڑی میں بیٹھے اور گاڑی فل اسپیڈ سے چلتی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔

آنسو تو بے اختیار تھے حالانکہ رستے میں کوئی کانٹا نہ تھا، مگر رستہ مشکل تھا، آگے جا کر سواری مل گئی اور اسے کہاں اترنا تھا یہ خود اسے بھی نہیں پتہ تھا، یہ اس کی قسمت نے طے کرنا تھا یہ اس کی قسمت کو پتہ تھا کیونکہ لکیروں اور راستوں کو علم اللہ دیتا ہے۔

☆☆☆

دروازہ زور سے بجا تھا، وہ برتن چھوڑ کر کچن سے نکلی تھی اور علی کو ہر کمرے سے۔

''تم رہنے دو میں دیکھ لیتا ہوں۔'' وہ دروازے کی جانب آگے بڑھی جب کو ہر نے روکا اور دروازہ کھولا جب دروازہ کھولا تو حیران رہ گیا۔

''ارے آپ، آ جائیں پلیز۔''

''عمارہ کہاں ہے۔'' وہ تھکے اور رف حلیے میں آفس سے سیدھی ادھر آئی تھی اور راستے میں مغرب کی اذانیں ہو گئیں تھیں۔

''آپ اندر آئیں یہاں عمارہ کے علاوہ بھی لوگ رہتے ہیں۔''

''ہاں رہتے ہوں گے مگر صرف مجھے عمارہ سے ملنا ہے۔'' اس کے لہجے میں عجلت تھی۔

''آپ پہلے آئیں تو سہی۔'' وہ اس کی عجلت پر حیران تھا۔

''آپ ہٹیں گے تو میں آؤں گی چھلانگ تو نہیں ماروں گی یہاں سے۔'' اس کا لہجہ تلخ تھا۔

''ارے آ جائیں پلیز۔'' وہ فوراً مسکراہٹ دبا کر ہٹا تھا سامنے سے۔

''عمارہ تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔'' اس نے وہیں سے ہانک لگائی۔

''کون ہے؟'' اس نے کچن کی کھڑکی سے جھانکا تھا تو اسے سامنے دیکھا اسے اندازہ تھا وہ اس وقت یہاں کیوں آئی ہے۔

''تم ان کو بٹھاؤ میں کام ختم کر کے آتی ہوں۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے میں بیٹھنے نہیں بات کرنے آئی ہوں۔'' وہ خود سیدھی سیدھی کچن کی طرف آ گئی تھی۔

''پوچھنا چاہتی ہوں کہ مجھ سے کس چیز کا بدلہ لیا ہے تم نے۔''

''آہستہ بات کرو، یہاں کسی کو نہیں معلوم۔''

''نہیں معلوم تو میں بتا دیتی ہوں نا تم کیوں فکر کرتی ہو، تم تو اپنی فکریں دوسروں پہ لاد کر چین کی نیند سوتی ہو، پھر چاہے پیچھے کوئی ذلیل ہوتا رہے تمہیں کیا پرواہ کسی کی عمارہ۔''

''یہی سننے سے بچنا چاہتی تھی، مگر جو نصیب ہمارا پیچھا کر رہا ہوتا ہے اس سے بچنا شاید مشکل ہے، بہر حال اگر تم بیٹھ کر آرام سے بات نہیں کر سکتیں تو مختصر سن لو کہ میں تمہارا احسان نہیں لینا چاہتی اور بس۔''

''احسان نہیں لینا چاہتی کیوں میں تم سے کوئی بھتہ لے رہی [illegible] جرمانہ مقرر کیا تھا کوئی ٹیکس لگایا تھا تم پر یا پھر یہ کہا تھا کہ اپنی سیلری میں سے چوتھائی حصہ مجھے دینا [illegible] وہ پوری طرح سے بھری ہوئی تھی۔

''دیکھو اگر تم کوئی بھتہ لیتی جرمانہ مقرر کرتیں تو [illegible] نہیں ہوتا وہ، احسان تو فری میں کیا جاتا ہے

بغیر کسی غرض کے اگر تم احسان کے معنی جانتی ہو۔" عمارہ برتن دھوتے ہوئے آرام سے بات کرتی رہی۔
"بے غرضی کی بات کرتے ہوئے کہا تم اس کے معنی جانتی ہو عمارہ اگر جانتی ہو تو تمہیں پتہ ہوگا کہ بے غرضی کا تعلق کس سے ہوتا ہے، کسی اپنے سے، کسی دوست سے۔" وہ کچھ ٹھنڈی پڑی تھی، دروازے کے باہر گوہر بالکل خاموش کھڑا ان کی گفتگو کی زیر زبر سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا، بلکہ زیر زبر تو سمجھ آ رہیں تھیں، پر لہجے مشکل تھیں۔
"مگر ہمارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہ کبھی رہا، نہ کبھی رہ سکتا ہے، نہ رہے گا تو پھر یہ جفاکشی یہ محنت کیوں، تمہیں کیوں ضرورت پڑی ہے میرے لئے پریشان ہونے کی۔"
"بہت بڑی غلطی کی ہے میں نے عمارہ اور اس غلطی کو اب مجھے بھی بھگتنا ہے۔"
"تو پھر یہاں کیوں آئی ہو۔" وہ مکمل طور پر بے حسی اور بدتمیزی سے پیش آ رہی تھی، خود اسے بھی اپنے رویہ پر بعد میں حیران ہونا تھا جو ہمیشہ وہ ہوتی تھی مگر بہتری کے امکانات پھر بھی دھندلے تھے۔
"آئندہ یہ غلطی نہیں کروں گی، یہ بے عزتی یاد رہے گی عمارہ۔"
"گڈ لک۔" وہ تیزی سے کچن سے نکل گئی اور اس کے پیچھے گوہر آیا تھا۔
"امرت بات سن لیں پلیز، پلیز دو منٹ۔" وہ دروازے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔
"سامنے سے ہٹیں گوہر پلیز، یہ کیا طریقہ ہے آپ لوگوں کا کوئی گھر سے نکلتا ہے اور کوئی راستہ روک لیتا ہے۔"
"دیکھیں آپ اکیلی نہیں جائیں گی اس وقت، آپ چلیں میں تھوڑی دیر میں آپ کو چھوڑ دوں گا گھر۔"
"گوہر آپ ایک تمیزدار انسان ہیں میں نہیں چاہتی میں کچھ کہوں آپ کو پلیز آپ سامنے سے ہٹیں تاکہ میں باہر جا سکوں۔"
"آپ ایسے کیسے جا سکتی ہیں امرت ہمارے گھر سے بغیر کچھ کھائے پیئے، ناراض ہو کر، میں نہیں جانے دوں گا آپ کو، پلیز اندر چلیں۔"
"دیکھیں بہت کچھ کھا لیا آپ کی عمارہ سے پلیز اب جانے دیں آپ ایسے عورتوں کا رستہ روکتے ہوئے ذرا اچھے نہیں لگ رہے، بہت شریف آدمی سمجھتی ہوں میں آپ کو۔"
"ٹھیک ہے، میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں پھر۔" وہ سامنے سے ہٹ کر باہر کی طرف مڑا۔
"بہت شوق ہے لڑکیوں کو گھر چھوڑنے کا آپ کو۔"
"بالکل بھی شوق نہیں ہے، مگر آپ میرے لئے قابل احترام ہیں، عمارہ کی کزن ہیں۔"
"جب وہ کوئی رشتہ رکھنے کے لئے تیار نہیں تو آپ کیوں ہلکان ہو رہے ہیں اب پلیز گلی میں میرے پیچھے مت آیئے گا۔"
"اسے لوگوں کی پہچان نہیں خصوصاً اچھے لوگوں کی۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔
"پھر تو آپ کو بھی نہیں ہوگی۔"
"ہاں ایسا ہی ہے وہ مجھے بھی ایک ڈھکوسلہ سمجھتی ہے اور ڈرامہ چلتا پھرتا ڈرامہ۔"
"وہ اتنا غلط بھی نہیں سوچتی، مگر آپ میرے پیچھے کیوں آ رہے ہیں۔" وہ ایک منٹ کو رکی۔

''میں آپ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا اس وقت، سمجھیں پلیز، گلی کے نکڑ پر پڑوسیوں کے کتے بندھے ہوئے ہیں اور راستے میں آوارہ لڑکے چوکڑی مار کر بیٹھے ہوئے ہیں شام کے بعد یہاں کوئی لڑکی اکیلے نہیں نکلتی۔'' وہ دبی دبی آواز میں تیز تیز چلتے ہوئے سمجھانے لگا۔

''ٹھیک ہے تو پھر اگر پڑوسیوں کا کتا مجھ پر بھونکا یا لڑکوں نے رستہ روکا تو آپ کسی ہیرو کی طرح اڑتے ہوئے پہنچ جائیے گا۔'' اس نے بڑے مزے سے حل نکالا اور آگے بڑھ گئی، وہ وہیں رک گیا اور گلی بدل لی آگے جا کر دونوں رستوں نے مل جانا تھا۔

وہ آگے بڑھی تو گیٹ پر بندھا ہوا کتا بری طرح سے بھونکنا شروع ہو گیا تھا، تیز تیز چلتے ہوئے وہ جھٹکے سے رکی کہ چند آوارہ لڑکے بیچ سڑک پر تاش کھیل رہے تھے، اسے دیکھ کر مشترکہ قہقہوں کا شور اٹھا تھا، کیونکہ وہ سب ایسے بیٹھے تھے کہ سڑک کا آدھا حصہ کور ہوا ہوا تھا، دو لڑکے ٹانگیں پسارے پتے دیکھ رہے تھے۔

''رستہ دیں پلیز۔''

''رستے کے علاوہ بھی بہت کچھ دے سکتے ہیں۔'' ایک پتہ اٹھاتا ہوا لڑکا آنکھ دبا کر بولا تھا۔

''ٹانگیں ہٹائیں اور رستہ دیں۔'' وہ قدرے زور سے بولی۔

''ورنہ کیا کر لو گی۔''

''پولیس کو بلوا لوں گی۔'' اس نے پرس سے سیل فون نکالا تھا۔

اور مہنگا موبائل تو کیش بھی ہوگا، اس نے مضبوطی سے پرس تھام لیا، آج ہی سیلری ملی تھی اور سیدھی دفتر سے وہ یہاں آئی تھی۔

''تو پھر دیر کس بات کی۔'' دوسرے لڑکے نے آنکھ ماری اور اٹھا۔

تب تک تیز تیز بھاگتا ہوا دوسری گلی سے حل کو ہر برآمد ہوا تھا لڑکے کو ہٹا کر وہ پھلانگتا ہوا امرت تک پہنچا تھا۔

''ہٹاؤ سارا گند رستے سے، پچھلی مرتبہ پولیس سے بچ گئے تو ہر بار بچ جاؤ گے کیا۔'' وہ امرت کو لے کر گلی سے باہر آیا، لڑکا بھی پولیس کے ڈر سے پیچھے ہٹا تھا۔

آگے چل کر مین روڈ پر رکشہ مل گیا تھا، بیچ میں کشن رکھ کر وہ ایک طرف بیٹھ گیا، امرت کو فی الحال چپ لگ گئی تھی۔

''آپ یہ مت کہیے گا کہ ہیرو کی طرح پہنچ گیا اپنی تعریف سننے کی عادت ہی نہیں مجھے۔'' وہ اس کا موڈ بدلنا چاہ رہا تھا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے کسی لڑکے کی تعریف کرنے کا، یہ لفظ عمارہ سے سن لیجئے گا۔'' اس نے اب بھی بیگ کو پکڑ رکھا تھا ذور سے۔

''وہ تو مر کر بھی نہ کہے گی، نہ وہ ہیرو سمجھتی ہے مجھے نہ ولن سائیڈ رول ہوں میں اس کے ڈرامے کا۔''

''کوئی بات نہیں میں بتا دوں گی کہ آپ ہیرو ہیں، اتنے اچھے ماحول میں پھر پتہ نہیں کب بات ہو آپ دونوں کی۔''

''مگر بتا دیجئے گا بلکہ احساس بھی دلا دیجئے گا۔''

''اگر اچھے ماحول میں بات ہوئی تو دیکھیں گے، ویسے شکریہ مدد کا۔''
''شکریے کی بات نہیں اور یہ بھی نہیں کہوں گا کہ یہ میرا فرض تھا، میں نے سنت ادا کر دی۔''
''باتیں بنانی خوب آتی ہیں۔'' وہ اتنی دیر میں پہلی بار مسکرائی تھی۔
''کچھ تو بنانا آتا ہے ورنہ لوگ مجھ پر صرف بگاڑ کی ذمہ داری ڈالتے ہیں۔'' وہ بھی مسکرایا تھا۔
''امرت عمارہ کی طرف سے میں معافی مانگ لوں؟''
''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔''
''تو اسے سوری کرنا ہوگا؟''
''وہ کبھی نہیں کرے گی۔''
''وہ کرے گی کیونکہ اسے کرنا چاہیے۔''
''آپ اسے بلیک میل کریں گے؟''
''وہ کسی کی بلیک میلنگ کا شکار ہونے والوں میں سے نہیں ہے وہ غلطی کو تسلیم کرنے والوں میں سے نہیں ہے، یہ اس کی رائے تھی، مگر اسے تسلیم کرنا چاہیے کہ اس نے آپ سے بدتمیزی کی ہے۔'' گوہر کو بہت افسوس تھا۔
''وہ ہمیشہ کرتی ہے گوہر، کوئی نئی بات نہیں ہے، میں ہی اس سے اچھی امیدیں لگا لیتی ہوں، غلطی میری ہی ہے۔''
''یہ سچ ہے کہ امرت آپ بہت اچھی ہیں۔''
''بدلے میں مجھے بھی تعریف کرنا ہوگی؟''
''نہیں، کہا نا مجھے تعریف سننے کی عادت نہیں ہے۔''
''بے قدرے لوگوں کے ہاتھ چڑھے ہیں آپ۔'' وہ ہنس دی۔
''سارے لوگ بے قدرے نہیں ہوتے۔'' وہ یقیناً امر کلہ کو سوچ رہا تھا۔
''اور وہ لوگ یاد بھی بہت آتے ہیں جو بے قدرے نہیں ہوتے۔''
''اور اچھے دوست رہ چکے ہوتے ہیں۔''
''آپ کا بھی کوئی دوست کھو چکا ہے؟'' وہ چونکا تھا۔
''میری بھی کوئی دوست کھوئی ہے۔'' میری پر زور دے کر کہا گیا، وہ ہنس پڑا تھا اس وضاحت پر۔
''میری بھی کوئی دوست کھوئی ہے بھول بھلیوں میں۔'' لفظ میری پر زور دے کر بولا۔
''اچھا ہے۔'' وہ اس کی طرح کھل کر ہنسی تھی۔
''اچھا ہے؟ کسی کا کھونا اچھا ہوتا ہے کیا؟''
''نہیں افسوس کرنا چاہیے۔'' وہ مسکرائی، وہ دونوں ایک وقت میں افسوس کر رہے تھے یہ جانے بغیر کہ دونوں کی سوچ کا محور ایک تھا بلکہ ایک تھی۔
بقیہ وقت میں ٹاپک بدلنے کے لئے وہ جاب کے بارے میں ڈسکس کرتے رہے۔

☆☆☆

گاڑی کن آشنا گلیوں چوراہوں سے گزری تھی، رستے بھی آشنا تھے، وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ یہ گاڑی

اسے کہاں چھوڑتی ہے، گاڑی حیدر آباد کی حدود سے باہر نکل رہی تھی اور اس کا دل دھک سے رہ گیا، کہاں سے گزر رہی تھی وہ وہی پل، اگر وہ گاڑی سے نیچے پیدل چل رہی ہوتی تو شاید پھر ایک بار ڈوبنے کا خیال آجاتا۔

ٹھیک ڈھائی سال پہلے وہ اسی پل پر کھڑی خودکشی کر رہی تھی اور تب ہی اسے کبیر بھائی ملا تھا جو بچا کر ہسپتال کے بستر پر چھوڑ کر غائب ہو گیا پھر دوبارہ وہ جلد ہی اسے ملا اور پھر مختلف رستوں سے گزارتا ہوا جنگل میں لے گیا اور پھر غائب ہو گیا، پھر علی کو ہر ملا جو بہانے بہانے سے حال احوال پوچھنے آجاتا اور بے غرض تھا مگر فکر مند ان سب کے لئے، پھر زندگی اور بدلی اور آج ڈھائی سال کے مختصر سے وقفے کے بعد پھر وہاں سے گزری تھی، دل چاہا وہیں اتر جائے اور اپنے گھر چلی جائے جہاں برسوں اس کا وجود ایک بوجھ کے سوا کچھ نہ تھا، مگر وہ خود میں اتنی ہمت نہیں محسوس کر پائی، پھر گاڑی بھی چلتی گئی، ایک قریبی چھوٹے سے شہر کے اسٹاپ پر رک گئی، وہ اتری کرایہ ادا کیا اور سڑک کی سیدھ میں چلتی گئی، پھر وہاں آ رکی جہاں روڈ کے ساتھ ساتھ غریب جوگیوں کی جھگی تھی اور جھگیوں کا ایک لمبا سا سلسلہ تھا۔

سورج پوری شان سے چمک رہا تھا اور لوگ پسینہ پسینہ تھے، جھگیوں کے بعد کھیتوں کا طویل سلسلہ تھا، یہاں یا تو شہر ختم ہوتا تھا یا پھر اس سے آگے کچھ شروع، وہ ٹھیک اندازہ نہیں لگا پائی تھی اور یہ بھی نہیں کہ اسے کہاں جانا ہے، نہ اس کے ہاتھ میں پتے کوئی چٹ تھی کہ ہر کسی سے بنگلہ نمبر، گھر نمبر پوچھتی رہتی، کسی سے کچھ پوچھنا بھی نہیں، بے دھڑک کسی کے گھر میں بھی نہیں گھسنا چاہتی تھی عجیب مشکل تھی اور اردگرد کوئی پل دیکھنے لگی، کوئی نہر، کیونکہ اب تو کبیر بھائی کے معجزانہ طور پر چلے آنے کا کوئی خدشہ نہ تھا۔

وہ ایک سائے میں بینچ پر بیٹھ گئی اور دور تک دیکھنے لگی۔

''پہلے سانس تو لے لو عائشہ، زینب، جویریہ۔'' کبیر بھائی ہوتے تو یہی کہتے، وہ بے ساختہ مسکرا دی تھی۔

''میں اب ہر حالت میں خودکشی کروں گی، ہر حالت میں، مر کے رہوں گی پھر ہوگا تمہیں احساس۔'' کوئی خاتون سیل فون پر بات کرتے ہوئے چلائی تھی وہ حیرانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی جیسے اپنی سماعتوں پر شک ہو، یہ جملہ آیا خود کہا ہے یا سنا ہے پچھلی کتنی دیر تک یقین نہیں آتا تھا اگر خاتون پھر نہ چلاتیں، اس بار وہ اسے دیکھنے میں کامیاب ہوگئی تھی کیونکہ وہ اس کے پیچھے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی اور فون شاید بند ہو چکا تھا جبھی وہ سیل فون گھورتی دھپ دھپ کرتی ہوئی بینچ پر اس کے ساتھ آ بیٹھی تھی، وہ اس کا غصہ دیکھ کر کچھ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''تم کون ہو؟'' اس خاتون کو بالآخر احساس ہو گیا کہ کوئی اور بھی یہاں موجود ہے۔

''مسافر ہوں۔''

''نام تو ہوگا؟''

''مریم!'' اسے کبیر بھائی کی بات یاد آگئی، اس نام کو پکا کرلو۔

''کہاں جا رہی ہو اور کہاں سے آئی ہو؟'' عورت کی دلچسپی کا محور تو بدلا۔

''نامعلوم مقام سے آرہی ہوں اور نامعلوم جگہ جا رہی ہوں۔''

''پاگل خانے سے بھاگی ہو گیا؟''

''نہیں پاگل خانے جارہی ہوں۔'' اسے بھی سر پھوڑنے کے لئے کوئی پتھر مل گیا تھا۔

''کیوں پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں، پھر تو کسی کو ساتھ ہونا چاہیے۔'' وہ چپ ہوگئی اب ان فضول سوالات سے کوفت ہورہی تھی۔

''گھر سے بھاگی ہو کیا۔'' وہ خاتون تفتیش میں جتا لگ رہیں تھیں۔

''ہاں گھر سے بھاگی ہوں۔'' وہ ہنس پڑی۔

''آپ کچھ دیر پہلے کسی کو خودکشی کی دھمکی دے رہیں تھیں۔''

''ہاں، وہ میرا شوہر تھا، پر اسے کوئی پرواہ نہیں، اسے پتہ ہے نا میں بزدل یوں خودکشی نہیں کر پاؤں گی، ریلنگ سے دیکھتی ہوں تو خوف سا آتا ہے، کتنی دفعہ سوچا چھت سے چھلانگ لگالوں، مگر اتنی ہمت نہیں پائی، سوچا کتنی خواری ہوگی، لوگ جمع ہوجائیں گے، ہر کوئی عجیب طرح کی باتیں کرے گا، پھر سوچا پنکھے سے لٹک کر مرجاؤں پھر سوچا روح پھنس پھنس کر نکلے گی، نہ کوئی آواز سنے گا نہ بچانے آئے گا، ڈراموں میں لوگوں کو پھانسی چڑھتے دیکھتی تو سانس اٹک جاتا تھا، پھر سوچا زہر کھالوں، اس میں تکلیف ہے ہاسپٹل لے جائے گا میاں بے غیرت کا خرچہ ہوجائے گا بڑا، یہ بھی سوچا میاں کا پسٹل لے کر کنپٹی پر رکھ کر دبا دوں، پھر سوچا ناحق پکڑا جائے گا۔ بچے یتیم ہوجائیں گے، کئی طریقے سوچے۔'' وہ مسکرانے لگی، مرنے کے کئی طریقے ہیں اسے خود پر ہنسی آئی جو ابھی تک ڈوب کر مرنے کو ترجیح دیتی رہی۔

''کبھی پانی میں ڈوب کر مرنے کا سوچا۔'' خاتون اچھل پڑی۔

''ہائے نہیں یہ تو سوچا نہیں۔''

''میں بھی کتنی بری ہوں آپ کو کیسے مشورے دے رہی ہوں۔''

''کہتی تو ٹھیک ہو، اصل میں مرنے کے لئے بھی بڑی ہمت چاہیے جو ہم جیسوں میں نہیں بلکہ کسی انسان میں نہیں وہ تو عزرئیل صاحب کو شاباشی ہو جو اتنا مشکل کام کرلیتے ہیں۔''

''سنا ہے آخر میں خود اپنی روح بھی خود نکالے گا، سوچا میں بھی دیکھوں اور کہوں کہ لیں بھائی صاحب آپ بھی چکھ لو جو صدیوں سے چکھاتے آئے ہو۔'' وہ بڑے مزے سے کہتے ہوئے ہنس رہی تھی جیسے کوئی چٹکلہ چھوڑ رہی ہو۔

وہ خود بھی ہنس دی، مگر اندر جیسے ایک ڈر نے جگہ لے لی۔

موت، ذلت، تکلیف ایک تو موت اوپر سے ذلت بھی ڈبل ڈوز۔

''کہتے ہیں جس کا کام اسی کو ساجھے، ہم بھی فرشتوں کے کام اپنے ہاتھ میں لیں گے تو لڑکھڑائیں گے تو ضرور، سوچا ہے اب موت کا ارادہ بدل لوں، بس اس بے غیرت کو بھڑکاتی ہوں زندگی عذاب کرکے رکھی ہوئی ہے میری۔''

''کیا برائی ہے آپ کے شوہر میں؟''

''خود بڑا مظلوم ہے بس ذرا بزدل ہے، ماں بہن سے ڈرتا ہے، ماں اس کی جلاد ہے اور بہن جیسے نمرود۔''

''اف اوہ۔'' وہ زبان دبا کر رہ گئی۔

پھر وہ لمبے رونے روتی رہی، تھوڑی دیر میں وہ دونوں ایسے گفتگو میں مصروف تھیں جیسے کہیں جانا ہے

نہ اٹھنا ہے، دوپہر کے اذیت ناک چار گھنٹے چالیس منٹ کی طرح گزرے تھے ہوش تب آیا جب خاتون کا فون بجا اور وہ اسے اللہ حافظ کہتی ہوئی اٹھ کر چل دی۔

اسے سمجھ نہیں آیا کہ اگر وہ بھی اٹھ کر چل دے تو جائے گی کہاں، کبیر بھائی کے ہوتے ہوئے کم از کم یہ پریشانی تو نہیں ہوتی تھی نا۔

☆☆☆

''تو چھوڑ آئے اسے اس کے گھر تک، جلدی فارغ ہو گئے۔'' وہ رات دس بجے تک لوٹا تھا جب اماں ابا کے کمرے کی بتی بند تھی گویا وہ سو چکے تھے، واحدہ برآمدے میں رکھی کرسی پر بیٹھی رسالہ تھامے جمائیاں لے رہی تھی اس کے انتظار میں۔

''ہاں آ گیا ہوں، دیر تو ہو گئی ظاہر ہے اس کا گھر اتنی دور جو ہے پھر واپسی پر پروفیسر غفور مل گئے تھے ایک گھنٹہ ان کے ساتھ لگ گیا۔''

''بڑی گپ شپ رہی ہو گی پھر تو۔''

''ہاں وہ جب بولتے ہیں تو چپ کہاں ہوتے ہیں۔'' وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''کھانا ہے تو دے دو۔''

''میں امرت کی بات کر رہی ہوں، وہ بھی خود بولتی ہے تو بولتی رہتی ہے، ویسے کھانے کو بھی نہیں پوچھا اس نے تمہیں۔''

''وہ مجھے کیوں کھانے کو پوچھے گی اور یہ مناسب تو نہیں رہے گا۔''

''رات کے وقت وہ ڈنر پر کسی دوست کو گھر لے آئے اور وہ بھی میل ہو، کمال ہے رات کے وقت اجنبی لڑکے کے ساتھ سفر کرنے میں تو کوئی قباحت نہیں ہے اسے اور...... تو یہ ہے کہ گھر والوں کے سامنے نہیں ہو گی اتنی ہمت۔''

''ساتھ چلنے کو میں نے کہا تھا اس نے نہیں مجبوراً جانا پڑے اسے۔''

''ہاں بھئی تمہاری خدمات تو ہر وقت حاضر رہتی ہیں خصوصاً لڑکیوں کے لئے۔''

''بہت بری لگ رہی ہو اس انداز میں گفتگو کرتے ہوئے، جینا حرام کر دو گی اس بیچارے کا جس کی بیوی بنو گی۔''

''اچھا پھر تمہیں تو بالکل فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔'' اس کا لہجہ حد درجہ طنزیہ تھا۔

''مجھے بس اس بیچارے سے ہمدردی ہے، ویسے کھانا ملے گا یا؟''

''ملے گا میں نہیں دوں گی ظاہر ہے تمہارا اپنا گھر ہے جب آؤ جب جاؤ، سرے سے جاؤ ہی نہیں یا آؤ ہی نہ، مرضی کے مالک ہو۔'' وہ تیر برساتی کچن میں چلی گئی اور کھانا نکالنے لگی، کچن سے برتن پٹخنے کی آواز خاموشی میں گونج رہی تھی۔

''اسٹیل کے برتنوں کا یہ فائدہ ہے کہ یہ بیچارے ٹوٹتے نہیں چاہے جتنا پٹخو۔''

''تمہارا پورا جہیز اسٹیل کا بنائیں گے ہو سکا تو فرنیچر بھی۔'' وہ کف فولڈ کر کے ہاتھ دھو کر بیٹھا تھا جب وہ ٹرے لے کر باہر آئی۔

''بہت بوجھ ہوں تم پر، ابھی کما کر نہیں لائے اور بار بار شادی کا ذکر کرتے ہو، برداشت نہیں ہو رہی

میں تم سے گھر میں کیا بیٹھے ہو بیٹھتے ہی ہلا بول دیا۔"

"گھر میں جب سے بیٹھا ہوں سوچ رہا ہوں ہم دونوں ایک چھت کے نیچے نہیں رہ سکیں گے۔"

"ہاں مجھے پتہ ہے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کھانا نہیں کھایا تو کھالو اس کے بعد ہم سنجیدگی سے بات کریں گے فی الحال میں تمہارا اور اپنا کھانا خراب کرنا نہیں چاہتا۔" اسے اندازہ تھا اس نے کھانا نہیں کھایا ہوگا، وہ پلیٹ میں اپنے لئے دال چاول نکال کر کرسی دور ہٹا کر بیٹھ گئی اس سے بہت فاصلے پر جس پر گوہر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"دانت کیوں نکال رہے ہو۔" وہ کہتی رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔

"میری مرضی میرا گھر ہے، دانت نکالوں یا بند رکھوں۔" وہ مزے سے کھانا کھانے لگا اور ساتھ میں گنگنانے لگا۔

دیوانہ تھا میں...... دیوانہ...... یہ نہ جانا

میں نے یہ نہ جانا۔

"یہ تم کب سے آوارہ گانے گانے لگے ہو۔" وہ ٹوکنے سے باز نہیں آئی تھی۔

"گانا بیچارہ آوارہ نہیں ہوتا یار۔"

کبھی تو تم کو یاد آئیں گی وہ بہاریں وہ سماں آ ہا

جھکے جھکے بادلوں کے نیچے

ملے تھے ہم تم جہاں ، جہاں آ ہا

"محلے والوں کو اٹھاؤ گے کیا سارے جمع ہو جائیں گے جو تمہارے اس فن سے ناواقف ہیں۔"

"اچھا ہے نا مفت کی تفریح مل جائے گی محلے والوں کو۔"

"بہت خوب اماں ابا اٹھ گئے تو تمہاری بھی تفریح ہو جائے گی وہ بھی مفت میں۔"

"بہت شریف لوگ ہیں میرے ماں باپ بڑے سادہ۔"

"ہاں جب بیٹا آوارہ ہوگا تو ماں باپ کو شریف بننا ہی پڑتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے وہ پیدائشی شریف نہیں ہیں؟" وہ کھانا کھا چکا تھا اب انگلیاں چاٹ رہا تھا۔

"میں نے یہ کب کہا، دال اچھی بنی تھی شاید۔" وہ اسے انگلیاں چاٹتا دیکھ کر بولی۔

"ٹھیک ہی جیسی بنتی ہے، انگلیاں چاٹنا سنت ہے۔"

"ساری سنتیں پوری کرنا تمام فرائض کو چھوڑ کر۔"

"بخیل نہیں ہوں بی بی۔" وہ برتن سمیٹ کر لے جانے لگا۔

"دے دو میں لے جاتی ہوں۔" وہ اٹھی تھی۔

"نہیں رہنے دو اتنا تو میں خود کر سکتا ہوں، بلکہ چائے کا ایک کپ بھی بنا سکتا ہوں، تم اگر پینا چاہو تو دو بھی بن سکتے ہیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے بہت پتی اور چینی ضائع کرتے ہو اور دودھ تو بہا دیتے ہو، میں خود بنا دیتی ہوں۔" وہ اپنے برتن لے کر کچن میں آئی اور چائے کے لئے پانی رکھا۔

"تمہاری بچت والی چائے بھی چائے کم گرم پانی زیادہ لگتی ہے۔"

"ایسی بھی حالت نہیں ہے تم جو بناتے ہو وہ چائے کم کھانا زیادہ لگتی ہے، اتنی ہیوی جو ہضم بھی نہ ہو۔"

"بڑی ناشکری عورت ہو مگر اس سے زیادہ نہیں کہوں گا پہلے چائے بنا لو۔" وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا، اس نے گرم پانی میں پتی چینی گھولتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

☆☆☆

"گاڑی کا انتظار کر رہی ہو لڑکی، وہ بھی اسٹاپ سے چار میل دور۔" کوئی تیتر بٹیر جیسا رنگین حلیے والا آدمی چھتری لٹکا کر بینچ پر آ بیٹھا تھا، جسے وہ پہچان نہیں پا رہی تھی مگر وہ بلاشبہ پروفیسر غفور تھا۔

"میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ گھر سے بھاگی ہو؟ اگر ہاں تو کیوں یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ کس کے لئے بھاگی ہو، شکل خاصی شریفانہ اور معصومانہ ہے، یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ اب کہاں جاؤ گی بلکہ یہ کہوں گا کہ میرے ساتھ چلو گی؟" وہ حیرانی سے منہ پھاڑے اس بوڑھے تیتر بیٹر کو دیکھتی رہی۔

"کیا دیکھ رہی ہو باپ کی عمر کا ہوں، میری بیٹی ہوتی تو تمہاری عمر کی ہوتی، اکیلا رہتا ہوں بیوی مر گئی، بد دعائیں دیتے دیتے اولاد کوئی نہیں ہے مناسب سمجھو تو چلو جتنے دن رہ سکو کی رہ لینا۔"

"آپ کو کیسے پتہ کہ میرا کوئی گھر نہیں ہے۔"

"ایک آوارہ گرد نے کہا تھا جب دور بینچ پر اکیلے بیٹھے یا رستے میں بے مقصد ٹہلتے کسی گٹھڑی اٹھائے تھیلا گھسیٹتی معصوم یا بڑی آنکھوں والی اداس لڑکی کو پریشان دیکھنا تو یہ مت پوچھنا کہ گھر سے بھاگی ہو، یہ بھی نہیں کہنا کہ کہاں جانا ہے، بس گھر لے آنا اگر وہ اعتبار کر سکے تو، اب اگر تم اعتبار کر سکو تو چلو۔"

"یہ نہیں بتایا کہ اس کے پاس اگر رہنے کو کوئی جگہ نہ ہوئی تو نا چاہتے ہوئے بھی اسے ساتھ چلنا پڑے گا کیونکہ پھر اس کے پاس کوئی اور آپشن نہیں ہوگا، سوچ رہا ہوں اچھا ہے میری بیٹی نہیں ہے، ورنہ میں آج بہت دور بیٹھا رو رہا ہوتا۔" پروفیسر نے سر سے ہیٹ اتار کر ہاتھ میں پکڑا اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"آپ یقیناً مسلمان ہو گئے؟ (لگ تو انگریز رہے ہیں)۔"

"اللہ کا شکر ہے میں مسلمان ہو، تم کون ہو؟"

"میرا کوئی مذہب نہیں ہے۔"

"کمیونسٹ ہو؟"

"نہیں وہ بھی نہیں، مانتی ہوں کہ کوئی اس نظام کو چلا رہا ہے آپ ہی آپ ارادے نہیں بنتے، آپ ہی آپ کچھ نہیں ہوتا۔"

"کرسچن ہو؟" وہ یقین سے کہنے لگے۔

"کیسے کہہ سکتے ہیں آپ؟"

"اتنی غیر یقینی اور کشمکش انہیں میں دیکھی ہے۔"

"ہاں جیسے مسلمان تو بہت ہیں آج کے اور بڑے ہی وفادار ہیں، نہ ہوں مگر مانتے تو ہیں۔"

"خالی ماننے سے کچھ نہیں ہوتا جاننے سے ہوتا ہے۔" وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

"تم بالکل فنکا جیسی باتیں کر رہی ہو لڑکی کسی عمر میں اس کی شاگردی میں تو نہیں رہیں۔"
"میں کسی فنکار کو نہیں جانتی۔"
"مگر میں جانتا ہوں، سالوں سے یاری ہے اس کے ساتھ، چلو گی تو ملواؤں گا۔"
"مجھے اب کسی عجیب شخص سے نہیں ملنا۔"
"اور مجھ سے مل گئیں۔" پروفیسر غفور نوجوانوں کی طرح قہقہہ مار کر ہنسے تو وہ چپ ہو گئی۔
"تو پھر چلیں۔"
"کہاں؟"
"اپنے گھر۔"
"میرا کوئی گھر نہیں ہے۔" وہ گٹھڑی سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔
"اچھی بات ہے، جن کا کوئی گھر نہیں ان کی پوری دنیا ہے۔" وہ ہیٹ پہن کر چھڑی گھما کر اٹھا۔
"رکیں، آپ کے گھر کے علاوہ فی الحال میری کوئی پناہ گاہ نہیں مگر کچھ عرصے تک جب تک کوئی اور بندوبست نہیں ہوتا۔" وہ نا چار اٹھی تھی مجبوراً کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔
"کتنے گھر بدلو گی لڑکی سکھ چین نام کی کوئی چیز ہے تمہارے پاس؟"
"آپ کو کیسے معلوم کہ بہت سے گھر بدل چکی ہوں۔"
"ایسے ہی منہ سے نکل گیا بے ساختہ۔"
"آپ کے منہ سے بھی سچ نکلتا ہے کیا؟"
"نہیں نکلتا حالانکہ کوشش بڑی کرتا ہوں، تکے پر زندگی چل رہی ہے، مگر اس کسی کے منہ سے سچ نکلتا ہے بتاؤ؟"
"ہے کوئی عجیب آدمی۔"
"ملوا سکتی ہو۔" وہ چلتے چلتے رکے۔
"نہیں ملوا سکتی، وہ بہت دور چلے گئے ہیں۔"
"دوسری دنیا؟"
"نہیں دوسرے ملک۔"
"کون سے ملک؟" پروفیسر حد سے زیادہ دلچسپی لے رہا تھا۔
"وہ طیبہ کہتے ہیں، سعودی عرب۔"
"وہ بھی تو دوسری دنیا ہے اس زمین کے خطے پر۔"
"کیوں وہاں کوئی جنت دوزخ بھی ہے کیا؟" یہ بات اس نے مذاق میں کہی تھی۔
"وہاں جنت ضرور ہے، جنت الریاض۔"
"اچھا اور دوزخ کہاں ہے؟"
"وہ ہم ہیں، چلتے پھرتے دوزخ، جو جنت ریاض میں جا کے ذرا انسان بنتے ہیں پھر وہاں سے نکلتے ہیں تو اثر ضائع ہو جاتا ہے اور پھر دوزخ کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔"
"عجیب انسان، ایک اور عجیب انسان، میری زندگی میں ہر کوئی عجیب انسان آیا ہے اور اتفاق سے

سارے مسلمان۔"

"تم خود بھی عجیب ہو لڑکی۔"

"مگر مسلمان تو نہیں۔"

"کیا ہوا شریف تو ہونا، پتہ ہے عجیب انسان خاصے شریف ہوتے ہیں بھروسے کے لائق، کیونکہ وہ دھوکا نہیں دیتے۔"

"تمہیں کوئی دھوکا باز مکار آدمی چاہیے کیا۔" وہ دونوں چلتے چلتے اسٹاپ کے قریب آ گئے تھے سواری یہاں بھی مل رہی تھی، نہیں عجیب اور شریف والی بات دل کو لگی تھی۔

☆☆☆

"کوئی ایسا ہے جو آپ کی خاطر کچھ بھی کر لے اور آپ اسے دکھ پہ دکھ دیتے آئیں جیسے کوئی مظلوم ظالم کو سہتا ہے تو سمجھ نہیں آتا کہ اصل قصوروار کون ہو سکتا ہے، وہ جو ظلم کرتا ہے، وہ جو ظلم سہتا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو کسی ظالم مظلوم کا قصہ لے بیٹھے ہو، کیونکہ تمہارے پاس آئے دن کوئی انوکھا قصہ نئی کہانی تو ضرور ہوتی ہے۔"

"میرے پاس بالکل ایک سمپل سی کہانی ہے، وہ تمہاری کزن۔"

"اوہ تو یہ قصہ ہے۔" وہ چپ لے کر ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

"تو اب تم طرف داری کرو گے اس کی، ظاہر ہے کچھ وقت کی صحبت کا اثر تو ضرور ہوتا ہے۔"

"اگر تم تھوڑی دیر چپ رہ کر میری بات سن لو عمارہ تو یہ یقیناً تمہارا مجھ پر احسان ہی ہوگا کیونکہ تم میں سننے کا ضبط بہت کم رہا ہے۔"

"ہاں مجھ میں تو کوئی خوبی نہیں چلو تم ہی سہی ضبط برداشت والے۔"

"فی الحال میں ہماری بات نہیں کر رہا، اس کے لئے ہمارے پاس وقت ہے فی الحال جو ضروری ہے وہ بات کروں گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے کرو بات مگر ہوگی یقیناً طویل اور فضول لا جک۔"

"طویل ضرور ہے مگر فضول نہیں، تو بات یہ ہے کہ وہ بیچاری ہمیشہ تمہاری سنتی رہی اور تم کہتی رہی، تمہارا رویہ اس کے ساتھ بہت برا رہا بغیر کسی وجہ کہ۔"

"اس کی وجہ ہے۔" اس نے بات کاٹی۔

"اور وہ یہ ہے کہ عمارہ وہ لڑکی تمہاری خالہ زاد ہے اور تمہیں اپنی سگی ماں اور خالہ سے نفرت ہے، مگر اس میں اس کا کیا قصور ہے، دیکھو کوئی بھی جان بوجھ کر کسی سے نہ رشتہ جوڑتا ہے نہ مرضی سے والدین چنتا ہے، اگر انسان کی مرضی پوچھی جاتی تو ہر کوئی کیا ہی معیار چنتا، کوئی غریب کے گھر پیدا نہ ہوتا نہ کوئی جواری شرابی کے گھر پیدا ہوتا، وہ تمہاری کزن ہے وہ خود اپنی ماں نانی یا خالہ کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتی ہو گی مگر اس نے اس کے بدلے تمہارے ساتھ کبھی برا نہیں کیا، اس سب کا بدلہ تم سے نہیں لیا، بلکہ ان سے بھی نہیں لیا جن سے لینا چاہیے تھا۔"

"ٹھیک ہے ہو گئی تمہاری گفتگو ختم۔" وہ زہر بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ابھی نہیں ہوئی۔"

''میرا نہیں خیال کہ اس وقت مجھ سے زیادہ کوئی صبر والا ہوگا۔'' وہ اس کی بات پر پھیکی مسکراہٹ مسکرا کر رہ گیا۔

''پہلی بار صبر کیا ہے ناتبھی ایسا لگ رہا ہے، جب عادت پڑ جائے تو صبر میٹھا مشروب بن جاتا ہے بس پہلے پہل انسان کا ہاضمہ جب تک برداشت کر سکے، خیر تو اس سے آگے بڑھتے ہیں، اسے پتہ چلا کہ تم جاب لیس ہو، تو اس نے کوشش کرنا شروع کر دی۔''

''کوئی احسان نہیں کیا صرف بات ہی تو کی ہوگی نا۔''

''نہیں عمارہ بات کرنا بھی بہت مشکل ہے کسی کے لئے۔''

''ہم کسی کے لئے دعا تو کرتے ہیں مگر کوشش کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ کوشش دعا کی عملی تفسیر ہے اور عمل تو ظاہر ہے مشکل ہے، مگر کوشش بھی جاندار قسم کی۔''

''تم نے کبھی سوچا کہ دعاؤں سے ہی بہت کچھ کیوں مل جاتا ہے، اس لئے کہ عمل کا فقدان ہوتا ہے اللہ کو پتہ ہے کہیں کہیں ہم اپنے لئے بھی عمل نہیں کریں گے تھک جائیں گے، ہار جائیں گے اور جب ہم ہار جائیں گے تو ہماری دعا کام کرے گی۔''

''خیر تو بات کوشش کی ہو رہی ہے نا۔'' وہ ٹہلتے ٹہلتے برآمدے میں آ کر بیٹھ گئے، کرسی ستون کے سہارے ٹکا کر برآمدے کی چوکھٹ سے ہوا ٹکرا ٹکرا کر چہرے کو فرحت بخش رہی تھی، اس نے ذرا لمبے کو آنکھیں موند لیں۔

''پھر پتہ ہے کیا ہوا؟ اس نے دعا ہی نہیں کی کام کر دکھایا، اس نے ایک ایسے پرچے کا کام شروع کروایا جو سالوں سے بند تھا جس کے نئے سرے شروع ہونے کی دور دور تک کوئی امید نہ تھی، اس کے لئے ایک مضبوط ٹیم ورک چاہیے تھا، مگر اس نے ایسا شیڈول بنایا کہ دو تین لوگ کور کر سکیں، پھر دو بندوں کا کام بانٹ کر خود لے لیا اور ایک ورکر کی جگہ نکالی صرف تمہارے لئے، اس پوزیشن میں کہ بورڈ والے تمہیں ریجیکٹ نہ کر سکیں اور دو سال تک تم آرام سے رہ سکو، پھر اگر تمہیں کہیں اور جاب مل جائے تو تم چھوڑ کر جا سکتی ہو، کیونکہ بورڈ میں کام کے تجربے کی بنیاد پر تمہیں اس سے زیادہ بہتر جاب بھی مل سکتی ہے اور لک بائے چانس، تم چاہو تو وہیں اپنی بنیاد مضبوط کر سکتی ہو اچھا کام دکھا کہ سینئرٹی کی بنیاد پر تمہاری ترقی ہو سکتی ہے تعلیمی ڈگری تو تمہارے پاس ہے ہی، یہ تھی شیخ چلی کی ساری پلاننگ، مگر شیخ چلی تو پہلے انڈے پر ہی فلاپ ہو گیا، جو سوچتا تھا ان انڈوں سے مرغیاں ہوں گی مرغیاں بڑھ کر بھینسیں بنیں گی بیچ کر اس طرح سلسلہ بنے گا اور شیخ چلی ایک انڈے سے بڑا آدمی بن جائے گا، تو امرت بیچاری کے ساتھ یہ ہوا کہ تم پہلے دن ہی لات مار کر گئیں، مگر میں یہ سوچ رہا ہوں اس پلان کے خراب ہونے کا دکھ تو اسے ہوگا، دوسرا دکھ تمہارے رویے کا تیسرا دکھ اپنی امید ٹوٹنے کا جو ہر بار وہ وابستہ کر لیتی ہے تم سے، مگر سب سے زیادہ دکھ اسے تب ہوگا جب اسے بورڈ والوں کے سامنے جواب دہ بننا پڑے گا اور مجھے اس لئے دکھ سب سے زیادہ ہے ڈیئر کہ فی الحال اس سب کی ذمہ دار تم ہو، اس کے سامنے میں کس قدر شرمندہ ہوا ہوں تمہیں کیا بتاؤں۔''

''تم کیوں شرمندہ ہو گے، میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔''

''ضرور مانگنا مگر اپنے دوسرے فیصلے پر بھی غور کرو۔''

''کل سنڈے ہے، کل میں اس سے بات کروں گی۔'' وہ دل ہی دل میں بہت شرمندہ ہوئی تھی مگر گوہر کے سامنے خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''عمارہ کبھی انسان دوست ہو کر سوچ لیا کر دیار۔''

''ساتھ رہ کر انسانیت تو ساری تم نے لے لی، میں تو نام کی انسان رہ گئی ہوں، رہی دوستی تو وہ مجھے راس نہیں آتی۔''

''سچ یہ ہے کہ مجھے اس کی اتنی کوششوں کا پتہ ہی نہیں تھا ورنہ میں اسے پہلے سے روک لیتی، اس نے ناحق اتنا کچھ کیا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے عمارہ، مگر اسے خونی رشتوں کی پرواہ ہے، چاہے رشتے جیسے بھی ہوں۔''

''مجھے پتہ ہے وہ بہت اچھی ہے اور یہ بھی کہ میں بہت بری ہوں۔''

''مجھے پتہ ہے یہ سب تم نے جان بوجھ کر کیا ہے کیونکہ تم حد درجہ خود غرض اور بدتمیز ہو عمارہ، تمہیں کسی کی پرواہ نہیں ہے۔'' اسے اتنا کچھ کہنے کے بعد اس کا ری ایکشن دیکھ کر حیرت اور دکھ ہوا تھا۔

''تمہارے لیکچر کا بہت شکریہ، علی گوہر صاحب اور خاص اعزازات کا بھی جن سے ابھی تم نے مجھے نوازا ہے۔'' وہ افسوس سے اس کی طرف دیکھنے لگا جب وہ بڑے مطمئن انداز میں اپنے کمرے کی طرف چل دی اور کھٹاک سے دروازہ بند کر دیا ساتھ ہی بتی بند ہو گئی۔

وہ وہیں کا وہیں بیٹھا رہ گیا چائے کا آدھا کپ لئے جو اب پانی میں تبدیل ہو چکا تھا، اس نے ٹھنڈی چائے کا ایک کڑوا گھونٹ اپنے اندر اتارا اور بدمزگی سے منہ بنایا۔

☆☆☆

فنکار کی زندگی اب اتنی بھی رائیگاں نہیں تھی، اس ویرانے میں اس نے زندگی نکھارنے کا فیصلہ کر لیا تھا، بس اتنا تھا کہ اسے چند گھنٹے جو اس گھر میں جاگ کر گزارنے تھے انہیں کچھ تو با مقصد بنانا تھا، یا پھر اچھی وقت گزاری کا کوئی بہانہ چاہیے تھا سو اس نے اپنے وقت کو ذرا آسان بنانے کے لئے ایک سکہ ہوا میں اچھالا جس سے ٹاس کیا کہ پہلے کیا کام کرنا ہے، اور پہلے تہہ خانے کی صفائی کے حق میں ووٹ نکلا جہاں جانے سے اس کی جان جاتی تھی مگر اصول تھا سو پیچھے نہیں ہٹنا تھا، اس نے بڑی سی ٹارچ لی اور چھڑی تھمائی آہستہ آہستہ تہہ خانے کی سیڑھیاں اترتا ہوا گیا جہاں کچھ وقت قبل موت کے سائے نے اسے ڈرائے رکھا تھا۔

سب سے پہلے تہہ خانے کے جالے اتارے، چیزوں کا کباڑ ایک طرف پھینکا ایک خالی کونے میں کچھ دیر ستایا پھر خانوں سے لڑکھڑا کر گرتا ہوا رسالوں کا بنڈل ہاتھ میں لیا اور سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر آ گیا، تہہ خانے میں اتنی گنجائش رکھی گئی کہ کوئی بھی بے کار اور فضول چیزوں کا کچھ اسٹاک ہو سکے اب ڈھیر سارے رسالے تھے جو دوپہر کے بعد وہ کھول کر بیٹھے ہوئے تھے فیصلہ یہ ہوا کہ روز ایک گھر کے کسی ایک کونے کی صفائی ستھرائی ہو گی اور ایک رسالہ پڑھا جائے گا، باقی کا بیچ کا وقت نمازوں، تلاوت کے لئے مخصوص کیا، کتنے دن ہوئے کہ تسبیح سے ناطہ ٹوٹ گیا تھا، ترجمہ و تفسیر تو دور کی بات۔

مگر خالی تلاوت نہ کی، روح کی بے چینی ہر طرح سے عروج پر تھی، جو شخص انسانوں سے کٹا ہوا ہو ایک کونے میں رہتا ہو، نہ بندوں بشر سے واسطہ نہ روزگار زندگی کی فکر نہ کھانے پینے کی فکریں نہ ملنے

ملانے کا جھنجھٹ نہ عبادت کا ذوق نہ زندہ رہنے کا شوق، بس موت موت صرف موت اور زندگی سے
بیزاری پھر وہ شخص ماضی کا چاہے جتنا بھی بڑا ادیب مفکر، دانشور و فنکار تجزیہ نگار اور زرخیز رہ چکا ہو، وہ
اس صورتحال میں ایک عجوبہ یا تو پھر ایک خالی خولی ڈبہ بن کر رہ جائے گا اور پھر جب دماغ خالی خولی ڈبہ
بن جائے تو سوچیں اپنی مرضی سے تسلط جماتی ہیں جن میں سے آدھے سے زیادہ کارکردگی تو شیطان کی
ہوتی ہے یا پھر نفس کی۔

ایسے میں بندہ یا تو زندگی میں غرق ہو جاتا ہے یا تو زندگی میں رہتے ہوئے بھی اس سے کوسوں دور
کسی ایک نکتے پر جب نہ شیطان کی چلتی ہے نہ نفس کی پھر بھی بگاڑ کی ایک اور صورتحال ہوتی ہے جس
سے انسان بے کار کہلاتا ہے۔

اور بے کار انسان یا تو لوگوں کے سہارے ڈھونڈتا رہے گا سہاروں پر جیتا رہے گا اور خود کو بھی تنگ
کرے گا خود سے واسطہ لوگوں کو بھی، سو فنکار کئی مہینوں سالوں سے بے کار بیٹھا تاش ہی کھیلتا رہا شاید
اپنے ساتھ اپنے دور دوسروں کے پتے دیکھتا رہا اور کھیل ختم ہونے کا انتظار کرتا رہا جب جیت کے چانس
نظر نہیں آئے، اس وقت کرسی پر بیٹھا ٹانگ پر ٹانگ جمائے گہری سوچ میں گم فنکار خود پہ ترس کھا رہا تھا
اور مہینوں دنوں ہفتوں کا حساب جو وہ کر رہا تھا اور گن رہا تھا اس نے کیا کھویا کیا پایا اس کشمکش میں تو اسے
لگ رہا تھا اس نے خود کو کھو دیا ہے۔

فنکار تو درحقیقت آٹھ ماہ دس دن قبل ہی مر چکا تھا جس دن پہلی بار اس نے موت کا سوال کیا تھا اور
چلتی ٹرین کے ایک مسافر ساتھی جس کی آنکھیں جلتی بجھتی تھیں جس نے اسے آٹھ مہینے کا وقت جانے کیا
سوچ کر بتایا تھا ابھی یہ راز تھا، ابھی یہ تھی سلجھنی باقی تھی مگر تب سے فنکار کی رائیگانی میں ہر ایک دن
اضافہ کرتا رہا، حالانکہ زندگی کی بشارتیں تو تب بھی ملتی رہیں، اجنبی شخص، پروفیسر غفور، قائم مقام شہزادہ،
علی گوہر اور ساری اگلی پچھلی داستانیں روشن تھیں۔

ایک فنکار کی روح ہی پھڑ پھڑاتی تھی اور پھڑ پھڑا کر بجھ جاتی تھی اور اس نے روشنی کے گولے پر
ہاتھ جو رکھ لیا تھا، روشنی بجھتی تو ہاتھ بھی جلتا تھا، راکھ اڑتی نہ اڑتی دھواں ضرور اڑتا تھا۔

☆☆☆

''ہیلو امرت بات کر رہی ہیں، اچھا ان کی امی، جی میں گوہر بات کر رہا ہوں امرت سے ذرا کام تھا
اگر ممکن ہو تو پلیز ان کو بلا لیں، جی اچھا۔'' وہ سانس لینے کو رکا، دوسری طرف عمارہ دروازے کی چوکھٹ
پر ہی رک گئی۔

''ہیلو گوہر کیا حال ہیں؟'' امرت دومنٹ میں آئی تھی۔
''میں ٹھیک ہوں امرت، آپ بھی خیریت سے ہوں گی امید کرتا ہوں۔''
''جی اللہ کا شکر ہے آپ بتائیں کیسے فون کیا؟''
''امرت ایکچوئیلی میں بتانا چاہتا ہوں، بلکہ درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ اگر عمارہ یہ جاب نہیں کرتی
تو میں اسے کرنے کے لئے تیار ہوں اگر آپ کے دفتر والے مجھے رکھیں تو میں کل آ جاؤں گا۔''
''بہت شکریہ گوہر مگر یہ کام ذرا مشکل ہے خیر ویسے آپ تو بڑی بڑی مشکلوں سے نمٹتے آئے ہو گے
مگر خلاف مزاج کیسے کر سکیں گے اگر انہوں نے رکھ بھی لیا تو۔''

"خلاف مزاج تو انسان مزدوری بھی کرتا ہے، کام کام ہوتا ہے اور وہ کام ہی کیا جو مشکل نہ ہو، بس اگر عمارہ یہ جاب کر لیتی تو اچھا تھا مگر مجھے بھی اگر مل جائے تو غنیمت ہے اس سے حالات بدلیں گے نہیں مگر سنبھل ضرور جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے گوہر آپ کل آجائیے گا مجھے بہت خوشی ہوگی اگر آپ کو یہ سیٹ ملتی ہے تو۔"

"اور مجھے اس سے زیادہ خوشی ہوگی اگر مجھے آپ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا تو، میں کل آجاؤں گا امرت۔"

"ہاں ضرور آئیے گا۔" اس کی مشکل جیسے کچھ آسان ہوئی تھی، مگر دوسری طرف عمارہ تھی جو مشکل میں پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ صبح صبح تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلا تو ابا نکل چکے تھے، اماں ناشتہ کر رہی تھیں اور عمارہ بھی اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم کہیں جا رہے ہو تو مجھے بھی رستے میں چھوڑ دینا۔"

"کہاں جا رہی ہو تم پھر کہیں انٹرویو دینے۔"

"نہیں میں بورڈ جا رہی ہوں۔"

"انہوں نے بلایا ہے کیا بیٹا۔" اماں فوراً بول پڑیں۔

"جی اماں تقریباً بات فائنل تھی جس میں نے ٹائم مانگا تھا، آج سوچ رہی ہوں جوائننگ ہو جائے تو اچھا رہے گا۔"

"ارے بیٹا بہت اچھی بات ہے جلدی جاؤ شاباش کمال کرتی ہو وقت مانگا تھا، جاؤ گوہر اسے چھوڑ دو۔"

"مگر یہ بتاؤ کہ تم صبح صبح سج سنور کر کہاں جا رہے ہو؟"

"کہیں انٹرویو دینا ہوگا اس نے۔" اس کی بجائے عمارہ بولی۔

وہ ٹائی کی ناٹ لگاتا ہوا عجیب نظروں سے گھورتا دروازے سے بائیک باہر نکالنے لگا، وہ دوڑ کر بائیک پر بیٹھ گئی۔

"ارادے کیسے بدلے؟" وہ بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"احساس ہو گیا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، لوگ تو اپنی ضرورتوں کے لئے مزدوریاں کرتے ہیں مجھے تو اچھی بھلی جاب مل رہی تھی۔"

"چھپ کر فون سنتی ہو دوسروں کے۔" بائیک گلی سے باہر نکلی تھی، عمارہ نے دوپٹہ سنبھال لیا۔

"کیوں تم کسی سے چھپ چھپ کر باتیں کرنے لگے ہو کیا۔" الٹا سوال کھڑا ہو گیا۔

"مجھے چھپنے کی کیا ضرورت ہے، میں سب کے سامنے کر سکتا ہوں۔"

"اماں ابا کے سامنے بھی؟"

"ہاں سب کے سامنے میرے دل میں کوئی چور تھوڑا ہی ہے۔"

"تو جب تم نے چھپ کر بات کی نہیں کی تو میں سنوں گی کیسے۔"

''چالاکی برت رہی ہو میرے ساتھ۔'' وہ ہنسا۔
''تمہاری صحبت کا کچھ تو اثر ہوگا ہی۔''
''تم ہمیشہ نیگیٹو اثرات لیتی ہو۔''
''تم نے ہمیشہ مجھے نیگیٹوٹیز ہی دی ہیں، تمہاری پازیٹوٹیز تو اور لڑکیوں کے لئے ہی ہوتی ہیں۔''
''بہت بری اور تباہ کن سوچ رکھتی ہو۔''
''پورے جہاں کی لڑکیوں کی خامیاں مجھ ہی میں ہیں۔''
''اور پورے جہاں کے لڑکوں کی خوبیاں تم میں شاید، یہی نا۔''
''خود ہی نوازلی ہو اور اعزاز چھین لیتی ہو، بہرحال تم نے کبھی کوئی فیصلہ وقت پر نہیں کیا۔''
''تمہیں جاب ہاتھ سے جانے کا دکھ ہو رہا ہے یا کمپنی ضائع ہو جانے کا۔''
''دونوں کا۔'' وہ مسکرایا تھا۔
''دکھنے میں شریف ہو سوچیں اور حسرتیں آوارہ گردوں والی ہیں، ٹھیک کہتے ہیں پروفیسر غفور کہ نام ہے اس علی گوہر، کام ہے اس کا لور لور پھرنا۔'' علی گوہر نے ہواؤں میں قہقہہ چھوڑ دیا اور وہ مسکرا دی۔
موٹر بائیک ہواؤں سے باتیں کرتی ہوئی فرانٹے بھرتی ہوئی جا رہی تھی اپنے ساتھ سارے نظاروں کو بھگاتی ہوئی۔

☆☆☆

بجائے گوہر کے عمارہ کو دیکھ کر وہ کچھ حیرت میں مبتلا ہو گئی تھی اور اس کے اوپر عمارہ کا نارمل بی ہیویئر سب کے ساتھ اچھے طریقے سے بات چیت کرتے ہوئے وہ ہر طرح سے احساس دلا رہی تھی کہ وہ اس جاب میں انٹرسٹڈ ہے اور اس کام میں اسے کوئی خاص دلچسپی ہے، پہلے ہی دن اس نے کام کے بارے میں ذرا تفصیل سے بات کی اور سمپل دیکھنے لگی، وہ اس کی کزن تھی اسی کی طرح کام بانٹ کر حصوں میں تقسیم کر کے کرتی تھی اور پوری توجہ اور ذہانت سے کرتی تھی، وہ ایمان داری میں بھی اس جیسی تھی اور اصول میں بھی، بس ایک تضاد تھا، امرت بھی کبھار صبر کر لیتی تھی اور خواب بھی دیکھتی تھی، جبکہ اس میں برداشت اور صبر کا فقدان تھا پھر اس نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا وہ زندگی کو سادہ اور آسان طریقے سے گزارنے کی عادی تھی، کام اور آرام اس کی زندگی کے دو اہم چیپٹر تھے، جبکہ امرت اپنی عجیب و غریب طبیعت کے باعث باوجود تھکن اور کام کے بھی آرام نہیں کر پاتی تھی، اسے خواب کہاں سونے دیتے تھے، جو وہ جاگتے میں دیکھتی تھی۔

☆☆☆

''یہ آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں۔'' وہ سنسان ایریا تھا، رکشہ رکا تھا وہ اترے اور ان کے اترتے ہی رکشہ پھٹ پھٹ کرتا روانہ ہو گیا تھا۔
''یہ میرے پروفیسر دوست ہیں، آ جاؤ، ہاں یہ تھیلا سنبھالو۔'' آڑوؤں سے بھرا تھیلا اسے تھماتے ہوئے وہ چھڑی دروازے پر مارنے لگے، اس دروازے کی بیل بھی خراب ہے اور اگر ٹھیک بھی ہوتی تو وہ کون بیل کی آواز پر پہنچتا ہے، دروازہ دھڑ دھڑانا پڑتا ہے اور دروازہ واقعی دھڑ دھڑ کر رہا تھا جیسے ٹوٹنے کو تھا۔

''بس کردیں پروفیسر صاحب سر درد کر رہا ہے۔'' اس نے دھوپ کی تپش اور پھر اتنا شور سے گھبرا کر ان کی چھتری نیچے کر دی، اب وہ آوازیں دینے لگے تھے کہ دروازے کے پاس کوئی آ کھڑا کنڈی کھول رہا تھا اور ساتھ ساتھ صبر کی تلقین بھی کر رہا تھا۔

''اوہ السلام علیکم پروفیسر غفور زلزلہ مچاتے آئے ہیں۔''

''وعلیکم السلام بھئی کیسے ہو میاں، آج بھی بھوکے تو نہیں بیٹھے ہو، خیریت سے ہونا۔''

''ہاں یار ٹھیک ہوں، آ جاؤ، یہ کون ہیں؟''

''اندر تو آنے دو، آ جاؤ بچے آ جاؤ، یہ میری منہ بولی بیٹی ہے۔'' وہ اندر آ کر بیٹھے، امر کلہ کچھ حیرانی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی، بنگلہ نما وسیع عمارت کا ویران کباڑہ گھر جہاں جگہ جگہ چیزیں اور رسالے کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔

''منہ بولی بیٹی، تم تو اولاد سے بھاگتے تھے، اب بنالی مزا چکھنا جب یہ چھوڑ کر چلی جائے گی۔'' وہ اس کے سامنے کہہ رہے تھے۔

''یہ کہیں نہیں جائے گی، میری بیٹی ہے میرے ساتھ رہے گی۔'' وہ اس کے ساتھ بیٹھ گئے تھے۔

''تم لوگ کیا کھاؤ گے کیا پیو گے، میرے پاس کچھ اور تو نہیں مگر ایک جوسر مشین ضرور ہے انہیں آڑوؤں سے جوس نکال کر پلا سکتا ہوں اور دال کے پاپڑ کھلا سکتا ہوں اگر کھانا کھانا ہے تو خود بنانا پڑے گا۔''

''ہمیں کچھ نہیں کھانا ہم کھانا کھا کر آئے ہیں۔'' ان سے پہلے وہ بول پڑی۔

''جھوٹ، غفور جب میرے پاس آتا ہے تو کھانا کھا کر نہیں آتا ہم دونوں مل ملا کر کچھ بنا کر کھا لیتے ہیں، تقریباً تو اسی کی لائی ہوئی چیزیں کھا لیتے ہیں۔'' وہ بڑے مزے سے ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھ گئے تھے۔

''اسی لئے تو تمہیں روکتا ہوں کہ کسی کی بات پوری ہونے سے پہلے مت بولا کرو اور جھوٹ بھی مت بولا کرو، کیونکہ کچھ لوگوں کا جھوٹ فوری طور پر پکڑا جاتا ہے تمہارا شمار ان ہی لوگوں میں سے ہے۔'' پروفیسر غفور اسے ڈپٹ رہے تھے یا بتا رہے تھے انداز عجیب تھا۔

''تمہارا شمار بہت اچھے انسانوں میں ہوگا بچے، ویسے نام کیا ہے؟''

''جب میں اسے کہتا ہوں تو کہتی ہے جو چاہے بلا لیں چاہے عائشہ کہیں، جویریہ کہیں، کلثوم کہیں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''میری بیٹی عجیب ہے باپ کو اصل نام نہیں بتاتی۔'' پروفیسر کو شکوہ تھا۔

''آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں پروفیسر صاحب۔'' وہ اس کے نام کے ٹاپک سے چڑنے لگتی تھی اب۔

''تمہارے بہت سے نام کس نے رکھے ہیں۔'' فنکار دلچسپی سے پوچھ رہے تھے۔

''میرے بھائی مجھے بلاتے تھے، ان کو یہ سارے نام اچھے لگتے تھے۔''

''اور تمہارے بھائی کے کتنے نام تھے، علی عثمان، عمر، احمد۔''

''ان کا ایک ہی نام تھا۔''

"اب کہاں ہیں وہ؟"

"چلے گئے۔"

"کہاں چلے گئے؟"

"جہاں ان کو جانا تھا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"تمہیں کیوں چھوڑ گئے۔" گہری اداس آنکھوں میں ایک سحر تھا۔

"پتہ نہیں۔" اس نے آنکھیں چرائیں۔

"آوارگی ایک طرح سے اچھی ہے بچے اگر آوارگی کا کوئی اچھا سا مقصد ہو یا پھر بے مقصد ہو، مگر جب بندہ گھر لوٹتا ہے تو بہت کچھ بدل چکا ہوتا ہے، گھر کیوں چھوڑا تم نے؟"

"یہ سوال آپ مجھ سے پوچھ سکتے ہیں کیونکہ آپ کے گھر میں چار دن روٹی کھائی ہے میں نے مگر کوئی ایسا بندہ جس کے گھر کا پانی بھی نہیں پیا وہ مجھ سے ایسے سوالات کر رہا ہے، اس کی وجہ بھی آپ ہیں۔" توپ کا رخ مجرم کی طرف تھا، پروفیسر غفور کی جانب۔

"یہ بھی تمہارے باپ جیسا ہے بچے۔"

"بالکل مریم، میں تمہارے باپ جیسا ہوں، تم چاہو تو میرے ساتھ رہ سکتی ہو۔"

"کبھی نہیں میں اپنی بچی کو اس ویرانے میں چھوڑوں گا، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" پروفیسر ہیٹ اتار کر میز کی طرف کرسی کھینچ کر لائے۔

"میرا دل چاہتا ہے میں تم سے بہت باتیں کروں مریم۔"

"آپ مجھے مریم کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"تمہیں یہ نام پسند ہے۔"

"اور کس کو پسند ہے؟"

"میرے بیٹے کو بہت پسند تھا یہ نام اور مجھے بھی۔"

"تو پھر اپنے بیٹے کو بلا لیں اس نام سے۔"

"اچھا لطیفہ ہے۔" وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

"غصہ بہت کرتی ہو، اتنا غصہ نہ کیا کرو بچے۔"

"(میرے پاس کچھ کرنے کو نہیں، خدا کسی کو اتنا دربدر بھی نہ کرے)۔" وہ بڑبڑاتی رہ گئی۔

"مریم کھانا بنائے گی اور ہم کھائیں گے جب تک ہم دونوں آڑو چھیلیں گے اور خوب باتیں کریں گے۔" پروفیسر غفور نے حل نکالا۔

"ہاں بالکل، مجھے عرصہ ہوا اچھا کھانا کھائے۔" فنکار تھیلے سے آڑو نکالنے لگا۔

"بہت برا پکاتی ہوں میں۔"

"ہمیں منظور ہے۔"

"یہ بہلاوہ تم اسے دے سکتی ہو مجھے نہیں کیونکہ چار دن تمہارے ہاتھ کا پکا کھایا ہے، انگلیاں چاٹ ڈالیں۔" وہ نا چاہتے ہوئے بھی اٹھی تھی۔

"آؤ میں تمہیں کچن دکھا دوں اور چیزیں بھی۔" وہ آڑوؤں کا تھیلا اٹھائے اس کے پیچھے پیچھے

آئے۔

''یہ سبزیاں پڑی ہیں، فریج نہیں میرے پاس مگر ابھی موسم اچھا ہے خراب نہیں ہوئیں پھر کل ہی تو لایا ہوں، سوچ رہا ہوں فریج لے لوں۔'' وہ چھری اور ٹرے نکال کر آڑو دھونے لگے۔

''سب دیکھ لیا ہے میں نے رکنے کا بہانہ نہیں اب آپ جا کر باہر بیٹھئے پروفیسر صاحب کے ساتھ میں کرلوں گی سب کچھ۔''

''وہ میز پر ٹانگیں پھیلائے سو رہا ہوگا کچھ دیر میں تم اس کے خراٹے تک سنو گی۔''

''آپ کو کیسے پتہ کہ وہ سو رہے ہوں گے۔''

''وہ میرے پاس تب ہی آتا ہے جب مجھے یا اسے میری ضرورت ہوتی ہے، وہ رات بھر جاگ چکا ہوتا ہے اور آتے ہی یا مجھے سلا دیتا ہے یا پھر خود سو جاتا ہے، ابھی میں فریش ہوں تو گویا وہ سو رہا ہوگا۔''

''انہیں آپ کی کیوں ضرورت ہے؟ اور وہ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟'' وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''وہ سمجھتا ہے کہ میں کچھ باتیں بغیر جانے سمجھ لیتا ہوں، اسے بہت خوش فہمیاں ہیں میرے بارے میں۔''

''تو وہ مجھے یہاں ٹیسٹ کرنے کے لئے لائے ہیں۔'' وہ پھیکی ہنسی ہنس دی۔

''تو بتائیں کیا جج کیا اب تک آپ نے میرے بارے میں، کس قسم کی دھوکا باز ہوں میں، سونا لے کر بھاگ جاؤں گی نقدی۔'' وہ کہتے ہوئے ہنس رہی تھی۔

''افسوس اس بات کا ہے کہ تمہیں سونا اور نقدی نہیں چاہیے اور خوشی بھی اسی بات کی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ طنزیہ مسکرائی۔

''جب زندگی کا کوئی مقصد نہ ہو تو زندگی بوجھ بن جاتی ہے، کچھ دن پہلے ہی سیکھا ہے کہ جینا ہے تو دل سے جیو، کام کرو، گھومو پھرو زندگی آٹھ ماہ دس دن کی تو ہے، مگر تمہاری کبی ہے ابھی سے ناامیدی۔''

''اس سے زیادہ عجیب باتیں سنی ہیں میں نے اور اس سے زیادہ حیران کن آبزرویشن دیکھی ہے آپ کی کوئی بات مجھے حیرت میں نہیں ڈالے گی پروفیسر صاحب۔'' وہ بھنڈیاں دھو کر مسالہ لگا کر چڑھا چکی تھی اب ٹماٹر کاٹ رہی تھی۔

''اتنی حیرانوں سے گزر کر ہی ٹھہراؤ آتا ہے، جو ٹھہراؤ تم میں ہے جو مجھ میں، میں سمجھتا ہوں ہماری فیلنگ ایک سی ہیں، کوئی تلاش ہے آنکھوں میں۔''

''آپ بھی آنکھیں شناس ہیں؟ مگر میں پھر بھی حیران نہیں ہوں۔''

''میرا مقصد تمہیں حیران کرنا ہرگز نہیں میرے بچے، میں تو خود کئی سوالوں کی جستجو میں پڑا ہوں، طاقتیں کھو چکا ہوں، کھوکھلا ہو چکا ہوں، بد دماغ بوڑھا بنتا جا رہا ہوں، پہلیاں نہیں بوجھ سکتا تو بجھواؤں گا کیسے اور یقین ہے کہ کمزوری میں اللہ میرے سامنے اتنی پہلیاں نہیں رکھے گا، معاملات آسان ہونے لگیں گے، مگر آسان معاملات کو بھی ہینڈل نہیں کر پا رہا، مگر تم بتاؤ اپنے بارے میں، کچھ جوابات، سوالات۔''

''آپ کو کیسا لگے گا اگر میں آپ سے یہاں بیٹھ کر سوالات یا جوابات کروں، آپ کے گھر میں وہ

بھی۔"

"برا لگے گا مگر عجیب نہیں۔" وہ آنکھ دبا کر مسکرائے تھے۔

"آپ کشمکش کا شکار ہیں، سب ہیں بلکہ، سکون میں نے صرف کبیر بھائی کی آنکھوں میں تیرتا ہوا دیکھا، جو اپنے پاورز کو سنبھالے ہوئے ہیں۔"

"کبیر بھائی، کبیر احمد جو غائب ہو جاتا ہے۔" آڑو کاٹتے ہوئے ان کی انگلی کا پور چھری سے زخمی ہو گیا۔

"اوہ یہ کیا کیا چھری چلا دی ہاتھ پر۔" اس نے انگلی پکڑ لی اور اپنا دوپٹہ رکھ کر خون دبانے لگی۔

"تم اسے کیسے جانتی ہو وہ کہاں ہے بتاؤ۔" اس نے دوپٹے کا کونہ پھاڑ کر انگلی کے پور پر کس کر باندھ دیا۔

"پہلے مجھے حیران ہونے دیں کہ آپ بھی ان کو جانتے ہیں، پتہ نہیں کون کون جانتا ہوگا ان کو اور ان کے عجیب ہونے کو۔"

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اسے غائب ہوتے ہوئے۔"

"ہاں انہوں نے اپنے غائب ہونے کا تو نہیں مگر آپ کا ذکر ضرور کیا تھا۔"

"وہ کہاں ہے مجھے اس سے ملواؤ، مجھے اس سے بہت باتیں پوچھنی ہیں۔" ان کے لہجے میں عجلت اور بے تابی تھی۔

"وہ روانہ ہو گئے، سفر طیبہ، شاید وہ اب کبھی لوٹ کر نہ آئیں، انہیں پتہ ہے میں ان کو یاد کروں گی اور وہ نہیں آئیں گے۔"

"وہ خاتون جو عمر رسیدہ تھیں، جو مر گئیں تھیں۔"

"آپ ان کو بھی جانتے ہیں۔" وہ اب مسکرائی سالن چولہے سے اتار کر اب آٹا گوندھنے لگی۔

"تم بھی تو جانتی ہو اور وہ لڑکی کہاں ہے؟"

"کون لڑکی؟"

"جس کو اس نے پناہ دے رکھی تھی، جسے علی گوہر ڈھونڈتا پھرتا ہے، جس کے لئے ہچکیاں لے کر رویا تھا۔" اس کے ہاتھ سے آٹے کی پرات گرتے گرتے بچی تھی، تھوڑا سا خشک آٹا اڑا تھا اس کے چہرے پر آ لگا۔

"میں اس لڑکی کو نہیں جانتی۔" اس نے دوسرے ہی لمحے اپنی حیرانی پر قابو پا لیا۔

"پھر تم علی گوہر کو کیسے جانتی ہو؟" وہ ایک بار پھر بوکھلائی تھی۔

(جاری ہے)

☆☆☆

قرۃ العین رائے

"نہیں......!" ہماری ولروز چیخ سن کر تائی جان کے ہاتھ سے سبزی کاٹتے ہوئے چھری پرات میں جا گری تھی اماں نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھ لیا اور ابا جو ایف ایم موبائل پر لگائے (بلما) کے گانے پر سر دھنتے ہوئے اپنی مونچھوں کو خضاب لگا رہے تھے ہاتھ یوں لرزا کہ گال پر ایک لمبی سی لکیر چھوڑ گیا۔

"ہائے باجی آپ کی تو شادی بھی نہیں ہوئی جو آپ کے کرتوتوں کے باعث اس خاکی لفافے میں طلاق نامہ آتا۔" نمی نے پاس آ کر وحشت ناک انداز میں دہشت ناک ڈراؤنا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا۔

"پرے مر امنحوس، ہر وقت ڈرامے دیکھ دیکھ کر ڈرامہ کوئین بن گئی ہے۔" میں نے جھٹ ایک ہنٹر اس کی کمر پر رسید کیا جس پر وہ بلبلا کر تائی اماں کے پاس جا بیٹھی۔

"نہیں...... نہیں...... نہیں۔" میں نے پوسٹ مین سے وصول کیا وہ چاک کیا لفافہ اپنے سینے کے ساتھ لگاتے ہوئے جھوم کر خوشی کے ساتھ ایک بار پھر بے یقینی سے نہیں کی گردان کی۔

"ارے بتا بھی دے کم بخت نہ تو یہ تیرا بی اے کا رزلٹ کارڈ ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا رزلٹ تو کافی دن پہلے آیا تھا جس میں پچھلا ریکارڈ قائم رکھتے ہوئے تو نے انگلش میں سپلی بھی لی اور اب اس کا امتحان دے کر پینتیس نمبروں سے پاس بھی ہو گئی، ارے یہ کہیں تیرے مرحوم دادا کی کوئی گم شدہ، پوشیدہ زمین کی رجسٹری تو نہیں، بھا بھی ہو سکتا ہیں ناں کہ مرحوم نے ہم سب سے پوشیدہ کوئی زمین خریدی ہو اور موت نے بتانے کی مہلت ہی نہ دی اور اب کسی نیک اور ایمان دار منشی نے رجسٹری کے کاغذ ہمیں بھجوا دیے ہوں مرحوم کے بہت سے کارنامے بظاہر پوشیدہ ہی ہوتے تھے لیکن جب چمن چڑھتا تھا تو پورا جگ دیکھ ہی لیتا تھا۔" اماں نے طنزیہ انداز میں تائی جان کو متوجہ کرتے ہوئے اصل میں ابا کے گوش گزار اپنی گفتگو کی۔

"ہاں اپنے ساتھ والی قبر الاٹ کروائی تھی ابا جی نے اپنی چھوٹی بہو کے نام کہ خوب گزرے گی جب مل بیٹھیں گے مردے دو اور اب انتظار سے اکتا کر خود ہی قبر کا الاٹ نامہ بھجوا دیا کہ پیاری بہو اب آ بھی چکو۔"

اس سے پیشتر کہ اماں اور ابا کی یہ رسیلی (جلی کٹی) باتیں مزید آپ کے کانوں میں رس گھولتیں میں نے جلدی سے اپنی انٹری ماری اور آپ لوگوں کی توجہ پھر سے خود پر فوکس کرتے ہوئے خوشی سے لرزتی مگر چہکتی آواز میں ابا جی کو بتایا۔

"ابا جی...... ہائے ابا جی...... یہ دیکھیے ایک مشہور ماہنامے میں میرا افسانہ شائع ہوا ہے انہوں نے پچھلے ماہ نئے اور اناڑی رائٹرز کو لکھنے کی دعوت دی تھی، دیکھیے اس ماہ کا رسالہ بمع میرے افسانے کے انہوں نے مجھے بھیجا ہے، ابا جی، ابا جی آپ کی لائق فائق ذہین بیٹی رائٹر بن گئی ہے انہوں نے خود ہی نوک پلک سنوار کر میرا افسانہ شائع کر دیا۔"

"ولیں کھودا پہاڑ اور نکلی...... رائٹر۔" (چوہیا کا لفظ تائی جان نے بمشکل اپنی زبان کی نوک پر روکتے ہوئے کہا) اور پھر پالک جیسی سبزی بنانے کے فضول کام میں جت گئیں۔

"ہونہہ ان عورتوں نے اپنی صلاحیتوں کو جانچے بغیر ساری عمر پالک کے ایک ایک پتے کو چنتے اور کاٹتے گزار دی۔" میں نے ترس کھاتی ایک نظر تائی پر ڈالی اور ہٹالی۔

"ہونہہ......!" اماں کی ہونہہ ہی سو تبصروں

پر بھاری تھی اور وہ واپس اپنے کمرے کی جانب پلٹ گئیں۔

"ہائے بچی باجی آپ رائٹر بن گئیں۔" ثمی نے ہمارے پاس آکر رسالہ ابا جی کے ہاتھوں اچکتے حیرانگی سے پوچھا اور ابا جی بس اسے گھور کر رہ گئے۔

"لیکن آپ رائٹر بن کیسے گئیں؟ پچھلے کئی سالوں سے ایسا کچھ بننے کی کوششیں تو ناکام ہی ہوتی چلی آرہی ہیں اس دفعہ کامیابی کیسے؟" ثمی نے رسالے کے صفحوں کو پلٹتے ہوئے تبصرہ کیا تائی جان کی اکلوتی، منہ پھٹ اور چھوٹی بیٹی سے ایسی بات کی ہی امید کی جاسکتی تھی۔

"ثمی جان میں رائٹر بنی نہیں بلکہ ہوں، یہ ایک ایسی صلاحیت ہے جو خداداد ہوتی ہے میری پیدائش کے ساتھ ہی اس صلاحیت کا جنم ہوا۔" میں نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے نرم بلکہ میں ٹھنڈے ٹھار لہجے میں جواب دیا۔

"ایویں میں نے تو صرف تجھے پیدا کیا تھا تیرے ساتھ کسی اور کا جنم نہیں ہوا تھا لڑکی کیا اول فول بکتی رہتی ہے۔" اماں نے کمرے سے برآمد ہوکر گویا مجھ پر ہی پانی انڈیل دیا۔

"اماں آپ سے بات ہی کرنا فضول ہے ابا جی...... آپ بتائیے ناں یہ کتنی بڑی کامیابی ہے۔" میں نے ابا جی کا جوش میں اماں کی طرف گھوری مار کر کندھا ہلایا اور ابا جی جو دوبارہ اپنی مونچھوں کو کالے کرنے لگے تھے میرے کندھا ہلانے پر ان کا ہاتھ ایک بار پھر ہل گیا اور اب لمبی لکیر دوسری گال پر نمودار ہوئی۔

"ہوں بڑی بات، چچا جان کا پورا منہ اس بڑی بات نے کالا کر ڈالا ہے، لیں چچا جان اس سے منہ صاف کریں میرا مطلب یہ جو دونوں گالوں پر خط استوا کھینچ گیا ہے اسے مٹانے کی کوشش کریں۔" ثمی نے جلد تبصرہ کرتے ہوئے اپنا دوپٹہ بھی ابا جی کی طرف بڑھایا۔

"جل ککڑی۔" میں نے دل میں ہزار دفعہ کا دیا ثمی کو خطاب دہرایا۔

"ہاں بھئی بہت بڑی بات ہے میری بیٹی رائٹر بن گئی ہے کم از کم اب اس کا شوق اور جنون صرف کاغذ اور قلم تک محدود رہے گا باقی مشاغل کی طرح ہم سب کو تختہ مشق نہیں بننا پڑے گا۔" ابا نے اپنے گال پر کی لکیر مٹاتے ہوئے کہا۔

"سچ کہا چچا جان، پچھلی دفعہ انہیں شیف بننے کا شوق ہوا تھا اور لبنانی، ایرانی کھانوں کے نام پر بد مزے ملغوبے نما کھانے ہمیں کھانے پڑے تھے اور اس سے پچھلی دفعہ بیوٹیشن کا شوق ہوا پورے محلے کی لڑکیوں کو مجھ سمیت بال کاٹ کر پرکٹی کبوتری بنا ڈالا اور الٹا سیدھا میک اپ کرکے چڑیلیں، سامنے والی ردا آپی کا دلہن میک اپ ایسا کیا کہ دولہا کا گھونگھٹ اٹھانے کی دیر تھی دولہا کا ہارٹ فیل اور دلہن بیوہ ہوتے ہوتے رہ گئی، اگلے دن آکر خوب لتے لے کر گئی تھیں امارہ باجی کے، اور اس سے پچھلے سال سلائی کا شوق چڑھا تھا جب چچی جان کا سوٹ کا......"

"اُفوہ ثمی چپ بھی کر جاؤ وہ تو بس میرا رجحان نہیں تھا امتحان سے فراغت تھی تو ایسے ہی ٹائم پاس کرنے کے لئے مگر یہ تو ڈائجسٹ میں شائع میرا افسانہ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ یہی اصل صلاحیت ہے میری میرے اندر کی رائٹر اسے ماہنامہ والوں نے کھوج نکالی۔"

"سونے کی کان کھوجتے تو کچھ حاصل بھی ہوتا۔" اماں نے تائی جان کے ساتھ پالک بناتے بات کاٹ کر ایک بار پھر جملہ پھینکا۔

"ارے آپ کیا سمجھ رہے ہیں رائٹر بننا بس ایویں کی بات ہے وہ وقت اب رائٹرز پر نہیں رہا

کہ میلا بوسیدہ تھیلا کندھے پر ڈالے جس میں مسودہ لئے بے چارے گھومتے تھے اور چند روپے کما کر بیوی کی لعن طعن سنتے زندگی کی گاڑی بنا پیٹرول کے گھسیٹنے کی کوشش میں آخر کار تپ دق کے مریض بن کر اس دار فانی سے کوچ کر جاتے تھے اور گھر والے سکھ کا سانس لیتے تھے اب تو رائٹر لاکھوں میں کھیلتا ہے ایک آدھ ڈائجسٹ میں دھما کے دار قسط وار ناول لکھ لو تو اچھے پیسے مل جاتے ہیں اور اگر کسی وہلے چینل کے نکھے ڈائریکٹر کی نظر اس ناول پر پڑھ گئی تو سمجھو نیارے وارے ڈرامہ لکھنے کے پیسے الگ اور شہرت الگ پھر میرے انٹرویو چھپے گے۔ ٹی وی چینلز پر دو دو گھنٹوں کے نارچر مارننگ شوز میں بلا کر میرا انٹرویو لیا جائے گا۔‘‘

’’اور ناظرین و قارئین کے صبر کا امتحان بھی۔‘‘ ثمی نے بات کاٹتے ہوئے جلی مسکراہٹ کے ساتھ میرا جملہ مکمل کیا۔

’’ارے بیٹا یہ انڈوں والی ٹوکری سر سے اتار کر نیچے رکھ دے، شیخ چلی کی اولاد اب جا جا کر کچن میں کب سے رکھے برتن دھو پھر آلو پالک بھی پکانا ہے۔‘‘ اماں نے طنز کا تیر مارتے ہوئے اپنا حکم صادر کیا۔

ابا نے ایف ایم پر لگے گانے کو گنگناتے ہوئے پلٹ کر اماں کو گھورتے پوچھا۔

’’آپ کو۔‘‘ اماں کے صاف سیدھے کورے جواب پر ابا اثبات میں دھیرے سے سر ہلاتے ہوئے گانا سننے اور گنگنانے میں مشغول ہو گئے۔

رلائے گے، ہنسائے گے
مار ہی ڈالے گے
تیرے نیناں نیناں قاتل

’’افوہ یہاں تو گھر کی مرغی دال برابر بھی نہیں اب آپ ایک عظیم رائٹر سے گندے مندے سے برتن دھلوائے گیں اور اس کے حسین، کومل اور نادر خیالات و تصورات کو پالک کی ہنڈیا میں جھونک کر گھوٹا لگوئے گیں اے موجودہ دور کی ماڈرن چنگیز خان اماں ہم خود پر یہ ستم نہیں ہونے دے گے اس وقت تو مجھے ایک نئے افسانے کا پلاٹ بنانا ہے آمد ہو رہی ہے میں واش روم جا رہی ہوں ایک وہی واحد جگہ ہے جہاں پر مجھے ظالم دنیا ڈسٹرب نہیں کر سکتی۔‘‘ آخر میں بھی اپنے والدین کی اکلوتی نور چشم تھی ایسی باتیں کرنا تو بنتی تھیں میں اپنی ناقدری دیکھ کر فوراً واش روم کی جانب بیش رفت کی بچ جاتے وہاں بہت اچھی آمد ہوتی ہے، آئیڈیاز کی آپ کس طرف دھیان دے کر ناک پر ہاتھ دھر رہے ہیں۔

’’لو ایک نیا ڈرامہ شروع آگے ہی کام کاج کی نہیں اور اب بالکل ہی گئی کام سے۔‘‘ اماں نے ماتھے کو پکڑے بڑبڑائی۔

’’چھوڑے چچی جان اسے لائے پالک دے میں پکاتی ہوں۔‘‘ ثمی نے پالک کی ٹوکری کی جانب ہاتھ بڑھایا اور میں یہ سب دیکھتے واش روم کی جانب چل دی۔

’’ارے آپ لوگ کدھر میرے پیچھے آ رہے ہیں جائیے اپنے کچھ کام نبٹا آئیے تب تک میں کہانی کا پلاٹ سوچ لوں اب تو سب گھر والوں کو روز واش روم کے باہر میرا انتظار کرتے ہوئے خود پر جبراً کنٹرول کرنا پڑے گا۔‘‘

☆☆☆

’’سچ امارہ تم رائٹر بن گئی ہو؟‘‘ یہ جملہ خوش یا حیرت بھرے لہجے میں نہیں بلکہ کافی کرب ناک انداز میں ادا کیا گیا تھا۔

’’یار تم انسان نہیں بن سکتی۔‘‘ میرے اقرار سے پہلے ایک اور جملہ ادا ہوا۔

''ارسلان صبح سے تم سب لوگ بس ایسی ہی باتیں کر رہے ہو سچ میں اگر میں ادب پسند گھرانے میں پیدا ہوئی ہوتی تو آج میری صحیح معنوں میں قدر کی جارہی ہے، مگر افسوس کہ اللہ میاں نے ایسی چوائس اولاد کو دی ہی نہیں کہ وہ اپنی من پسند کے والدین کا انتخاب اوپر بیٹھے کر سکے اور پھر ان کے آنگن میں قدم رنجہ فرما سکے۔''

''افسوس کہ یہ چوائس والدین کو بھی نہیں دی گئی، خیر ادب پسند تو ہم سب بھی کافی ہیں بڑوں کا کتنا ادب کرتے ہیں۔''

''او کے او کے میں بہت خوش ہوں کہ میری دوست، میری کزن اور آہ، میری منگیتر اب رائٹر ہے اور میں بے حد خوش ہوں کہ پچھلی سرگرمیوں کی طرح تم مجھ سے الٹے سیدھے کام نہیں کرواؤں گی، ویسے مجھے تمہاری یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تم فارغ اوقات میں بالکل فارغ بیٹھنے کی قائل ہیں دماغ کو بالکل خالی نہیں چھوڑتی ہو شیطان کے لئے حالانکہ وہ تم سے پناہ ہی مانگتا ہو گا۔'' آخری جملہ کافی دھیرے سے ادا کیا گیا تھا مگر میں نے سن لیا۔

''ارسلان کے بچے۔'' جواب میں میرا مکہ اس کے بازو پر پڑنا لازمی تھا۔

''ہاں...... ہاں ہائے، اف توبہ لڑکی کچھ تو شرم کرو، چچی جان تمہارا یہ جملہ سن لے تو چودہ طبق روشن کر دے، چچا جان کے نہیں تمہارے، ابھی تو منگنی ہوئی ہے بچے تو شادی کے بعد......''

ارسلان نے بڑی بی عورتوں کی طرح گال پیٹتے ہوئے اپنے شرارتی لہجے سے مجھے تاؤ دلایا اور میرے خطرناک عزائم بھانپتے ہوئے فوراً صلح جو انداز میں ہاتھ اٹھائے۔

''اچھا دکھاؤ کون سا افسانہ ہے تمہارا ذرا پڑھو تو سہی کیا لکھا ہے تم نے۔'' ارسلان نے جھٹ میرے ہاتھ سے ڈائجسٹ لیتے ہوئے کہا۔

''یہ والا۔'' میں نے افسانہ نکال کر ڈائجسٹ تھمایا۔

''محبت پھول ہیں۔'' واہ واہ کیا نام رکھا ہے اور وہ جو ہر الٹے سیدھے موقع پر مجھ سے پھول لے لیتی ہو کو بھی کا پھول تک ہیں بخشتی۔''

ارسلان ایک بار پھر پٹری سے اترنے لگا لیکن مجھے اسے پٹری پر چڑھانا آتا ہے۔

''یہ ہماری کہانی نہیں ہے مجھے معلوم اس گھر میں صرف تم اردو ادب کا ذوق رکھتے ہو جلدی سے افسانہ پڑھ کر اچھا اچھا تبصرہ کرو تمہاری تعریف میرا حوصلہ بڑھائے گی اور مجھے اچھے اچھے افسانے لکھنے پر اکسائے گی جلدی پڑھو تین چار صفحے ہی تو ہے۔''

جب تک ارسلان افسانہ پڑھتا ہے میں آپ کو اپنا مختصر سا تعارف کروا کر دیتی ہوں، اس گھر میں مجھ سمیت عجیب وغریب لوگ بستے ہیں تایا جی اور تائی جان جن کی جوڑی الف نون کی ہے اس میں نون تایا جی ہیں اور وجہ سارا دن اپنے میڈیکل سٹور پر بیٹھ کر ارسلان کو گاہکوں کو مطلوبہ نسخہ پر دوائیاں بیچنے کی نگرانی کرنا ہے ان کے یہ دو ہی بچے ہیں ارسلان اور ثمی ''بچے دو ہی اچھے'' کا مقولہ ان پرفٹ ہے اور میری اماں کے بقول ''بچہ ایک بھی نہیں اچھا'' یعنی کہ میں، میری اماں ابا کی جوڑی بھی الف نون کی ہے اور اس میں نون (ہائیں بالکل ٹھیک جانا آپ کو کیسے پتہ چلا؟) میری اماں ہیں وجہ گھر بیٹھ کر مجھ پر حکم چلانا ہے میرے عزیزی جان ابا جان وکیل ہیں اور جو درگت ان کی گھر میں اماں کے ہاتھوں بنی رہتی ہیں ویسی شاید عدالت میں جج کے ہاتھوں ان کی، اس بیٹے قسمت اچھی ہو تو ہی مقدمہ جیتتے ہیں

(ملزم بیچارے کی قسمت اچھی) گھر کی مصیبت گھر میں ہی رہے اس لئے ایک سال قبل میری ارسلان کے ساتھ منگنی کردی گئی ہے بس اب تمی کے رشتے ہونے کی دیر ہے ایک ہی ساتھ ارسلان مجھے تمی اور اس کے ان کو نپٹا دیا جائے گا مصیبتیں ایک دوسرے کے گلے ڈال دی جائے گیں اور اللہ کا شکر ہے کہ میری اکلوتی نند کا رشتہ دور پار کے کزن کے ساتھ طے پاچکا ہے اور اب دونوں جانب سے بلکہ چاروں جانب سے شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور میں یعنی امارہ علی کے بارے میں تفصیل کے ساتھ اب آپ میرے آنے والے انٹرویوز کے ذریعے مجھے اچھی طرح جانتے رہے گے جس میں، میں فلسفیانہ انداز میں بتایا کروں گی کہ بچپن سے ہی جب بچیاں گڈے گڑیا کھیلنے کا شوق پالتی ہیں میں مرزا غالب، داغ، مومن کو پڑھنا کا شوق پال رہی تھی (الگ بات ہے کہ آج تک انہیں نہیں پڑھا بس کچھ اشعار اور ادھر ادھر سے نام ہی سن رکھے ہیں) وغیرہ وغیرہ۔

"امارہ کی بچی یہ تو تم نے سامنے والے ظفر اور ساتھ والی سونیا کا نیا نکور محبت نامہ لکھ ڈالا ہے اور نام تک نہیں بدلا ظفر کو جب سونیا کی پانچ بھائیوں نے کٹ لگائی تھی وہ بھی لکھ ڈالی ہے بدلے میں ظفر کی اماں نے سونیا کے بارے میں جولن ترانیاں کی تھیں وہ بھی جوں کی توں لکھ ڈالی ہیں اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ افسانہ پڑھ لیا تمہاری خیر نہیں۔" ارسلان کے بلند تبصرے میں جو آپ کے ساتھ محو انٹرویو تھی، چونک کر اچھلی۔

"ہاں تو رائٹر اپنے اردگرد کے ماحول سے ہی متاثر ہوتا ہے۔" میری گردن اکڑی۔

"اور جو سونیا کے بھائیوں یا ظفر نے تمہارا یہ افسانہ پڑھ لیا تو میں جو باہر نکلتا ہوں ان کے ہاتھ لگ کر متاثرین میں شامل ہو جاؤں گا۔" ارسلان نے دانت کچکچائے۔

"بھائی چچی جان کہہ رہی ہیں، صحن میں کافی ٹھنڈ ہے اور آپ کو ٹھنڈ لگ گئی تو میڈیکل سٹور کی دوائیاں آپ کو خود بھاگنی پڑے گیں جوابا جان نہیں ہونے دے گے ایک گولی کا بھی نقصان منظور نہیں انہیں اور ان کی دختر نیک تو لکڑ پتھر مضبوط ہیں کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا اچھی باتوں کا، اچھی نصیحت کا اور نہ ٹھنڈں کا لہٰذا اندر آ کر کھانا کھالیں۔" تمی نے برآمدے میں کھڑے اپنے دیدے گھماتے ہوئے مسکراتے ہوئے اماں کا پیغام پہنچایا اور میرے دل کو جھلسایا اور واپس پلٹ گئی۔

"چلو امارہ اندر چلتے ہیں۔" ارسلان نے جھٹ کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"نہیں تم جاؤ میں ابھی اپنی نئی کہانی کے بارے میں سوچوں کی آمد ہو رہی ہے۔"

"او کے ایز یو وش۔" ارسلان کندھے اچکاتا اندر چلا گیا۔

سنسان صحن میں اکیلی بیٹھی باہر کتوں کے بھونکنے، چھت پر بلیوں کی لڑائی اور کیاری میں جھینگر کی آواز سے گھبرا کر ساری کہانی کا پلاٹ بھول بھال گئی مجھے تو لگ رہا تھا کہ یہیں کہیں سے اچانک بھوت نکل آئے گا میں تو جارہی ہوں اندر آپ بھی اپنے گھر سدھارے۔

☆☆☆

مہندی لگا کے رکھنا، ڈولی سجا کے رکھنا
تجھے لینے او گوری آئے گے تیرے سجنا
شاوا اوئے اوئے شاوا اوئے اوئے

"اوئے اوئے، کچھ تو شرم کرلو تمی اپنی مہندی پر خود ہی گائے جارہی ہے۔" میں نے ساتھ بیٹھی

ثمی کو اپنی کہنی سے ٹھوکا دیا۔

"اُفوہ یہ میں ہوں ارسلان بھائی نہیں جس کی پسلی تم کہنیاں مار مار کے توڑنے کی کوشش کرتی رہتی ہو باجی اور ویسے بھی یہ میں اپنی مہندی پر گانا نہیں گا رہی بلکہ تم دونوں کی مہندی پر گا رہی ہوں۔" ثمی نے اپنی دائیں پسلی کو سہلاتے ہوئے جز بز انداز مجھے اطلاع فراہم کی۔

"اور ذرا شرما کر سر جھکا کر بیٹھو کیسے خوشی کے مارے کیسے دیدے پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھ رہی ہو چچی جان کی نظر پڑ گئی تو اچھی خاصی جھاڑ کھا لے گیں۔" ثمی نے مجھ سے کہنی کی چبھن کا بدلہ لیا۔

"ہاں خود تو جیسے ستر دہائی کی ہیروئین بنی بڑی شرما رہی ہو ناں۔" میں نے بھی ادھار رکھنا مناسب نہیں سمجھا۔

"ہائیں یہ آپ سب کیوں حیرت سے دائیں بائیں سر ہلاتے ہم دونوں کی باتیں سن رہے ہیں اتنی کرسیاں خالی پڑیں ہیں جلدی سے سنبھال کر بیٹھ جائیے اور ہماری مہندی کی رسم کا انجوائے کریے کیا کہا آپ تو میرا اپنا افسانہ پڑھنے کی تلاش میں پھر میرے گھر چلے آئے ہیں کہ پچھلا دو ماہ سے امارہ علی کے نام کی رائٹر کا کوئی افسانہ ڈائجسٹ میں شائع نہیں ہوا، بس یہ بھی ایک الگ ہی داستان ہے کچھ ہی دیر میں مہندی کی رسم ادا ہو جائے یہ لوگ مجھے گھما لگا کر کمرے میں رکھ آئے افوہ خوشی کے مارے الٹے سیدھے الفاظ منہ سے نکل رہے ہیں میرا مطلب ہے گانا باندھنے کی رسم ہو جائے پھر یہ سات سوکی سہاگنیں مجھے میرے کمرے میں چھوڑ آئے گیں وہاں پر آپ سے آرام سے بات ہوگی۔"

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ بننا تو رائٹر تھا مجھے اور بن گئی دلہن (ہائے دلہن بننے کا بھی بڑا مزا

آتا ہے بڑے نخرے اٹھار ہے ہیں سب آج کل میرے) وہ کیا ہے کہ میں کسی انوکھے اور اچھوتے موضوع پر کوئی کہانی لکھنا چاہ رہی ہوں تا کہ ایک دم سے ہی مشہور ہو جاؤں دو ماہ سے اس اچھوتے موضوع کی تلاش میں خوار ہو رہی ہوں جب تک آپ کے پاس پورا مشاہدہ اور مکمل معلومات نہ ہو آپ اچھی کہانی کیسے لکھ سکتے ہیں تب مجھے اپنی نازک صنف ہونے پر قدرے افسوس سا ہوا لڑکا ہوتی تو جب چاہتی ادھر ادھر گھوم کر خوب ساری متعلقہ معلومات حاصل کر لیتی اور تب ہی مجھے اپنی اتنی قابل رائٹرز کو خراج تحسین پیش کرنے کو دل چاہا تو بہت سی رکاوٹوں کے باوجود اتنا اچھا اور مکمل لکھتی ہیں اب دیکھئے ایک دن بیٹھے بٹھائے ہجڑے پر کہانی لکھنے کا خیال آیا افسوس کہ دور نزدیک تک ہمارے خاندان میں ایک بھی ہجڑا موجود نہیں جس سے میں اس کی کہانی سن سکتی (میرے بلند آواز افسوس کرنے پر اماں کی چپل نے سیدھا میری کمر کا نشانہ لیا) اور اپنی کزن کی شادی پر جہاں کچھ ہجڑے اپنے فن کا مظاہرہ اندرون خانہ خواتین کے سامنے کر رہے تھے مجھے اپنی کہانی کا مواد اکٹھا کرنے کا سنہرا موقع مل گیا میں نے ایک مریل سی ست الوجود لڑکی میرا مطلب ہے ہجڑے کو اپنے پاس بلا کر اور سو کا نوٹ دکھائے اس سے اس کی داستان سننی چاہی تو باقی سب بھی تالیاں بجاتے اور اپنی بھونڈی آواز میں گاتے میرے اردگرد اکٹھے ہونا شروع ہو گئے، اماں نے ہزار روپے دے کر جان چھڑائی اور گھر آ کر جو عظیم خطابات سے نوازہ وہ آپ نہ ہی جانے تو اچھا ہے ٹمی کی طرح ہنس ہنس کر آپ کی آنکھیں بھی نم ہو جائیں گی۔ ایک روز دروازے پر صدا لگاتی بھکارن سے جو اس کی داستان سننا چاہی تو اس نے اشارہ کر کے اردگرد اپنے مانگنے والے بچوں کو اکٹھا کر لیا اور جو انہوں نے مانگنے کی صدائیں لگا کر آفت مچائی سو روپے دے کر بمشکل گیٹ بند کر کے میں نے اپنی جان چھڑائی اماں اگر اس دوران آ جاتیں تو سوچے میرا کیا حشر ہوتا۔"

ہمارے سامنے ایک کبوتر باز انکل رہتے ہیں ایک دن خیال آیا کہ کبوتر کو استعارے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے آزادی کی ایک کہانی لکھی جائے لہٰذا روز شام کو چھت پر جا کر کبوتروں کی چال ڈھال کا مشاہدہ شروع کیا اور تیسرے ہی دن ہماری چھٹی حس نے گڑبڑ ہونے کا احساس دلایا وہ گنجے کبوتر باز انکل ہمارا ہی گھور گھور کر مشاہدہ کیے جا رہے تھے ان پر اور اپنی کہانی کے خیال پر مٹی ڈالتے ہوئے بڑبڑاتے نیچے چلے آئے اب آپ ہی بتایئے رائٹر کی زندگی کس قدر دشوار ہے آپ لوگ تو چند لمحوں میں کہانی پڑھ کر اسے اچھے یا برے کی سند دے ڈالتے ہیں آپ کیا جانے ہم رائٹرز کس مشکلات سے دو چار ہو کر ایک کہانی تحریر کر پاتے ہیں اور جناب یہ لوڈ شیڈنگ والے بھی اماں سے مل گئے تھے رات کو جب بھی لکھنے کی آمد ہونے لگتی اور لائٹ گئے ہونے پر ہم موم بتی کی روشنی میں کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچنے لگتے تو اماں ایک پھٹکار پڑی۔

"آگے ہی خدا نے بس پورا پورا رکھا ہوا ہے اوپر سے اندھیرے میں لکھ کر نظر گنوا کر لمبوترے سے منہ پر عینک سجا کر بیٹھ جانا رحم کھا ارسلان پر۔" لو کر لو بات اس دل جلے جملے کے بعد کون سی آمد اور کون سی کہانی جل بھن کر سونا ہی ہوتا تھا سو ہم وہیں کرتے تھے۔

ابھی ہماری اچھوتے موضوع کی تلاش کی مہم جاری تھی کہ اماں نے میری اور ارسلان کی تکرار سن لی اور پھر مجھے اس گھر سے رخصت

کرانے کی ایسی ٹھانی کہ جھٹ پٹ بیاہ کرتے ہوئے آج میری مہندی کی رسم ادا کی جا رہی ساتھ میں ارسلان اور ثمی کی بھی ہے، ارے بھئی ان کی بھی تو شادی ہو رہی ہے ارسلان کی مجھ سے اور ثمی کی اپنے دولہے سے آپ اماں کی طرح مجھے کیوں گھور رہے ہیں اس بات پر میں جب بھی کوئی بات یا کام کروں وہ ہمیشہ کہتی ہیں اللہ نے سب کچھ تجھے دیا سوائے عقل کے اور یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے کے جو تاثرات ہوتے ہیں وہیں آپ کیوں ہیں؟ خیر اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے اس روز میں ارسلان کو گھیرے اس بات پر قائل کر رہی تھی کہ آج کل ایک مزار پر عرس منایا جا رہا تھا اور میلہ کا اہتمام تھا جس میں سرکس بھی لگی ہوئی تھی وہ مجھے تین چار روز تک سرکس والوں سے ملانے لے جاتا رہے تاکہ میں ان سے معلومات اکٹھی کر کے کہانی لکھ سکوں بتائے بھلا اس میں اعتراض کا جواز کیا مگر ہائے ری میری قسمت ارسلان تو میری ذہانت بھرے دلائل سے قائل بھی ہو جاتا مگر اماں کی سن گن کی عادت مجھے لے ڈوبی۔

جھٹ ابا کے سامنے جا کر میرا ڈراؤنا نقشہ میرا مطلب میرے مستقبل کا ڈراؤنا نقشہ ایسا کھینچا کہ ابا سے ہاں کروا کر ہی دم لیا کہ لڑکی تو اپنے شوق کے ہاتھوں کوئی چن چڑھائے گی اور اس سے پیشتر کہ تائی جان کا دل اپنی ہونے والی بہو سے اس کے کرتوتوں کی بناء پر کھٹا ہو فوراً شادی کر کے بلا ٹالے شادی کے بعد گرہستی اور بال بچوں (ہائے اللہ شرم آ گئی) میں الجھ کر یہ رائٹر بننے کا بھوت اتر جائے گا اب بھلا بتاؤ منگیتر کے ساتھ سرکس جاتی خوب گلے گی یہ سب جملے برآمدے میں کھڑی اماں ہی جیسی سن گن کی عادت لئے ثمی نے سنے اور بعد میں مجھے سنائے اور یوں ہم رائٹر بننے کی بجائے دلہن بنا دیے گئے لیکن آپ فکر نہ کریں ہمارے اندر کا رائٹر انگڑائی لے کر جاگ اٹھا ہے اب نہیں سونے کا بس ایک اچھے اور اچھوتے موضوع کی مکمل معلومات کے ساتھ تلاش ہے ملتے ہی ایک کہانی چھڑکا دینا ہے اور آپ بھی نہ کبھی امارہ علی کے نام سے لکھا افسانہ ڈائجسٹ میں ضرور پڑھ کر لطف اندوز ہو گئے تب تک ہر ماہ ڈائجسٹ پڑھئے اور ہمارے منتظر رہیے اور ہاں اگر آپ بھی ہمیں کوئی موضوع لکھ کر بھیج دے تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسے ہی فارغ دماغ میں آمد ہوئی لکھ ڈالے گے بلکہ اس سلسلے میں آپ میری مدد اپنے خطوط کے ذریعے کیجئے گا اور اب میں اپنے اندر کے رائٹر کو دوبارہ سونے نہیں دوں گی اس کے لئے ہر رکاوٹ کو عبور کر کے افسانے لکھتی رہوں گی یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

☆ اردو کی آخری کتاب ....
☆ خمار گندم ....
☆ دنیا گول ہے ....
☆ آوارہ گرد کی ڈائری ....
☆ ابن بطوطہ کے تعاقب میں ....
☆ چلتے ہو تو چین کو چلئے ....
☆ نگری نگری پھرا مسافر ....
☆ خط انشا جی کے ....
☆ بستی کے اک کوچے میں ....

گلابی بھیگتی ہوئی تر و تازہ سی صبح میں وہ سفید یونیفارم پہنے ہلکا گلابی دوپٹہ شانوں پہ سیٹ کیے کندھے پر بیگ اور سینے سے فائل لگائے منتظر سی کھڑی تھی سامنے کالونی کی سڑک ہلکی ہلکی دھند میں لپٹی ویران سی پڑی تھی، ورسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر اس نے ایک بار پھر تشویش بھری نظر بند گیٹ پر ڈالی تھی تبھی تاشیر ہاؤس کا گیٹ کھلا تھا اور سیاہ کرولا باہر نکلی تھی اور گاڑی کے پیچھے پیچھے امشال بھی "خوشی" سیاہ شال لپیٹے سوں سوں کرتی امشال نے اسے پکارا تھا۔

"کیا مطلب تم کالج نہیں جارہی؟" اس نے مشکوک نظروں سے اس کے حلیے کو دیکھتے پوچھا تھا۔

"اونہوں میری طبیعت ٹھیک نہیں اور تم چاچو کے ساتھ چلی جاؤ۔" وجہ اور مشورہ دونوں ساتھ ساتھ تھے۔

"کون سے چاچو؟ کیسے چاچو؟ کس کے چاچو؟" حیرت سے آنکھیں پٹپٹاتے اس نے امشال کو گھورا تھا۔

"میرے چاچو ایس پی شاہ میر احتشام۔" امشال نے جوابی گھوری سے نوازتے چبا چبا کر کہا تھا۔

"شاہ میر لاہور سے آگئے؟" خوشی نے جوش سے پوچھتے ذرا سا جھکتے گاڑی میں جھانکا تھا، جواباً شاہ میر نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا، وہ امشال کو ہاتھ سے گڈبائے کہتی فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھی۔

"آپ کب واپس آئے اور بتایا کیوں نہیں اور ہاں کیسے ہیں آپ؟" تابڑ توڑ قسم کے سوالات اس کی تیز تیز چلتی زبان سے ادا ہو رہے تھے، خوشی اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی، کیونکہ اس دنیا میں موجود وہ چند لوگ جن سے خوش بخت ابراہیم کی بنتی تھی شاہ میر احتشام بھی انہی چند گنے چنے لوگوں میں آتا تھا۔

"اف اتنے سارے سوال ایک ساتھ چلو جواب دینے کی کوشش کروں گا۔" کہہ کر شاہ میر نے گاڑی بڑھائی تھی۔

☆☆☆

"خوشی" کالج کے بڑے سے گیٹ سے سامنے شاہ میر نے گاڑی روکی تھی، وہ ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کر کے اتری تھی اور ابھی بمشکل دو قدم ہی چلی تھی جب پیچھے سے شاہ میر نے پکار لیا تھا اور اس پکار پر خوشی کے ساتھ ساتھ چند اور سر بھی مڑے تھے۔

"جی!"

"یہ اپنی فائل لے جاؤ۔" شاہ میر نے آسمانی رنگ کی فائل اس کی جانب بڑھائی تھی۔

"اوہ تھینکس۔" فائل تھما کر وہ واپس مڑا تھا، وہ چند سیکنڈز وہیں کھڑی رہی پھر گیٹ کی جانب بڑھی تھی، سر جھکائے فائل سینے سے لگائے وہ اندر داخل ہوئی تو گیٹ کے پاس موجود دوستوں کے جھرمٹ کو اپنی طرف متوجہ پا کر ٹھٹکی تھی۔

"خیریت؟" اس نے ابرو اچکاتے پوچھا تھا۔

"تمہارے اتنے ہینڈسم سے بندے کے ساتھ کالج آنے کے بعد بھی خیریت ہو سکتی ہے کیا؟ ویسے سچی سچی بتاؤ خوشی یہ اتنا ڈیشنگ بندہ کون تھا کزن ہے کیا؟" فائنل ائیر کی صبا نے تجسس بھرے لہجے میں وہ سوال کیا تھا جو وہاں موجود ہر لڑکی کے چہرے پر لکھا ہوا تھا۔

"اونہہ صبا یہ جو خوشی تمہارے سامنے کھڑی ہے اسے دیکھ کر بھی تمہیں لگتا ہے کہ اتنا اسمارٹ ہینڈسم بندہ اس کا کزن ہو سکتا ہے؟" رمشا بزاد نے تمسخر اڑاتے لہجے میں دریافت کیا تھا رمشا بزاد

روحینہ چاچی کی بہت قریبی دوست کی بیٹی اور ان کی ساری فیملی سے آگاہ تھی، رمشا کی بات پر ایک لمحے کو سناٹا چھا گیا تھا اور لڑکیوں نے خاصی حیرت سے رمشا بزاد کو دیکھا تھا کہ آج کوئی خاص دن ہی تھا جب رمشا نے خوش بخت ابراہیم کے منہ لگنے کی ہمت کر لی تھی ورنہ عموماً ساری فائنل ایئر کی لڑکیاں اس سے بچ کے ہی رہتی تھی کہ ایسے موقعوں پر وہ منہ پھٹ ہی نہیں اچھی خاصی بدلحاظ بھی ہو جایا کرتی تھی، مگر آج واقعی کوئی خاص دن ہی تھا تبھی وہ رمشا کی طرف دیکھ کر ہولے سے مسکرائی تھی۔

''اور تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے رمشا، مائنڈ مت کرنا مگر تم ناں مستقل اوبامہ کی چھوٹی بہن لگتی ہو اور بھئی تم لوگوں کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟'' رمشا کو ایک ہی وار میں چاروں شانے چت کر کے وہ صبا وغیرہ کی طرف مڑی تھی۔

''مسئلہ تمہارا اتنے ڈیشنگ بندے کے ساتھ کالج آنا ہے؟'' ماریہ نے اپنے چھوٹے چھوٹے بالوں کی پونی میں کستے باور کروایا تھا۔

''یہ.....'' اس نے اطمینان سے بیگ میں ہاتھ ڈال کر ببل نکالی تھی پھر ریپر اتار کر منہ میں ڈالی۔

''ایس پی شاہ میر احتشام ہیں امشال کے چاچو۔'' لاپرواہ سے لہجے میں کہہ کر اس نے ان سب پر نظر دوڑائی جن میں یہ خبر سنتے ہی کھلبلی سی مچ گئی تھی۔

''چاچو امشال کے اور ساتھ تمہارے سب خیر ہے ناں؟'' رمشا کے لہجے میں موجود حسد اسے اچھے خاصے اطمینان میں مبتلا کر گیا تھا۔

''اب تم لوگ جو چاہو سمجھو میں پابندی تو نہیں لگا سکتی۔'' سابقہ لہجے میں کہہ کر اس نے ان سب کے سینوں میں اچھی خاصی آگ لگائی اور ایک سمت کو چل دی تھی۔

☆☆☆

وہ جس وقت گھر واپس آئی سوائے تائی جان کے سبھی اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے ادھر اس نے لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا تھا ادھر انہوں نے طنزیہ ہنکار بھرا تھا۔

''لو آ گئی شہزادی صاحبہ پورے شہر میں لور لور پھرنے کے بعد، یہ وقت ہے ان کا واپس آنے کا، بھیا ہم تو کچھ کہہ بھی نہیں سکتے کہ ادھر منہ سے الفاظ نکلے ادھر شہزادی صاحبہ کے مزاج بگڑے، ایک تایا صاحب ہیں جنہوں نے اتنی شہہ دے رکھی ہے ہمیں کیا خود ہی بھگتیں گے ہونہہ۔''

''آپ کیوں اپنا بلڈ پریشر ہائی کر رہی ہیں جانتی تو ہیں آپ کی ان ساری باتوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔'' سیڑھیاں چڑھتے اس نے دانستہ وہ کہا تھا جو انہیں آگ لگا جاتا تھا۔

''ہاں جانتی ہوں اثر ہوتا تو اب تک چلو بھر پانی میں ڈوب چکی ہوتی۔''

''بالکل یہی تو میں بھی آپ کو سمجھا رہی ہوں۔'' آخری سیڑھی پر ٹھہر کے اس نے کہا اور جھپاک سے کمرے میں گھس گئی تھی، پیچھے وہ جو ل بول کر اپنا غصہ نکال رہی تھیں۔

☆☆☆

بیگ وغیرہ رکھ کر اس نے منہ دھویا، یونیفارم چینج کر کے وہ کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی تھی بے تحاشا لگی بھوک کے باوجود وہ اتنی جلدی نیچے جانے کا رسک نہیں لے سکتی تھی تقریباً آدھے گھنٹے بعد جب اسے اطمینان ہو گیا تائی جان اپنے کمرے میں جا چکی ہوں گی اس نے بہت آہستگی سے دروازہ کھولا نیچے جھانکا اطمینان کر لینے کے بعد وہ ننگے پاؤں سیڑھیاں اترتی کچن

میں چلی آئی تھی، آلو مٹر کا ٹھنڈا سالن اور آدھ جلی روٹی بہت عرصہ ہوا اب اس نے ایسی باتوں پر اداس ہونا چھوڑ دیا تھا، وہی آدھ جلی روٹی کھا کر اس نے دیگچی میں موجود بوائل دودھ سے آدھ کپ لے کر اپنے لئے چائے بنائی اور واپس کمرے میں آ گئی تھی، بیڈ پر بیٹھ کر اس نے طائرانہ نگاہ پورے کمرے میں ڈالی تھی، بہت پرانا سا دادی کے زمانے کا بیڈ انتہائی شکستہ حالت میں موجود دو کرسیاں، ٹوٹے ہوئے شیشے والا ڈریسنگ ٹیبل، باہر سے آغا ہاؤس کی شان و شوکت دیکھ کر کون اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس شاندار سے آغا ہاؤس میں ایک کمرہ اتنا بد حال اور تنگی حالت میں بھی ہوگا اور کمرہ بھی کس کا آغا ہاؤس کے مالک آغا ابراہیم کی اکلوتی بیٹی خوش بخت ابراہیم کا، اس نے یاسیت سے سوچا تھا۔

وہ یتیم نہیں تھی باپ کی غفلت اور ماں کی لاپروائی کا شکار تھی، ماں باپ کی آپس میں بنی نہیں تو نب کیسے سکتی تھی، بہت جلد ان دونوں نے اپنی راہیں الگ کر لی تھیں، ماں اسے باپ کے پاس اور باپ اپنی ماں کے پاس چھوڑ کر بھول گیا تھا، انگلینڈ میں موجود کروڑوں کا بزنس اور طرح دار خوبصورت بیوی، اسے پیچھے کی یاد بھلائے ہوئے تھیں، مگر نہیں اسے اپنے پیچھے موجود لوگ یاد تھے، بڑے بھائی صاحب اور چھوٹا لاڈلا بھائی، جنہیں اس نے کاروبار کروایا اور پر جمانے میں مدد دی، ماں جسے وہ کتنی ہی بار اپنے پاس بلا چکا تھا، بھاوجیں اور ان کے بچے جن کی فرمائشیں وہ بڑے چاؤ سے پوری کرتا تھا، اسے سارے یاد تھے، بڑے بھیا کے شہزاد شیراز اور نیہا چھوٹے بھائی کے حبیب اور سارہ سب کا اسے خیال تھا اگر یاد نہیں تھی تو اپنی اکلوتی بیٹی خوشی، اگر اسے کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں آیا تو خوش بخت ابراہیم کا اور کبھی بھولے بسرے خیال آ بھی جاتا تو ایک گھنٹے کی کال میں پانچ منٹ اس سے بھی خیر خیریت پوچھ لی جاتی تھی۔

''لو جی ہو گیا فرض ادا، اللہ اللہ خیر صلہ۔''

اور جب سگے ماں باپ کو اس کی پرواہ نہیں تھی اس کا خیال نہیں تھا تو باقی کسی کو کیا پڑی تھی اس کی پرواہ کرتے اس کا خیال رکھتے، وہ سب اسے فاصلے پر رکھتے تھے اور وہ سب سے دور فاصلوں پر جا کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

اس کی جب آنکھ کھلی ساڑھے پانچ ہو رہے تھے۔

''اوشٹ۔'' جلدی جلدی پانی کے چار چھپاکے منہ پر مار کر اس نے بالوں میں برش پھیرا اور نکل آئی، ملک ہاؤس کے باہر اس نے ایک لمبے کو رک کر سانس برابر کی تھی پھر اندر داخل ہوئی۔

''السلام علیکم آپی! عمر اور حدید کہاں ہیں؟''

''وعلیکم السلام!'' عطیہ آپی نے سلام کا جواب وال کلاک کی طرف دیکھ کر دیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ لیٹ ہے، وہ سر کھجا کر رہ گئی تھی۔

''اندر بیٹھے ہیں دونوں۔'' وہ ان کے بتانے پر سر ہلا کر اندر کی جانب بڑھ گئی تھی، عمر اور حدید کو ٹیوشن پڑھانے کے بعد وہ باہر نکلی تو قدم خود بخود شیر ہاؤس کی جانب اٹھ گئے تھے۔

''ارے خوشی آؤ ناں، پچھلا ہفتہ کہاں غائب رہی؟'' شبانہ نے اسے دیکھتے ہی خوشدلی سے دریافت کیا تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟ اور امشال کہاں ہے؟'' ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے پہ بیٹھتے اس نے دو سوال ایک ساتھ کیے تھے۔

''ٹھیک ہوں اور امشال موڈی لگائے بیٹھی

بے تنگ آگئی ہوں میں اس کی لاپروائیوں اور کام چوریوں سے، آج بھی شاہ میر نے ڈانٹا ہے مگر ذرا جو اثر ہوا اس ڈھیٹ پر۔'' ان کے اپنے رونے تھے، وہ خاموشی سے سنتی رہی تھی۔

''اور تم سناؤ خیریت ہے سب؟'' خشک میوؤں کا جار اٹھاتے ہوئے انہوں نے پوچھا تھا۔

''خوش بخت ابراہیم کی زندگی میں خیریت ہوسکتی ہے بھلا؟'' اس نے سر جھٹکا تھا۔

''کوئی نیا مسئلہ؟''

''آنٹی کچھ لوگوں کو اپنے بارے میں بہت ساری خوش فہمیاں یا غلط فہمیاں ہوتی ہیں اور ہماری سارہ بھی انہی میں سے ایک ہے بس اس کی ایک آدھ غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی تھی۔'' آنکھوں میں شرارت کی چمک لئے وہ مسکراہٹ دبائے بول رہی تھی۔

''خوشی کیا ضرورت ہے بیٹا الجھنے کی، نقصان پھر تمہارا ہی ہوتا ہے۔'' انہوں نے تاسف بھرے لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''پرواہ کرنا چھوڑ دی ہے میں نے۔'' اس نے تلخی سے کہتے سر جھٹکا تھا۔

وہ واپس آئی تو زیبو نوراً تائی جان کا پیغام لئے آئی تھی۔

''تم چلو میں آتی ہوں۔'' زیبو کو بھیج کر وہ چند لمحے یونہی کھڑی رہی پھر گہری سانس بھرتی نیچے کچن میں چلی آئی تھی۔

''مجال ہے یہاں کسی کو خود سے احساس ہو جائے مگر نہ جی حد ہے بدحواسی کی۔'' وہ اسے دیکھتے ہی نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھیں، وہ خاموشی سے سبزی کی ٹوکری اپنی طرف کھسکاتی کام شروع کر چکی تھی، چکن کڑاہی، بیف چلی مٹن قورمہ بنے گا اور آغا جی جب تک دستر خوان پر سبزی نہ ہو کھانا نہیں کھاتے اس لئے آلو مٹر بھی بنے گے، شہزاد نے ناریل پڈنگ کی فرمائش کی اور سارہ نے چکن سلاد کی، وہ مینو بتا کر ایک لمحے کو رکی تھیں۔

''تم شروع کرو، کوشش کرنا سارا کام وقت پر ختم ہو، آغا جی کھانے میں دیر برداشت نہیں کرتے، میں روحینہ اور سارہ کو بھیجتی ہوں۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ باہر نکل گئی تھیں اور خوشی بخوبی جانتی تھیں نہ انہوں نے روحینہ اور سارہ کو کہنا ہے اور نہ ہی انہوں نے جھانکنا ہے، ہاں جب ہر چیز تیار ہو جائے گی تب وہ اسے کچن سے ٹیبل پر لگا دیں گی اور سارا کریڈٹ ان کے نام، مگر بہت عرصہ ہوا اس نے ایسی باتوں پر رنجیدہ ہونا چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆

وہ بہت تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی، سوجی بھون کر اس نے دودھ ڈالا جب شہزاد کچن میں داخل ہوا تھا، خوشی جلدی سے چار کپ چائے بناؤ ساتھ میں کباب بسکٹ وغیرہ رکھ دینا، اس نے آتے ساتھ ہی آڈر دیا تھا خوشی کا دماغ سیکنڈ میں گھوما تھا۔

''آپ کو نظر نہیں آرہا میں پہلے ہی کتنی مصروف ہوں آپ یہ آڈر جا کر اپنی پیاری بہن یا والدہ محترمہ کو دیں۔''

''خوشی یہ کون سا طریقہ ہے بات کرنے کا، تمیز نہیں ہے تمہیں بات کرنے کی۔''

''نہیں کیوں کہ یہ مجھے کسی نے سکھائی ہی نہیں۔'' دو بدو جواب وہ ایک پل کو خاموش ہوا تھا پھر ایک تلخ سی نگاہ اس کی پشت پہ ڈال کر باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

وہ ٹک سک سے تیار حسب عادت فائل سینے سے لگائے کھڑی تھی، جب بلیک کرولا اس کے نزدیک آر کی تھی۔

"خوشی آجاؤ۔" شاہ میر نے ذرا سا شیشہ نیچے کرتے اسے پکارا تھا۔

"نہیں میں چلی جاؤں گی، روز آپ سے لفٹ لیتے اچھی لگوں گی کیا؟"

"کم آن خوشی آجاؤ، امشال کا آج بھی چھٹی کا پلان ہے۔" شاہ میر کی بات پر اسے نا چار قدم بڑھانے پڑے تھے ساتھ ہی دل میں امشال کو کوسنے کا تسلسل سے جاری تھا۔

"آپ کو خواہ مخواہ زحمت ہو گی۔" ڈور کھولتے اس نے کہا تو وہ مسکرایا تھا۔

"ہمارا راستہ ایک ہی ہے تو زحمت کیسی؟" نارمل سے انداز میں کہتے اس نے گاڑی آگے بڑھائی تھی خوشی نے کچھ چونک کر اس کے وجیہہ چہرے کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

آج خلاف معمول وہ پورے ایک ہفتے بعد تاشیر ہاؤس آئی تھی۔

"آپی یہ سبزی منڈی کیوں لگا رکھی ہے؟" اس نے شبانہ کو ڈھیروں سبزیوں سے نبرد آزما دیکھ کر پوچھا تھا۔

"یہ سارے شاہ میر کے شوق ہیں۔" انہوں نے بے چارگی سے کہا تھا۔

"میں ہیلپ کرادوں۔"

"نہیں چائے بنا دو۔" شبانہ کی بات پہ وہ سر ہلاتی کچن کی جانب بڑھی تھی۔

"شاہ میر کے لئے بھی بنانا وہ گھر پر ہی ہے۔"

"او کے۔" تین کپ ٹرے میں رکھے وہ لاؤنج میں آئی تھی۔

"بھابھی پلیز میری شرٹ کا بٹن لگا دیں۔" شاہ میر کچھ عجلت میں اپنے روم سے نکلا تھا۔

"او شاہ میر رکھ دو بعد میں لگا دوں گی۔"

"نہیں بھابھی مجھے ابھی پہننی ہے۔"

"اچھا چلو رکھو میں ہاتھ دھو کے آتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی تھی جب خوشی نے انہیں روکا تھا۔

"رہنے دیں آپی، آپ چائے پئیں میں لگا دیتی ہوں۔" اس نے آگے بڑھ کر شاہ میر کے ہاتھ سے شرٹ لے لی تھی۔

☆☆☆

زیبو کے ساتھ مل کر اس نے جلدی جلدی برتن دھوئے کچن صاف کروایا، وہ بہت تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی، کہ ابھی اسے میڈم صائمہ کے دیے ٹیسٹ کی تیاری بھی کرنی تھی، کام ختم کر کے وہ باہر نکلی تو کارنر سٹینڈ پر رکھے مسلسل بجتے ٹیلی فون نے اس کے آگے بڑھتے قدموں کو روکا تھا، اس نے اردگرد نگاہ دوڑائی پھر ناچار ریسور اٹھا لیا تھا، دوسری طرف اس کے والد صاحب تھے، بہت سرسری انداز میں انہوں نے اس سے بات کر کے اسے فون تایا جان کو دینے کو کہا تھا، دستک دے کر وہ تایا جی کے کمرے میں چلی آئی تھی، فون انہیں پکڑا کر وہ باہر نکلی تھی۔

"ارے یہ کیا میں رو رہی ہوں۔" سیڑھیاں چڑھتے اس نے بہت حیرت سے خود سے سوال کیا تھا اور آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا۔

☆☆☆

سیمنٹ کے کھردرے بینچ پر وہ بہت خاموش سی آنکھیں موندے بیٹھی تھی، اس کی آنکھوں میں ڈھیروں نمی تھی اور پلکوں میں واضح لغزش وہ بہت خاموشی سے آکے اس کے ساتھ بیٹھا تھا، پھر

بھی اس کی مخصوص خوشبو اس نے فوراً آنکھیں کھولیں تھیں، پھر شاہ میر کو دیکھتے ہی سیدھی ہو کے آنکھیں صاف کی تھیں، چند لمحے تک ان کے بیچ خاموشی رہی تھی۔

''کیسی ہو؟''

''اچھی ہوں۔''

''صرف اچھی؟''

''نہیں بہت اچھی۔''

''تو اب اچھے بچوں کی طرح یہ بھی بتا دیجئے مادام کے یوں اکیلے بیٹھ کر آنسو کیوں بہائے جا رہے تھے؟'' شاہ میر نے نرم لہجے میں استفسار کیا تھا، اس کی آنکھیں ایک بار پھر سے بھر آئی تھیں۔

''خوشی!'' شاہ میر نے بینچ پر رکھے اس کے سفید ہاتھ پر اپنا تسلی بھرا ہاتھ رکھا تھا، کچھ چیزیں جب تک اندر موجود رہتی ہیں تکلیف دیتی رہتی ہیں، بوجھ بڑھ جائے تو بانٹ لینا چاہیے، زندگی آسان ہو جاتی ہے۔

''آپ نے کبھی محرومی دیکھی ہے شاہ میر، میں نے دیکھی ہے میں نے اپنی اب تک کی زندگی میں سوائے محرومی کے اور کچھ نہیں دیکھا، میں نے ماں کی محبت نہیں دیکھی، میں نے باپ کی شفقت نہیں دیکھی، مجھے نہیں معلوم ماں باپ سے لاڈ کیسے اٹھوائے جاتے ہیں، میں نے کبھی رویوں کی نرمی اور لہجوں کی مٹھاس محسوس نہیں کی، میں نے اپنی زندگی میں تلخی اور نفرت کے سوا کچھ نہیں دیکھا، آپ کو پتہ ہے شاہ میر زندگی میں ایک چیز آپ کو نہیں ملتی آپ صبر کر لیتے ہیں مگر جب وہی چیز آپ کی آنکھوں کے سامنے کسی اور کو دے دی جائے تو تب صبر نہیں ہوتا۔'' وہ نجانے کس کمزور لمحے کی رو میں بہہ کر اسے اپنی زندگی کے سارے دکھ سنا رہی تھی، سارے غم دکھا رہی تھی، اپنی ساری محرومیاں وہ اس سے بانٹ رہی تھی، بانٹتی چلی جا رہی تھی۔

☆☆☆

''آغا ہاؤس میں جو پانچ گاڑیاں کھڑی ہیں ان میں سے اگر پانچ نہیں تو تین تو میرے باپ کی کمائی کی ہیں اور میرے پاس ان میں بیٹھ کر سفر کرنا تو در کنار انہیں قریب سے دیکھنے کا بھی حق نہیں۔'' یاسیت سے کہتے وہ آخر میں اداسی سے مسکرائی تھی، شاہ میر نے اس کے چہرے پہ چھائے حزن و ملال کو پوری طرح سے محسوس کیا تھا۔

''آغا ہاؤس سوا ایکڑ پر پھیلے شاندار محل میں سب سے گھٹیا کمرہ اور پھٹیچر سامان خوش بخت ابراہیم کے حصے میں آیا ہے، مگر یقین جانیے شاہ میر، مجھے ان باتوں سے فرق نہیں پڑتا، مجھے دولت کی چاہ بھی نہیں رہی، میرے اندر چیزوں کی حرص نہیں ہے مگر مجھے رشتوں کی چاہ ہے، خالص اور انمول رشتے، میری کمزوری ہیں، مجھے محبت کی حرص ہے، اس محبت کی جو شاید اس دنیا میں میرے لئے کہیں نہیں ہے۔''

''خوشی، زندگی میں جو سب سے ضروری چیز ہے وہ ہے احساس جو کسی کو ہمارا ہو یا ہمیں کسی کا اور قابل افسوس بات یہ ہے کہ کچھ لوگ اسی احساس سے عاری ہوتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں ان کے حال پہ چھوڑ دیا جائے، بلکہ ہمیں انہیں احساس دلانا پڑتا ہے کہ ان کی زندگیوں پر وقت پر کچھ حق اور حصہ ہمارا بھی ہے اور یہی احساس تمہیں بھی دلانا ہے خوشی، اس شخص کو جو اس دنیا میں سب سے قریبی رشتہ ہے۔'' وہ سر اٹھا کر شاہ میر کو دیکھنے لگی تھی۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ بہت مشکل ہے، مشکل ہے مگر ناممکن ہرگز نہیں اور چیزیں تب تک مشکل نظر آتی ہیں جب تک ہم انہیں کرنے کی

ٹھان نہیں لیتے، جس وقت ٹھان لیتے ہیں وہ اسی لمحے سے ہمارے لئے آسان ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔" شاہ میر کی بات پر اس نے بمشکل سر ہلایا تھا، وہ جو اسے سمجھانا چاہ رہا تھا، وہ سمجھنا اس کے لئے اتنی جلدی ممکن نہیں تھا۔

☆☆☆

اس نے فائل سامنے میز پر رکھی پھر کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لی تھیں، شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے کنپٹی دباتے اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار واضح تھے، نعمان حیات گلا کھنکار کر اسے متوجہ کرتے سامنے والی کرسی پر بیٹھا تھا، نعمان حیات اور وہ سکول کے زمانے سے ساتھ تھے، بہت اچھے دوست، ہم پیشہ، ہم مزاج۔

"کیا ہوا؟" وہ نعمان کو متوجہ کرنے پر بمشکل سیدھا ہوا نعمان نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے پوچھا تھا۔

"سر میں درد ہے یار۔" اکتائے ہوئے لہجے میں اس نے کہا تو نعمان کے چہرے پر تشویش کے سائے لہرائے تھے۔

"تیرا یہ سر درد کچھ زیادہ ہی سر درد نہیں بنتا جا رہا؟ میری جان تو کسی اچھے سے اسپیشلسٹ کو دکھا لے، سن رہا ہے ناں؟"

"ہوں۔" آنکھیں دوبارہ سے موندھے اس کا ہوں بے توجہی لئے ہوئے تھا۔

"رات سویا نہیں اس لئے شاید سر بھاری ہو رہا ہے۔"

"اچھا اور سوئے کیوں نہیں؟" نعمان کا لہجہ تجسس لئے ہوئے تھا۔

"جو تم سوچ رہے ہو ویسا کچھ نہیں اور اب پلیز دماغ پہ زور ڈالنا بند کرو اور چائے پلواؤ۔" اس کی بات پر نعمان نے اسے گھورا تھا۔

"گھورنے کو نہیں چائے پلانے کو کہا ہے۔" وہ آنکھیں موندے ہی بولا تھا، نعمان گہری سانس بھر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

زندگی میں بہت ساری چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں، جو کرتے وقت ہمیں مشکل لگ رہی ہوتی ہیں بلکہ کئی بار تو غلط بھی، مگر جب ہو جاتی ہیں، ان کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں تب ہمیں پتہ چلتا ہے ہمارا وہ اقدام ہماری وہ کوشش ہمارا کتنا صحیح اور بروقت فیصلہ تھا، یہی خوش بخت ابراہیم کے ساتھ بھی ہوا تھا پہلی بار اپنے باپ سے ایک ایسی بیٹی بن کر بات کرتے ہوئے جنہیں ان کی ضرورت تھی انہیں یہ احساس دلاتے ہوئے کہ وہ ان کی بیٹی ہے اور اسے ان کی محبت ان کی شفقت کی ضرورت ہے، وہ ان کا خون ہے وہ ان میں سے ہے، اسے مشکل ہوئی، وقت ہوئی تھی، مگر ایک دو تین، رفتہ رفتہ ہی سہی، وہ کامیاب نہیں بھی ہوئی تب بھی کامیابی کی منزل کو جانے والے راستے پر قدم ضرور رکھ چکی تھی، وہ چونکے، ٹھٹکے تھے تو اس کے باپ ناں اور وہ ان کا خون، ان کے اندر بے حسی اور غفلت کی برف ضرور جمی تھی مگر، بیٹی کے آنسو سے پگھل گئی، وہ ہر روز فون کرتے تھے مگر پہلی بار تھا یہ فون خوش بخت ابراہیم کے لئے آتا تھا اور پھر کچھ دنوں بعد وہ خود بھی چلے آئے تھے، کس لئے؟ اپنی خوشی سے ملنے کے لئے، انہوں نے نم آنکھوں سے اس سے معافی مانگی تھی۔

"سارا قصور میرا ہے باپ ہو کے تم سے غافل رہا، یا شاید ندرت کے لئے دل میں موجود خفگی اور بغض میں تم سے لاپروائی برت کے نکالتا رہا، جو بھی تھا جیسے بھی تھا، وہ دوہرانے کے بجائے میں تم سے معافی مانگتا ہوں بیٹے اپنے

باپ کو معاف کر دو۔'' اس نے تڑپ کر سر اٹھایا تھا۔

''ماں باپ معافی مانگتے نہیں معافی دیتے اچھے لگتے ہیں ابو، آپ مجھے گناہگار مت کریں۔'' انہوں نے اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا تھا، انہوں نے شاہ میر احتشام کا بھی شکریہ ادا کیا تھا، کچھ بھی تھا باپ بیٹی کے مابین فاصلے کم کرنے میں اس کا ہاتھ تو تھا۔

''آپ مجھے شرمندہ کر رہیں ہیں سر؟'' اس کی بات پر انہوں نے رشک بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تم جانتے ہو تمہارا شماران لوگوں میں ہوتا ہے جو دل جیتنے کے فن سے آگاہ ہوتے ہیں اور ایسے لوگ زندگی میں کبھی ناکام نہیں ہوتے، کیونکہ ان لوگوں کے ساتھ ہزاروں دلوں سے نکلی دعائیں ہوتی ہیں۔''

بہرحال کچھ بھی تھا خوش بخت ابراہیم کے لئے کچھ بدل چکا تھا، اس کی زندگی اس کا کمرہ رہن سہن، آغا ہاؤس کے مکینوں کا رویہ اور......

☆☆☆

''کیا سوچا جا رہا ہے؟'' کھلی فائل پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے وہ نجانے کس دیس پہنچا ہوا تھا جب نعمان حیات اور جمیل احسان اندر داخل ہوئے تھے، وہ چونکا پھر سیدھا ہوا تھا۔

''کچھ خاص نہیں اسی کیس کے حوالے سے سوچ رہا تھا۔'' اس کی بات پہ نعمان نے برا سا منہ بنایا۔

''دھت تیرے کی، میرا خیال تھا شاید محترم شاہ میر احتشام کسی چاند چہرے ستارہ آنکھوں کو سوچ رہے ہیں مگر یہ سوچتے ہوئے میں بھول گیا سامنے بھی شاہ میر احتشام صاحب ہیں، لے دیکھ میرے بھائی۔'' اس نے شاہ میر کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے۔

''ہم تیری شادی کا کھانا کھانے کو کب کے ترس رہے ہیں، رحم کر لے اب پورے تیس کا ہو گیا ہے۔'' اس کی بات پر شاہ میر کے لبوں پر جاندار سی مسکراہٹ چھلکی تھی۔

''بجلے یار۔'' نعمان حیات نے ساتھ بیٹھے جمیل احسان کو دانستہ مشکوک سے انداز میں پکارا تھا۔

''جی سر۔''

''لگتا ہے دال میں کچھ کالا ہے؟'' شاہ میر کی مسکراہٹ دیکھتے اس نے جتاتی نظروں سے جمیل کی طرف دیکھا تھا۔

''مجھے تو پوری دال ہی کالی لگ رہی ہے سر۔'' جمیل کی بات پر اس نے سر جھٹک کر سگریٹ سلگایا تھا۔

''شاہ میر یار اسے نہ منہ لگایا کر۔'' نعمان نے سگریٹ کی ڈبیا کو ناگواری سے دیکھا تھا۔

''سر جی اپنے شاہ جی نے تو اس بیچاری سی چیز کو منہ لگایا ہے آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟'' جمیل کی بات پر نعمان اچھا خاصا شپٹایا تھا شاہ میر کے لبوں پر مسکراہٹ چھلکی۔

''اوہوں سرکاری جگہوں پر پرائیویٹ گفتگو نہیں کرتے۔'' نعمان نے جمیل کو تنبیہی نظروں سے دیکھا۔

''اچھا، سر جی ویسے پچھلے دس منٹ سے آپ کیا کر رہے تھے؟''

''او بس کر دے یار، پارٹی بدلنے میں تو نے کراچی والوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔'' اس کی بات پر شاہ میر نے قہقہہ لگایا تھا۔

''اس لڑکے کا کیا بنا نعمان؟'' شاہ میر نے راکھ جھاڑتے گفتگو کا رخ تبدیل کیا تھا۔

''وہ بیچارہ بڑی معافیاں مانگ رہا تھا چھوڑ

دیا میں نے۔" تساہل سے کہتے وہ ریلیکس ہوا۔
"تم اتنے رحم دل کب سے ہوگئے؟" شاہ میر مشکوک ہوا تھا۔
"یار وہ اسلام آباد میں رہتے ہوئے معافی مانگ رہا تھا میں تو بڑا امپریس ہوا۔" اس نے دوستی بات کی تھی۔
"خیر یہ تو اب تم زیادتی کر رہے ہو ورنہ مانگنے کے معاملے میں اسلام آباد والے پہلے ہی بڑے مشہور ہیں۔" شاہ میر کی بات پر زبردست قہقہہ پڑا تھا۔

☆☆☆

"مجھے شاہ میر احتشام سے محبت ہو گئی ہے۔" مسکرا کر اس نے کہا تھا۔
"کیا؟" نوٹس کھولے ہوئے لگاتی امشال کا کیا اتنا بلند تھا کہ گراؤنڈ میں بیٹھی کئی لڑکیوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔
"آئی مین کیا؟" اب اس کی آواز آہستہ ہوئی۔
"خوشی تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" اس نے تشویش سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا، سر جھکائے گھاس نوچتی خوشی نے سر اٹھایا اس کی آنکھوں کے گلابی پن کو غور سے دیکھا تھا۔
"مجھے نہیں پتہ کب، کیسے کیوں لیکن مجھے شاہ میر احتشام نامی شخص سے بلا کی محبت ہو گئی ہے کہ میں جب تک اسے دیکھ نہ لوں میرا سورج نہیں نکلتا میری رات نہیں ڈھلتی خوشی۔" امشال نے حیرت بھرے لہجے میں اس کا نام لیا تھا۔
"جانتی ہوں سب جانتی ہوں اپنے اور ان کے بیچ موجود سارے فرق، پر میں کچھ نہیں مانتی، میں کیا کروں امشال؟" وہ رو پڑی تھی، امشال خاموشی سے اسے دیکھے گئی تھی۔

☆☆☆

"خوشی چاچو کو کون بتائے گا؟" کلاس روم کی طرف جاتے امشال نے ساتھ چلتی خوشی کے سامنے سوال رکھا تھا۔
"تم اور کون؟" سوں سوں کرتی ناک ٹشو سے پونچھتے اس نے کندھے اچکائے۔
"جی نہیں مجھے جوتے نہیں کھانے جس نے محبت کی ہے وہ کھائے۔" سیڑھیاں چڑھتے، اس نے ہری جھنڈی دکھائی۔
"لیکن میں یہ نہیں کر سکتی۔" وہ ریلنگ کے ساتھ کمر لگائے بے بس لہجے میں بولی تھی۔
"تو پھر، ہم دعا کر سکتے ہیں۔" امشال بھی اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی تھی۔
"کیسی دعا؟"
"کہ چاچو کو بھی تم سے محبت ہو جائے۔"

☆☆☆

"ایک بات پوچھوں سچ بتائے گا۔" سوالیہ انداز سوالیہ لہجہ، اس نے سوالیہ نگاہیں اٹھائیں تھیں۔
"تجھے محبت ہو گئی ہے؟"
"یہ تو پوچھ رہا ہے یا بتا رہا ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے ابرو اٹھا کر پوچھا تھا۔
"اندازہ لگا رہا ہوں اور اب تو نہیں بتائے گا تب بھی مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا ہے۔"
"اچھا دوسری طرف کیا حال ہے؟"
"پتہ نہیں۔" اس نے کندھے جھٹکے۔
"اب یہ تو صاف جھوٹ بول رہا ہے ورنہ تو تو بندے کے اندر تک جھانک لینے کا فن رکھتا ہے آخر پولیس والا ہے چل نام ہی بتا دے جگر؟" لقمان حیات نے بائیں آنکھ ذرا سی دبا کر پوچھا، شاہ میر نے اسے اچھا خاصا گھورا تھا۔
"تمہارے یہ خالص لوفروں والے انداز

دیکھ کر میں نے کسی دن تمہیں لاک اپ میں بند کر دینا ہے۔"

"ہاں جی آپ کر سکتے ہیں مگر میں ملنے والا نہیں ہوں، نام تو بتا دوں۔"

"کس کا؟"

"ایس پی شاہ میر احتشام صاحب آپ کس سے بھاگ رہے ہیں؟" نعمان آگے ہوا اور براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تھا۔

"نعمان حیات صاحب ہم بھاگنے والوں میں سے نہیں ہیں۔"

☆☆☆

امشال اس کے ساتھ شاپنگ پر جا رہی تھی اس نے اپنے ساتھ خوشی کو بھی گھسیٹ لیا تھا۔

"چوائس کرنے میں آسانی رہے گی۔" اور اب جب وہ لوگ گاڑی نکالے کھڑے تھے امشال کو یاد آیا تھا وہ اپنا بیگ تو اندر ہی بھول آئی ہے۔

"میں ابھی لے کے آتی ہوں۔" وہ الٹے قدموں بھاگی تھی، پیچھے وہ دونوں کھڑے رہ گئے تھے۔

"خوش بخت ابراہیم خوش تو ہیں؟" شاہ میر نے سینے پر بازو باندھتے پوچھا تھا۔

"ہوں بہت۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی اور وہ ہنستے ہوئے وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ شاہ میر جیسے بندے کی نظریں بھی چند ثانیے کو ٹھہر سی گئی تھیں اور اپنے آپ پر جمی شاہ میر کی نظریں اس کے چہرے کو گلابی پن عطا کر گئی تھی، اس کی پلکیں پہلے لرزیں پھر جھکیں، شاہ میر نے مسکراتے ہوئے نظریں پھیر لی تھیں۔

☆☆☆

شام ڈھلے
نمناک سڑک پر
برف سی رنگت والی لڑکی
کس کا رستہ دیکھ رہی ہے
پوچھوں میں کیا کھڑکی کھول کر
کھو دے گی وہ نین چرا کر
دنیا کتنا شک کرتی ہے
کان کا بالا ڈھونڈ رہی ہوں

وہ عمر اور حدید کو پڑھا کر نکلی تو کالونی سڑک پر چہل قدمی شروع کر دی تھی جب امشال نے پیچھے سے آکر یہ نظم پڑھی، اس نے گھورا۔

"خوشی چاچو لیٹ آنے کا کہہ کر گئے ہیں۔" شرارت بھرے لہجے میں امشال نے کہا تو اس کے گھورنے میں شدت آگئی تھی۔

"میرے پاس ایک آئیڈیا ہے؟" کچھ دیر خفگی سے اسے دیکھتے رہنے کی بعد وہ آگے بڑھی تھی جب امشال نے کہا تھا۔

"کیا؟"

"یار اگر مما چاچو سے شادی کی بات کریں، اس طرح ہمیں ان کے دل کی خبر تو ہو جائے گی۔"

"اور اگر انہوں نے کسی اور کا نام لے لیا تو؟" اس کے لہجے میں ہزاروں خدشے تھے۔

"تو تمہاری قسمت مگر اب بلی کو تھیلے سے باہر آجانا چاہیے۔"

☆☆☆

سفید فراک چوڑی پاجامہ کھلے ہوئے سیاہ ریشمی بال اور ہلکا سا میک اپ، وہ امشال کی برتھ ڈے پر جانے کے لئے تیار تھی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو بیٹا۔" تائی جان نے کہا وہ ہوش ہوتے ہوتے بچی تھی، ابو نے آگے بڑھ کر سینے سے لگایا، پیشانی چومی اور دعا دی تھی۔

"یہ پرستان کی پری ہمارے گھر کیسے آ

گئی؟" ناشر بھائی کی شرارتی آواز نے اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی، بلیک ٹو پیس میں انتہا کے ہینڈسم اور بلا کے ڈیشنگ لگتے شاہ میر کی نظریں اس پر اٹھی تھیں اور پھر ٹھہر گئیں تھیں، ٹھٹک گئیں تھیں اور پھر پوری تقریب میں وہ اس کی نظروں کے حصار میں رہی تھی۔

☆☆☆

رات آدھی سے زائد بیت چلی تھی اور وہ کافی کا مگ ہاتھ میں لیے کھلی کھڑکی سے نظر آتے چاند پر نگاہ جمائے کھڑا تھا، اس کی آنکھوں میں چمک تھی اور لبوں پر مسکراہٹ بالآخر محبت نے اس کے دل پر دستک دے دی تھی اور اس نے دروازہ کھول دیا تھا اور محبت پورے استحقاق سے تخت دل پر براجمان تھی۔

"ہم تو اڑتی چڑیا کے پر گننے والوں میں سے ہیں جناب!" گرم گرم چائے کا بڑا سا گھونٹ لے کر نعمان حیات نے اپنی شان میں قصیدہ پڑھا تھا۔

"کہا تھا ناں تجھے محبت ہو گئی ہے۔" نعمان کی بات پر اس نے مسکراتے ہوئے سر جھکا تھا۔

"پتہ نہیں یار یہ محبت ہے یا کیا مگر اس لڑکی کی آنکھوں میں آنے والے آنسو میرے اندر بے چینی بھر دیتے ہیں میرا دل انہیں اپنی پوروں پر سمیٹ لینے کو بیقرار ہونے لگتا ہے، اس کے لبوں پر آنے والی ہنسی یہاں میرے اندر خوشی بھر دیتی ہے اور میرا دل چاہنے لگتا ہے کہ میں اس جہاں کی ساری خوشیاں اس کے آنچل میں باندھ دوں۔" وہ اپنے محسوسات اپنے جگری یار سے شیئر کر رہا تھا وہ مسکراتے ہوئے سن رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے چائے چھان کر کپوں میں ڈالی کپ ٹرے میں سیٹ کیے ٹرے اٹھائی اور تایا جان کے کمرے کی طرف بڑھی تھی جہاں آج محفل جمی ہوئی تھی، ایک ہاتھ سے ٹرے سنبھالتے دوسرے سے ناب گھماتے وہ دروازہ کھول کر اندر جانے لگی تھی جب اندر سے آنے والی آواز نے اسے وہیں ساکت کر دیا تھا۔

☆☆☆

"خوشی! آؤ ناں؟" ہاتھ میں تھمی چیز سرعت سے دراز میں ڈالتے اس نے اسے آنے کی دعوت دی تھی، وہ بہت آہستگی سے چلتی اندر آ گئی تھی نجانے کیا بات تھی کہ دونوں کی آنکھیں گلابی تھیں، دونوں کی آنکھیں نم تھیں، دونوں ہی رتجگے کا شکار لگ رہے تھے دونوں ہی کے چہرے ستے ہوئے مرجھائے ہوئے اداس اور مغموم تھے، وہ اسے اندر بلا کر اب بولنا بھول گیا تھا، وہ اندر آ کر بولنا بھول گئی تھی، دونوں خاموش تھے، آمنے سامنے تھے۔

"ابو میری شادی شہزاد کے ساتھ طے کر رہے ہیں۔" بہت دیر بعد اس کے لبوں سے الفاظ برآمد ہوئے تھے۔

"اچھا یہ تو بہت گڈ نیوز ہے یار۔" وہ مسکرایا اور بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

"مگر میرے لئے گڈ نہیں ہے۔" وہ سامنے رکھی کرسی پر ٹکی تھی۔

"کیوں؟" بیڈ پر بچھی بیڈ شیٹ کے ڈائزین پر نگاہیں جمائے اس نے پوچھا تھا۔

"کیونکہ مجھے شہزاد سے شادی نہیں کرنی۔" اس نے اس کے چہرے پر نگاہ جما کر جواب دیا تھا، اس کے منہ سے ایک بار پھر وہی کیوں نکلا تھا، وہ چند سیکنڈز کے لئے چپ ہوئی تھی پھر گہری سانس لے کر سیدھی ہوئی تھی۔

"کیونکہ مجھے آپ سے شادی کرنی ہے اور اس کیوں کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ سے محبت

کر.....“

”شٹ اپ۔“ وہ کھڑا ہوتا چیخا تھا۔

”بکواس بند کرو سٹوپڈ لڑکی۔“ اس کا چہرا سرخ ہو رہا تھا۔

”شاہ میر میں واقعی آپ سے محبت کرتی ہوں اور.....“

”میں نے کہا ناں چپ ہو جاؤ.....اور..... گیٹ لاسٹ فرام ہیر۔“

”شاہ میر!“ دکھ کی زیادتی، آنسوؤں کی روانی، اس کی نظروں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔

”آئی سے آؤٹ۔“ رخ موڑے اس نے سخت آواز میں کہا تھا، وہ چند لمحے بھیگی آنکھوں سے اس کی پشت کو دیکھتی رہی تھی پھر پلٹی اور بھاگی، دروازے سے اندر آتی امشال اور شبانہ حیران کھڑی تھی۔

”شاہ میر تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ شبانہ نے تاسف بھری آواز میں اسے احساس دلانے کی کوشش کی تھی۔

”پلیز بھابھی۔“ اس کا دماغ خراب ہو چکا ہے درست کرنا ضروری تھا۔

”چاچو وہ محبت کرتی ہے آپ سے؟“ امشال نے دکھ بھرے انداز میں کہا تھا۔

”شٹ اپ امشال، ایک اس کا دماغ خراب ہو چکا ہے اور تم بجائے درست کرنے کے الٹا اس کا ساتھ دے رہی ہو۔“

”جی، کیونکہ میں جانتی ہوں وہ غلط نہیں ہے۔“

”خوشی بہت اچھی لڑکی ہے شاہ میر۔“ اب کی بار تاثیر بھائی اسے سمجھانے چلے آئے تھے۔

”دنیا میں بہت ساری اچھی لڑکیاں ہیں لالہ کیا میں سب سے شادی کر لوں۔“ وہ جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہتے اس نے ان کی طرف دیکھا تھا۔

”ہاں مگر خوشی.....“ انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔

”مجھے اس سے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔“ وہ ٹوک انداز میں اس نے کہا تھا، (اگر ایسا ہی ہے شاہ میر تو تم مجھ سے نظریں کیوں چرا رہے ہو۔)

☆☆☆

”امشال آؤ کوئی کام تھا۔“ وہ کمپیوٹر پر بزی تھا جب امشال نے اجازت طلب کی۔

”کیا میں اب آپ کے پاس صرف کسی کام کے لئے ہی آسکتی ہوں۔“ اس نے یاسیت سے پوچھا تھا۔

”آؤ۔“ وہ کام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”ایک بات پوچھوں۔“ اس نے شاہ میر کے سنجیدہ سے چہرے پر نگاہ ڈالی۔

”پوچھو۔“

”خوشی میں کیا کمی ہے؟“

”اس میں کوئی کمی نہیں ہے۔“ جواب دے کر وہ پھر سے کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”تو پھر آپ اس کے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں، وہ واقعی آپ سے محبت کرتی ہے، پلیز چاچو آپ ایک بار تو سوچیں۔“

”تمہاری بات اگر ختم ہو گئی ہے تو پلیز جاؤ مجھے کام کرنا ہے۔“ امشال نے بے یقین نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

☆☆☆

”تم۔“ وہ ایک بار پھر سوالی بن کر اس کی چوکھٹ پر کھڑی تھی۔

”آؤ۔“ اس نے اجازت دے دی تھی، اجڑی بجڑی حالت میں کھڑی وہ اندر آگئی تھی۔

"آپ سے ایک بات پوچھنے آئی ہوں بس پہلی اور آخری بار بس اس کے بعد میں کبھی آپ کو تنگ نہیں کروں گی کبھی آپ کے راستے میں نہیں آؤں گی میں شہزاد کے ساتھ ہنسی خوشی شادی کر لوں گی بس مجھے صرف ایک بات کا جواب دے دیں، کیا آپ واقعی مجھ سے محبت نہیں کرتے؟" بہت تیزی سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس نے پوچھا تھا۔

"میں واقعی تم سے محبت نہیں کرتا خوشی۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں، اگر آپ سچ بول رہے ہوتے تو یہ بات اپنے جوتوں پر نظر جما کر نہیں میری آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہے ہوتے۔" اس نے جھنجلاتے لہجے میں کہا تھا وہ آہستگی سے قدم اٹھاتا اس کے مقابل آ ٹھہرا تھا اور اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر جمادی تھیں۔

"خوش بخت ابراہیم میں شاہ میر احتشام واقعی تم سے محبت نہیں کرتا، میرے دل میں تمہارے لئے رتی برابر بھی جگہ نہیں ہے، بس یا کچھ اور۔" وہ کہہ کر پلٹ گیا تھا وہ ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

جو خیال تھے نہ قیاس تھے
وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جو محبتوں کی اساس تھے
وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں مانتا ہی نہیں دل
وہی لوگ ہیں میرے ہمسفر
مجھے ہر طرح سے جو راس تھے
وہیں لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں کر سکا نہ میں قبول
وہی لوگ ہیں میرے ہمسفر
جو میری طلب میری آس تھے
وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

"ہاں" ہوتے ہی شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھی، ابھی بھی باہر خوشی کے، شادی کے گیت گائے جارہے تھے اور بند کمرے میں وہ تنہا اپنے دل کے لٹنے کا ماتم کر رہی تھی، چوٹ بہت گہری تھی اور درد حد سے سوا تھا، کچھ تکلیفیں کسی کو دکھائی نہیں جا سکتی کسی سے بانٹی نہیں جا سکتی، انہیں اکیلے ہی جھیلنا پڑتا ہے، ان پر اکیلے ہی رویا جاتا ہے اور پھر زندگی وہ نہیں ہوتی جو ہم چاہتے ہیں، زندگی وہ ہوتی ہے جو ہم گزار رہے ہوتے ہیں۔

تائی اماں نے اسے شہزاد کے ساتھ ویڈنگ ڈریس لینے بھیجا تھا، وہ آ تو گئی تھی مگر خاموش چپ چاپ، اداس۔

"تم ٹھیک تو ہو ناں خوشی؟" شہزاد کے لہجے میں فکرمندی تھی۔

(ایک میں ہی تو ٹھیک ہوں باقی تو کچھ بھی ٹھیک نہیں رہا)۔

"ہاں ٹھیک ہوں۔" سر اثبات میں ہلایا تھا، سرخ رنگ کا عروسی لباس شہزاد نے ہی پسند کیا تھا، اس نے تو بس ایک بار پھر سر ہلایا تھا، شاپنگ ختم کر کے وہ پارکنگ میں آئے تھے جب اس نے بلیک پینٹ پر وائٹ شرٹ پہنے سیاہ گلاسز لگائے شاہ میر کو دیکھا تھا اور اس کے دیکھتے ہی وہ رخ پھیر گیا تھا، اذیت سے وہ لب کاٹتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

"آج تو ٹائم پر پہنچا میں، بہت بھوک لگ رہی تھی۔" جلدی جلدی ہاتھ دھوتے وہ ٹیبل پر پہنچا تھا، تاثیر لالہ، شبانہ اور امثال پہلے سے موجود تھے۔

"تم آج ہاسپٹل کیوں گئے تھے؟" تاثیر کے سوال پر اس کا نوالہ توڑتا ہاتھ رکا تھا۔

''وہ میرا ایک دوست ایڈمٹ تھا وہاں۔''
''کون سا دوست؟''
''ہارون جمال۔''
''اچھا، چلو کھانا کھاؤ۔'' سر ہلا کر کہتے وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

جگمگ کرتا آغا ہاؤس اس کی نظروں کے سامنے تھا، روشنیاں، رنگ، قہقہے اور لان میں بنے اسٹیج پر رکھے جھولے پر بیٹھا وجود، جس پر اس کی نظریں جمی تھیں، اس وجود سے لپٹی اداسی اور چہرے پر چھائی اداسی، آنکھوں سے بہت آہستگی سے گرتے آنسو، اس کی سانسیں سینے میں گھٹتی محسوس ہوئی تھی، وہ پلٹا اور اندھیرے ٹیرس پر سے روشن کمرے میں آ گیا تھا، اندر آ کر اس نے بائیں آنکھ کے آنسو کو شہادت کی انگلی سے جھٹکا اور درد اچانک ہی ناقابل برداشت ہوا تھا۔

سولہ سنگھار سے سجی خوش بخت ابراہیم، اس کے سامنے تھی، اشال نے دل ہی دل میں ماشا اللہ کہا تھا تبھی اس نے نظریں اٹھائی تھیں۔

''بہت بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' دقت سے مسکراتے اس نے دل سے کہا تھا، خوشی کی آنکھوں میں شکوہ مچلا، وہ اس کے قریب آئی۔

''خوشی ہم جو چاہتے ہیں ہمیں نہیں ملتا پر جو ملتا ہے ناں ہمارے لئے وہی بہتر ہوتا ہے۔''

اسٹیج پر قدم رکھتے ہی اسے انتہائی زور کا چکر آیا تھا، سامنے کی رو میں بیٹھے شاہ میر احتشام نے بے اختیار ہی خود کو کھڑے ہوتے پایا تھا، پھر ٹھٹکا۔

''میں ابھی آتا ہوں۔'' ساتھ بیٹھے تاشیر لالہ سے کہہ کر وہ باہر نکل گیا تھا، انہوں نے انتہائی تاسف سے اس کی پشت کو دیکھا اس کی بے چینی اس کا اضطراب ان سے چھپا ہوا کب تھا تبھی ٹیبل پر رکھا اس کا سیل بجنے لگا تھا انہوں نے چونک کر پہلے سیل کو پھر دروازے کو دیکھا اور پھر سیل آن کر کے کان سے لگا لیا تھا۔

''ہیلو مسٹر شاہ میر احتشام، آپ کی رپورٹس ریڈی ہیں آپ شام پانچ بجے تک لے جا سکتے ہیں۔'' دوسری طرف سے آتے والی آواز انہوں نے بہت اچنبھے سے سنی تھی۔

''رپورٹس؟''

وہ دھڑکتے دل کے ساتھ ڈاکٹر شیر علی کے روبرو بیٹھے تھے، ڈاکٹر علی شیر بغور رپورٹس کے معائنے میں مصروف تھے۔

''یہ رپورٹس؟'' چشمہ اتار کر انہوں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

''میرے بھائی کی ہیں۔'' انہوں نے بے چین نظروں سے ڈاکٹر کے چہرے کو دیکھتے بتایا تھا۔

''او آئی سی۔''
''سب خیریت تو ہے ناں ڈاکٹر۔''
''آپ کے لئے گڈ نیوز نہیں ہے۔'' ڈاکٹر علی شیر نے ان کے چہرے سے چھلکتے اضطراب کو دیکھتے دھیما لہجہ اختیار کیا۔

''انہیں برین ٹیومر ہے اور لاسٹ اسٹیج پر ہے۔''

وہ بہت ہارے ہوئے انداز میں ہاسپٹل سے نکلے تھے، ان کا دل دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہ رہا تا وہ بمشکل ضبط کر پا رہے تھے۔

''تاشیر بھائی، آپ یہاں خیریت تو ہے شاہ میر ٹھیک ہے ناں؟'' وہ پارکنگ میں تھے جب نعمان کی نظر ان پر پڑی تھی، وہ فوراً ان کی طرف لپکا تھا اور جس طرح اس نے پوچھا تھا۔

''تو تم جانتے تھے۔'' انہوں نے رپورٹس والا لفافہ اس کے سامنے کرتے پوچھا اس نے سر جھکا کر آنسو روکے تھے یا چھپائے تھے۔

"کیوں کیا اس نے ایسا نعمان؟" وہ پوچھتے ہوئے رو پڑے تھے۔

"وہ آپ سب کو تکلیف سے بچانا چاہتا تھا اور ساری تکلیفیں خود سہتا رہا سارے درد خود برداشت کرتا رہا۔" ان کا دل پھٹنے لگا تھا، غم کی شدت سے۔

وہ شکست خوردہ سے گھر لوٹے تھے۔

"کہاں تھے آپ؟ اور فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے، آپ کو اندازہ بھی ہے ہم کتنے پریشان تھے۔" شبانہ انہیں دیکھتے ہی ان کی طرف لپکیں تھیں، پھر ان کا چہرا دیکھ کر ٹھٹک گئیں تھیں۔

"تاشیر سب خیرت ہے ناں؟" جواباً وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیے تھے۔

ساری بات ان کی زبانی سن کر رپورٹس دیکھ کر سب سے پہلے امشال روتے ہوئے اس کے کمرے کی جانب بھاگی تھی، وہ دونوں بھی اس کے پیچھے تھے، امشال نے دروازہ کھولا کمرے کے وسط میں رکھے بیڈ پر وہ سکون سے آنکھیں موندے لیٹا تھا، اس کے وجیہہ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، سیاہ بال پیشانی پر بکھرے تھے اور بلا کا اطمینان اس کے سارے وجود سے چھلک رہا تھا، وہ تینوں بھاگ کر اس تک پہنچے تھے مگر دیر ہو چکی تھی، جانے والے کو جلدی تھی جانے والوں کو جلدی ہی ہوا کرتی ہے اور وہ بھی جا چکا تھا۔

☆☆☆

"امشال مجھے اپنے چاچو کو معاف کر دینا بیٹا، میں نے تمہارا بے حد دل دکھایا، زندگی میں ایسے بہت سارے کام ہوتے ہیں جو ہم کرنا نہیں چاہتے مگر پھر بھی ہمیں کرنا پڑتے ہیں اور معافی تو مجھے اس سے بھی مانگنی تھی پر مانگوں کا نہیں، نجانے کیوں دل چاہ رہا ہے وہ تا عمر مجھے معاف نہ کرے اور روز محشر میں اس سے مجرم کی حیثیت سے ملوں اور وہ جو چاہے سزا دے، خبر نہیں کب اور کیسے مگر اس کی محبت نے دل میں اپنا بسیرا کر لیا، مگر یہ اعتراف اسے تھما کر بیچ راہ میں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا، اس کی راہ کھوٹی نہیں کرنا چاہتا تھا، اگر ایسا کرتا تو اتنے سکون اور آسانی کے ساتھ اپنے اگلے سفر پر کیسے روانہ ہو پاتا، ہاں البتہ آج یہ اطمینان ساتھ لے کر جا رہا ہوں کہ وہ ایک اچھے اور محبت کرنے والے شخص کے ساتھ ہے اور مجھے یقین ہے یہ ساتھ اسے بہت جلد ہی میری یاد بھلا دے گا۔" گلابی کاغذ پر لکھی تحریر کب کی ختم ہو چکی تھی، مگر اس کی آنکھوں سے اب بھی آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔

"وہ آپ کو کیسے بھول سکتی ہے چاچو، آپ نے اسے عزت سے جینا اور محبت سے جینا سکھایا ہے۔" وہ دل ہی دل میں اس کی شبیہ سے مخاطب تھی آنسو اب بھی گر رہے تھے۔

☆☆☆

شادی کا وظیفہ

گیارویں اور بارویں روزے کی درمیان رات کو بعد نماز عشاء تراویح کے نفل پڑھے، نفل شروع کرنے سے پہلے 11 مرتبہ درود ابراہیمی نفل بارہ رکعت چھ سلام کے ساتھ ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد 12 مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھیں اور ہر دو نفل کے بعد ایک تسبیح درود ابراہیمی، اس کے بعد بچی کا نام لے کر دعا مانگیں۔

شازیہ حسان

''ندا آپ چائے کیوں نہیں لے رہیں؟'' رمشہ نے اس کی توجہ چائے کی طرف دلاتے ہوئے کہا اور خود کچن میں چلی گئیں۔

''اُف یہ رمشہ بھی نہ بس...... آخر اتنا اہتمام کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''کیوں ضرورت نہیں تھی آخر کو تم میری پیاری بھانجی ہو اور پہلی مرتبہ آئی ہو۔'' زینت خالہ نے ایک پیار بھری نظر اس پہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''وہ تو میں ہوں۔'' ندا نے سر خالہ کے شانے پہ رکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ طارق کا رویہ کیسا ہے تمہارے ساتھ؟'' خالہ نے اسے کھوجتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بہت اچھا ہے خالہ۔''

''اور تمہاری ساس؟''

''وہ بھی بہت اچھی ہیں۔'' ندا نے ایک مان کے ساتھ کہا۔

اور اس مان کی چمک اس کی آنکھوں میں بھی نظر آ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں خوشی کے ہلکورے دیکھ کر زینت خالہ کی آنکھوں میں عجیب سا دکھ در آیا۔

''بس بیٹا قسمت کے کھیل ہی نرالے ہوتے ہیں۔'' خالہ نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''اچھا خالہ چھوڑیں ناں، آپ یہ بتائیں رمشہ بھابھی کا رویہ کیسا ہے آپ سب کے ساتھ؟'' جی تو اس کا اس وقت چاہ رہا تھا صاف پوچھے کہ اب رمیز خوش ہے ناں، مگر اس نے اپنے دل کی اس خواہش کو دبایا اور سب کا پوچھ لیا۔

''ہاں سب کے ساتھ تو اس کا رویہ ٹھیک ہے، پر جہاں تک بات ہے رمیز کی تو اسے یہ محترمہ صاف طور پہ نظر انداز کر کے خود کو گھر کے کاموں میں الجھائے رکھتی ہے، میرے بیٹے کی آنکھوں میں تو شادی کی کوئی خوشی ہی نہیں ہے، وہ تو ایک کماؤ مشین بن کے رہ گیا ہے، میں تو سوچتی تھی کوئی گوری چٹی پڑھی لکھی بہو لاؤں گی تو میرے گھر کا آنگن بھی مہک اٹھے گا پر مجھے کیا پتہ تھا کہ میں تو اپنے رمیز کی زندگی ہی ویران کر دوں گی۔'' خالہ اسے درد بھرے لہجے میں بتانے لگیں، اسی وقت رمشہ سینڈوچ کی پلیٹ لئے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو خالہ خاموش ہو گئیں۔

چونکہ کچن گھر کی دوسری سائیڈ پہ تھا اس لئے یہ دونوں اطمینان سے باتیں کر رہی تھیں، اسی وقت رمیز ڈرائنگ روم میں داخل ہوا ندا کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

ندا نے جلدی سے سلام کیا تو اس نے سر کو تھوڑا سا خم کر کے سلام کا جواب دیا، اس نے اپنا بیگ کارپٹ پہ رکھا اور وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کیا بات ہے آج جلدی آ گئے؟'' خالہ نے رمیز سے دریافت کیا۔

''ہاں اماں طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لئے ہاف لیو لے لی۔''

''اچھا بیٹا پھر چائے تو لو ناں۔'' خالہ نے چائے کی پیالی اس کی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔

''لوں گا اماں۔'' رمیز نے صوفے کی پشت پر آنکھیں موند کر سر ٹکاتے ہوئے کہا۔

''تم کیسی ہو؟ اور آج ہم کیسے یاد آ گئے؟'' رمیز نے اس سے پوچھا، ندا نے دیکھا اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں، اسے محسوس ہوا جیسے رمیز کے چہرے پہ بے پناہ تھکن ہو۔

''بہت اچھی۔'' ندا نے صرف دو ہی لفظوں میں اپنا تمام حال رمیز کو کہہ سنایا جسے سن کر رمیز

کے چہرے پر ایک زخمی مسکراہٹ دوڑ گئی۔
اسی وقت ندا کے موبائل کی بیل ہوئی تو اس نے لیس کا بٹن پش کیا اور کہا۔
"جی طارق!" طارق کا نام سن کر رمیز کے چہرے پر تحقیر کا تاثر در آیا، جسے دیکھ کر ندا کے چہرے پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ چھا گئی۔
"جی میں آ رہی ہوں۔" ندا نے یہ کہہ کر موبائل بیگ میں ڈالا اور بولی۔
"اچھا خالہ اب میں چلتی ہوں طارق باہر میرا ویٹ کر رہے ہیں۔"
"یہ کیسے ہوسکتا ہے، طارق اب ہمارا داماد ہے اسے گھر کے اندر آنا چاہیے۔" خالہ ایک دم جذباتی ہو کر بولیں۔
رمشہ بھابھی جو خالہ کے ساتھ ہی بیٹھیں تھیں افسوس بھرے لہجے میں بولیں۔
"ندا تم نے چائے تک بھی نہیں لی اور جا رہی ہو۔"
"اُف او بھابھی اگلی مرتبہ میں اور طارق اکٹھے آئیں گے اور آپ کے اور خالہ کے تمام شکوے دور کر دیں گے۔"
"خالہ اپنا بہت خیال رکھیے گا، رکھیں گی ناں؟" اس نے خالہ سے گلے ملتے ہوئے پیار بھری دھونس جمائی۔
پھر اس نے سب کو خدا حافظ کہا اور رمشہ بھابھی اسے دروازے تک چھوڑنے آئیں۔

☆☆☆

ندا کے ابو ایک مزدور تھے اور ماں ایک عام سی گھریلو خاتون، ندا کے بعد اس کے دو چھوٹے بھائی آذر اور ولید تھے۔
غربت کے باعث والدین ندا کو صرف میٹرک تک ہی تعلیم دلوا سکے، جبکہ آذر اور ولید اپنی تعلیم جاری رکھے ہوئے تھے ندا کی منگنی بچپن میں ہی اس کے خالہ زاد رمیز سے ہو چکی تھی، جیسے ہی رمیز ایک بینک میں منیجر کے عہدے پر فائز ہوا تو ندا کی ماں فاطمہ نے شادی کی تیاریاں شروع کر دیں، جبکہ زینت خالہ اور رمیز دونوں ہی اب اس رشتے پر راضی نہیں تھے، کیونکہ ندا گندمی رنگت والی عام سے نقوش کی مالک تھی۔
ایک دن زینت خالہ نے فاطمہ کو فون کیا اور کہا کہ رمیز کسی گوری رنگت والی اور زیادہ پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے، جبکہ ندا کے اندر یہ دونوں خوبیاں نہیں ہیں اس لئے میں اسے اپنی بہو نہیں بنا سکتی یوں ندا کا رشتہ ٹوٹ گیا۔
اور آخر کار زینت خالہ کو وہ چاند مل گیا جس نے ان کے آنگن کو چمکانا تھا وہ چاند رمشہ بھابھی تھیں۔
خالہ نے ان کے بھدے سے نقوش کو نظر انداز کر دیا اور ان کی گوری رنگت ضرور دیکھ لی، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اچھے خاصے امیر گھرانے سے تعلق رکھنے والی رمشہ سے انہوں نے فوراً رمیز کا رشتہ طے کر دیا۔
مگر شادی سے پانچ دن قبل ہی رمشہ صاحبہ اپنے کسی فرینڈ کے ساتھ بھاگ گئیں، پورے خاندان میں شادی کے کارڈ بٹ چکے تھے اب خالہ کی عزت پر بن گئی تھی۔
ایسے میں خالہ کو ایک نئی راہ سجھائی دی اور وہ جا کر فاطمہ کو ندا کے رشتے کے لئے راضی کرنے لگیں۔
مگر ندا نے خود اس رشتے سے انکار کر دیا، حالانکہ رمیز نے خود جا کر ندا کی منتیں کیں مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔
اور پھر دو دن بعد رمشہ مل گئی تو خالہ نے اپنا بھرم رکھنے کے لئے اسے ہی اپنی بہو بنا لیا، اب رمیز اور رمشہ دونوں ہی ایک دوسرے کی شکل

دیکھنے کے روادار نہ تھے اور خالہ کو الگ اپنی بھانجی کو ٹھکرانے کا ملال تھا اور پھر جلد ہی ندا کی طارق جیسے امیر کبیر شخص سے شادی ہو گئی۔

☆☆☆

''زیادہ بولنے والی اور لاپرواہ لڑکی نہ تو کبھی اچھی بہو بن سکتی ہے اور نہ ہی اچھی بیوی۔''

ہاں یہی تو وہ الفاظ تھے جو خالہ نے اسے بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھ کر کہے تھے، بھلا ان الفاظ کی تلخی وہ کیسے بھول سکتی تھی۔

''سوری خالہ جانی میں تو آپ کو اچھی بہو ہونے کا سرٹیفکیٹ نہ دے سکی پر رمعہ نے آپ کو خوب دیا ہے، آپ تھیں ہی اسی قابل۔'' اس نے جیسے سرگوشی کی۔

وہ اس وقت ڈریسنگ کے سامنے کھڑی خود کو شیشے میں دیکھ رہی تھی، اس کے ذہن میں آج سوچوں کا ایک ہجوم تھا۔

اور آج...... آج خالہ کیسے اس کے سسرال کے بارے میں کرید کرید کر پوچھ رہیں تھیں، ایک اور سوچ اس کے ذہن میں ابھری اور ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ چھا گئی، اس نے سرگوشی کی۔

''خالہ جانی نہیں ملال تو میں آپ کی اور رمیز کی آنکھوں میں دیکھنا چاہتی تھی، جیو خالہ جانی، اگر میں اس وقت ہاں کر دیتی تو آپ کا یہ پچھتاوا صرف چند لمحوں کا ہوتا جبکہ میں تو آپ کی ساری زندگی ملال بنانا چاہتی تھی، ویلڈن ندا ویلڈن۔'' اس نے دل ہی دل میں خود کو داد دی۔

اور اس کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی۔

''کیا سوچ کے مسکرایا جا رہا ہے؟'' کمرے میں آتے طارق نے اسے اکیلے میں مسکراتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

''آپ کو۔'' جواب ندا کی طرف سے بھی موجود تھا۔

''ہوں تو ہم موجود نہ بھی ہوں تو بھی ہمیں ہی سوچا جاتا ہے؟ اتنی محبت ہے ہم سے؟'' طارق نے اسے اپنے بازوؤں کے مضبوط حصار میں لے کر آئینے میں اس کے پروقار چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مائی ڈیئر تم شاید کبھی بھی نہ جان سکو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔'' ندا نے آئینے میں اس کی آنکھوں میں جھانک کر مکمل اعتماد سے کہا۔

''اچھا جناب! وہ کیسے؟'' وہ اس کے لہجے میں پوچھنے لگا۔

''ہاں ناں، آپ کو تو یہ بھی نہیں پتہ کہ آپ کی آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں اور یہ میرے دل میں کیسے کیسے طوفان برپا کر دیتی ہیں۔'' ندا نے جب اس کی آنکھوں کے بارے میں کہا تو وہ خود بھی آئینے میں اپنی آنکھیں دیکھنے لگا۔

''پتہ ہے ندا مجھے کبھی بھی اپنی آنکھیں اچھی نہیں لگیں لیکن آج جب تم نے کہا ہے تو مجھے لگتا ہے کہ اس دنیا میں سب سے حسین آنکھیں میری ہیں۔'' طارق نے بہت سنجیدگی سے اعتراف کیا تو ندا کے چہرے پہ مسکراہٹ چھا گئی۔

اور اس نے ایڑھیوں کے بل کھڑے ہو کر طارق کی آنکھوں کو چوم لیا، اس وقت ندا کی اپنی آنکھیں بند تھیں اور اس کے تصور میں طارق کی بھوری باہر کو ابلی ہوئی آنکھیں نہیں بلکہ رمیز کی کالی چمکدار آنکھیں تھیں۔

اور سچ تو یہ بھی تھا کہ خالہ اور رمیز کی ساری زندگی کو پچھتاوا بنانے کا ملال تو اسے بھی تھا، آخر کو اس نے رمیز سے محبت کی تھی۔

ہر روز نوچ کر زخم نیا کر دیتا ہوں
اک بہانہ ہی سہی کوئی یاد تو آئے

☆☆☆

شگفتہ شاہ

مال غنیمت مال اور

اس سماج میں کچھ عورتوں کو مال غنیمت سمجھ کر مرد ان سے قدم قدم پر فلرٹ کرنے کی تاک میں رہتے ہیں اور پستیوں میں گراتے ہیں، اسی سماج میں دوسری عورتوں پر مال خرچ کر کے ان سے شادی کر کے انہیں اونچا مقام دیا جاتا ہے۔

☆☆☆

کہہ دو

''سوری!''

''مجھے بہت افسوس/دکھ ہوا۔''

''آپ کی دل آزاری ہوئی۔''

''پریشان کیوں ہو؟ میں ہوں ناں۔''

''چلو، وقت نکالیں اور بیٹھ کر اس مسئلے کا حل نکالتے ہیں۔''

''تھینکس۔''

''اپنا خیال رکھنا۔''

''تم مجھے بہت عزیز ہو۔''

کتنے چھوٹے چھوٹے فقرے ہیں اور بظاہر عام مگر رشتوں اور تعلقات کو جوڑنے کے لئے بے حد اہم ہیں یہ سارے، مگر صد افسوس ہم میں سے اکثر لوگ محض اپنی انا اور ضد کی خاطر ان کا استعمال کرنا قصر شان سمجھتے ہیں اور اکثر اس وجہ سے اپنے قریبی رشتوں اور تعلقات کو توڑ دیتے ہیں اور اپنی اور دوسروں کی زندگی مشکل بنا دیتے

رشتہ چاہیے

''لڑکی ڈاکٹر یا لیکچرار ہونی چاہیے، بھئی کیا کریں آج کل کے دور میں میاں بیوی مل کر ہی گھر کا خرچہ اٹھا سکتے ہیں۔''

''یہ دیکھیں ایک ڈاکٹر ہے اور ایک لیکچرار۔''

''ارے یہ تو پکی عمر کی لگتی ہے، لڑکی کی عمر بیس بائیس تک ہونی چاہیے بھئی۔''

''بیس بائیس برس کی عمر میں لڑکی نہ تو ڈاکٹر ہو سکتی ہے نہ ہی لیکچرار بھئی، اچھا یہ تصویر دیکھیں۔''

''نہ بھئی یہ تو قد کی بہت چھوٹی ہے۔''

''رنگ سانولا ہے۔''

''لڑکی موٹی ہے، کوئی دھان پان اور نازک سی ہونی چاہیے۔''

''صرف گوری ہے تیکھے نقش تو ہے نہیں۔''

''ارے یہ تو دیکھنے میں ہی آفت کا پرکالہ لگتی ہے، لڑکی سیدھی سادھی ہونی چاہیے اور سگھڑ بھی۔''

''معاف کیجئے گا دنیا میں کوئی ایسی لڑکی شاید ہی ہو جس میں وہ تمام خوبیاں یکجاں ہو جو آپ نے بتائی ہے، ویسے آپ کا لڑکا کیا کرتا ہے۔''

''اپنا کاروبار ہے ماشاءاللہ۔''

''کیسا کاروبار؟''

''اپنی جوتوں کی دکان پر بیٹھتا ہے خیر سے۔''

''اوہ..... یہ تو گنجے اور پکی عمر کے دکھتے ہیں۔''
''ہاں جی وقت سے پہلے بال ذرا کم ہو گئے ہیں اور عمر بھی بڑی نہیں۔''
''رنگ بھی پکا دکھتا ہے، قد بھی چھوٹا ہے۔''
''ارے تو لڑکوں کا نین نقشہ اور قد کاٹھ تھوڑی دیکھا جاتا ہے، کماؤ پوت ہو یہی کافی ہے۔''
''اور آپ کے خیال سے لڑکیاں نہ ہوئیں قربانی کا بکرا ہوئی جو ٹھونک بجا کر دیکھیں اور دانت تک گنے جائیں بیچاری کے۔''

☆☆☆

انا

ساری جوانی دونوں میاں بیوی نے اپنی انا اور انتظار کے بھینٹ چڑھا دی، بات فقط یہ تھی کہ۔
وہ ناراض ہو کر میکے آئی تو چاہا کہ وہ اس کی ناراضگی کو ختم کرے اور اسے آ کر اپنے ساتھ اپنے گھر لے جائے۔
وہ کہتا تھا کہ کیوں مناؤں، میں نے نہیں نکالا تھا، خود گئی تھی اور خود ہی اپنے گھر واپس چلی آئے۔
اور..... ان کے بچے ان کے بیچ ماں باپ کے ایک ساتھ ہونے اور سب ساتھ ہونے کی خواہش میں بچپن کی خوشیوں اور لاڈ پیار سے محروم ہی رہے۔

☆☆☆

ایک خط ماں اور باپ کی طرف سے

(ماخوذ)

میرے بچو!
جب ہم بوڑھے ہو جائیں۔
ہمیں امید ہے کہ تم ہماری کیفیتوں کو سمجھو گے اور صبر سے کام لو گے۔
جب ہم سے کوئی پلیٹ ٹوٹ جائے۔
یا ہم کھانے کی میز پر شوربہ گرا دیں۔
کیونکہ اب ہماری نظر کمزور ہو چکی ہے۔
ہمیں امید ہے کہ تم ہم پر چیخو گے اور چلاؤ گے نہیں۔
کیونکہ بوڑھے لوگ بہت حساس ہوتے ہیں اور سب کے سامنے بے عزت ہونے سے شرم سے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔
اب ہمیں سنائی بھی کم دیتا ہے اس لئے اکثر تمہاری باتیں سمجھ نہیں پاتے۔
مجھے امید ہے کہ تم ہمیں ''بہرے'' کہہ کر نہیں پکارو گے۔
اور جو بھی کہا اسے دہرا دیا کرنا یا پھر لکھ کر دے دینا۔
ہمیں افسوس ہے کہ ہم بوڑھے ہو گئے ہیں۔
ہمارے گھٹنے بہت کمزور ہو گئے ہیں۔
اس لئے امید ہے کہ تم ہمیں سہارا دے کر اٹھنے میں ہماری مدد کرو گے۔
بالکل اس طرح جیسے تمہارے بچپن میں ہم تمہیں سہارا دے کر چلنا سکھاتے تھے۔
برائے مہربانی ہمیں برداشت کر لینا۔
جب ہم باتوں کو بار بار دہرانے لگیں۔
بالکل کسی ٹوٹے ہوئے ریکارڈ کی طرح۔

ہمیں امید ہے کہ تم صبر سے ہماری ان باتوں کو سنو گے اور ہمارا مذاق نہیں اڑاؤ گے۔
نہ ہی ہماری باتیں سننے سے تھکو گے
کیا تمہیں یاد ہے، جب تم چھوٹے تھے۔
اور کھلونوں کے لئے ضد کیا کرتے تھے؟
تم بار بار اپنی ضد کو دہراتے تھے۔
تب تک...... جب تک تمہیں وہ کھلونے مل نہیں جاتے تھے۔
معاف کرنا، اب ہم میں سے تمہیں بو آئے گی۔
مگر ہمیں نہانے پر مجبور مت کرنا۔
کیونکہ اب ہم بہت لاغر ہو گئے ہیں۔
اور ہمیں بہت جلد ٹھنڈ لگ جاتی ہے۔
کیا تمہیں یاد ہے، جب تم چھوٹے تھے؟
ہم تمہارے پیچھے پیچھے پھرتے تھے کیونکہ تم نہانے سے گھبراتے تھے؟
ہمیں امید ہے کہ جب ہم جھکی بن جائیں گے تو تم ہم سے درگزر کرو گے۔
کیونکہ بوڑھے لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے
اور یہ بات تم تب سمجھو گے جب خود بوڑھے ہو جاؤ گے۔
اگر تمہیں کچھ وقت ملے تو ہم سے باتیں کرنا چاہے تھوڑی دیر ہی سہی۔
کیونکہ باقی وقت تو ہم صرف اپنے آپ سے ہی باتیں کرتے رہتے ہیں۔
کیونکہ ہم سے بات کرنے والا کوئی بھی نہیں ہوتا۔
ہمیں معلوم ہے کہ تم اپنے کاموں میں بہت مصروف ہوتے ہو۔
تب بھی تمہیں ہماری باتوں میں دلچسپی نہ بھی محسوس ہو تو سن لینا۔
تھوڑا سا وقت نکال لینا۔

کیا تمہیں یاد ہے، جب تم چھوٹے تھے؟
ہم گھنٹوں تمہارے کھلونوں کی کہانیاں سنتے تھے۔
جب وہ وقت آ جائے کہ ہم بستر سے بھی نہ اٹھ پائیں۔
ہمیں امید ہے کہ تم صبر سے کام لو گے اور ہمارا خیال رکھو گے۔
معاف کر دینا ہمیں۔
بس آخری لمحوں میں ہمارا خیال رکھنا۔
کیونکہ اب ہماری زندگی بہت کم رہ گئی ہے۔
جب موت ہمارے سر پر آ جائے۔
ہمیں امید ہے کہ تم ہمارے ہاتھوں کو پکڑ کر ہمیں موت کا سامنا کرنے کی ہمت دو گے۔
اور...... پریشان مت ہونا۔
جب ہم آخر کار اپنے مالک سے جا ملے گیں ہم اسے تمہارے بارے میں بتائیں گے۔
اور عرض کریں گے کہ تم پر رحمتیں نازل فرمائے۔
کیونکہ تم نے اپنے ماں باپ کو بہت پیار دیا۔
بہت بہت شکریہ کہ تم نے ہمارا اتنا خیال رکھا۔
ہم تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔
بہت بہت پیار۔
فقط۔
تمہارے امی اور ابو۔

☆☆☆

نعیمہ محمود

اللہ کے لئے محبت کرنے والے

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ایک شخص اپنے ایک دینی بھائی سے ملاقات کے لئے گیا تو اللہ عزوجل نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا۔'' اس نے پوچھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' اس نے جواب دیا۔

''فلاں بھائی سے ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔'' اس نے پوچھا۔

''اس سے کوئی کام ہے؟'' جواب دیا۔

''نہیں۔'' فرشتے نے پوچھا۔

''تمہارے درمیان کوئی رشتہ داری ہے؟'' اس نے کہا۔

''نہیں۔'' پوچھا۔

''اس نے تم پر کوئی احسان کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا۔

''نہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''تو پھر کیوں اس سے ملاقات کر رہے ہوں؟'' اس نے کہا۔

''میں اللہ عزوجل کے لئے اس سے محبت کرتا ہوں۔'' فرشتے نے کہا۔

''اللہ عزوجل نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے اور وہ تمہیں مطلع کرتا ہے کہ وہ (اللہ عزوجل) تم سے محبت کرتا ہے اور اس نے تمہارے لئے جنت واجب کر دی ہے۔''

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا

اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے۔

''لوگ جب برائی کو دیکھیں اور اسے ختم نہ کریں (اس سے منع نہ کریں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب کی لپیٹ میں لے لے۔''

(ابن ماجہ)

حمیرا رضا، ساہیوال

جواہر پارے

☆ جس طرح شبنم کے قطرے مرجھائے ہوئے پھول کو تازگی بخشتے ہیں، اسی طرح اچھے الفاظ مایوس دلوں کو روشنی بخشتے ہیں۔

(حضرت امام حسینؓ)

☆ دوستوں کو کھو دینا غریب الوطنی ہے۔

(حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

ماریہ عثمان، سرگودھا

تندوتیز

☆ پاکستانی طاقت ور ہوتے جا رہے ہیں، بیس سال پہلے سو روپے کا کریانہ اٹھانے کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت پڑتی تھی، آج پانچ سال کا بچہ بھی یہ کام کر سکتا ہے۔

☆ ایک آدمی کے خیالات چرانا ادبی سرقہ ہے، بہت سے آدمیوں کے خیالات چرانا ''تحقیق'' ہے۔

☆ کیا آپ ناخواندہ ہیں؟

امداد حاصل کرنے کے لئے ہمیں خط لکھیے۔
☆ جہاں چاہ، وہاں راہ، اور جہاں راہ، وہاں نہیں نہ کہیں "اسٹاپ" کا سائن بھی ہوگا۔
☆ اچھا کھایئے، ورزش کیجئے، مرنا تو پھر بھی پڑے گا۔
☆ دوسروں کی غلطیوں سے سبق حاصل کیجئے، کیونکہ ساری غلطیاں آپ خود نہیں کر سکتے۔
☆ کمر پر تھپکی اور پشت پر لات کے درمیان صرف چند انچ کا فاصلہ ہوتا ہے۔
☆ واردات کرنے پر مت پچھتایئے، پچھتایئے اس بات پر کہ آپ پکڑے کیوں گئے۔
☆ میرے مکینک نے مجھے بتایا "میں آپ کے بریک ٹھیک نہیں کر سکا، اس لئے میں نے آپ کے ہارن کی آواز زیادہ کر دی ہے۔
☆ میں ہمیشہ جھوٹ بولتا ہوں، بلکہ میں اب بھی تم سے جھوٹ بول رہا ہوں۔
☆ مجھے انسانیت سے پیار ہے لیکن انسان مجھ سے برداشت نہیں ہوتے۔
☆ مرمت کی دکان پر لگا ہوا بورڈ "ہم ہر چیز کی مرمت کر سکتے ہیں" (مہربانی کر کے دستک زور سے دیجئے، بیل خراب ہے)
☆ کمپیوٹر بالکل بے کار چیز ہے، کیونکہ وہ جواب کے سوا اور کچھ نہیں دے سکتے۔

ماروح آصف، خانیوال

بھائی چارہ

ایک شخص حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔
"میں اللہ عزوجل کے لئے آپ کو اپنا بھائی بنانا چاہتا ہوں۔" انہوں نے فرمایا۔
"تم جانتے ہو بھائی چارے کا حق کیا ہے؟" اس نے عرض کیا۔
"آپ بتا دیجئے۔"
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔
"کہ تو اپنے دینار اور درہم کا مجھ سے زیادہ حق دار نہ ہوگا۔" اس نے عرض کی۔
"میں ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا۔" آپ نے فرمایا۔
"پھر چلے جاؤ۔"
(اقتباس از فیضان احیاء العلوم)

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

اقوال یونانی مفکرین وحکمائے یورپ

☆ بات کو پہلے دیر تک سوچو پھر منہ سے نکالو اور پھر اس پر عمل کرو۔ (افلاطون)
☆ ہر ایک نئی چیز اچھی معلوم ہوتی ہے مگر دوستی جتنی پرانی ہوا تنی ہی عمدہ اور بھلی معلوم ہوتی ہے۔ (ارسطو)
☆ خاموشی سب سے زیادہ آسان کام اور سب سے زیادہ نفع بخش عادت ہے۔ (ارسطو)
☆ تحریر ایک خاموش آواز ہے اور قلم ہاتھ کی زبان ہے۔ (سقراط)
☆ غصہ کبھی کبھی قابل سے قابل انسان کو بھی بے وقوف بنا دیتا ہے۔ (بقراط)
☆ جو شخص اپنے نفس کو قابو میں نہیں رکھ سکتا وہ بہت سے لوگوں کو کیا قابو میں رکھ سکے گا۔ (اقلیدس)
☆ دانا وہ ہے جو گردش ایام سے تنگ دل نہ ہو۔ (اقلیدس)
☆ کسی آدمی کو جب اس کی بساط سے زیادہ دنیا مل جاتی ہے تو لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ برا ہو جاتا ہے۔ (اقلیدس)
☆ علم سے آدمی کی وحشت اور دیوانگی دور ہو جاتی ہے۔ (بیکن)
☆ تمام اعضاء جسمانی میں زبان سب سے زیادہ نافرمان ہے۔ (فیثا غورث)

☆ زندگی میں دو باتیں بڑی تکلیف دیتی ہیں ایک جس کی خواہش ہو اور اس کا نہ ملنا اور دوسری جس کی خواہش نہ ہو اس کا ملنا۔ (برنارڈ شا)

☆ لوگ اپنی ضروریات پر غور کرتے ہیں قابلیت پر نہیں۔ (نپولین)

وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

گوہر آبدار

O انتظار طویل ہو جائے تو محبتیں بے یقین ہو جاتی ہیں، لیکن اظہار کا پانی محبت کو پھر سے شاداب کر ڈالتا ہے اور جس محبت کو اظہار کا پانی میسر نہ ہو وہ محبت اپنا وجود بھی کھو دیتی ہے اس پودے کی طرح جو پانی نہ ملنے پر بہت جلدی سوکھ جاتا ہے۔

O کہانی میں نام اور تاریخ کے سوا سب کچھ سچ ہوتا ہے اور تاریخ میں نام اور تاریخ کے سوا کچھ بھی سچ نہیں ہوتا۔

O سانس کا سفر ختم ہو جاتا ہے لیکن آس کا سفر باقی رہتا ہے، یہی تو وہ سفر ہے جو انسان کو متحرک رکھتا ہے اور متحرک ہونا زندگی کی علامت ہے یہ علامت رگوں میں خون کی طرح دوڑتی رہے تو انسان مایوس نہیں ہونا چاہیے سانس کا سفر ختم ہی کیوں نہ ہو جائے۔

O گزرا ہوا واقعہ گزرتا ہی تو نہیں ہے بلکہ وہ یاد بن کر بار بار گزرتا ہے۔

O محبت اور بارش ایک جیسی ہوتی ہیں، دونوں ہی یادگار ہوتی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ بارش ساتھ رہ کر جسم بھگوتی ہے اور محبت دور رہ کر آنکھیں بھگو دیتی ہے۔

دسمبر

مہینوں کی پرانی شال اوڑھے
جھیل کے پرانے کنارے پر کھڑا
سیٹی بجا کر چاند کو نیچے بلا رہا ہے
جنوری کے بدن پر
ماتمی تنہائیاں پینٹ کر رہی ہیں
اور نیچے پہاڑی گاؤں میں
نئے برس کا جشن تھا!

سدرہ نعیم، شیخوپورہ

ایک سے بڑھ کر ایک

جہانگیر نے اپنا سفری بیگ کندھے پر لٹکاتے ہوئے جذباتی لہجے میں باپ سے کہا۔
''ڈیڈی! میں اپنی زندگی اپنی مرضی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں، عیش عشرت کی تلاش میں جا رہا ہوں، خوبصورت لڑکیوں کے سنگ زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں، خدارا مجھے مت روکیے۔''
''جہانگیر بیٹے کون کم بخت تمہیں روک رہا ہے؟'' باپ نے اٹھتے ہوئے کہا۔
''میں تو خود تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔''

زاہدہ اظہر، حافظ آباد

بولتے لفظ

O اللہ کے ساتھ وابستہ ہونا زندگی ہے اور اس سے غافل ہونا موت ہے۔

O اللہ نے جو نعمتیں دی ہیں ان کا یہی شکر ہے کہ تکلیف برداشت کرو۔

O آپ کوئی ایک چیز دین کے نسخے کے مطابق، ایک عمل اپنی زندگی میں شامل کر لو، زندگی ساری کی ساری دین میں ڈھل جائے گی۔

O اگر ظرف نہ ہو تو عطا انسان کو مغرور بنا دیتی ہے زیادہ ظرف والا آدمی مرتبہ ملنے پر انکساری سے کام لینے لگتا ہے اس لئے اپنے ظرف سے باہر کی تمنائیں نہیں کرنی چاہئیں۔

فضہ بخاری، رحیم یار خان
حنا زبیر احمد، بہاولپور

☆☆☆

بیاض

نسنیم طاہر

نوشین الطاف ---- نیو راجو پنڈی

سکون قرب میں اترو تو دیا کر لینا
کبھی جو ٹوٹ کے بکھرو تو یاد کر لینا
خوشی کے وقت چاہے ہمیں بھولا دینا
غموں کی راہ جو دیکھو تو یاد کر لینا

....

چند لمحوں کی رفاقت ہی غنیمت ہے کہ پھر
چند لمحوں میں یہ شیرازہ بکھر جائے گا
اپنی یادوں کو سمیٹیں کہ بچھڑنے والے
کیسے معلوم ہے پھر کون کدھر جائے گا

....

تمام عمر زندگی سے دور رہے
تیری خوشی کے لئے تجھ سے دور رہے
اب اس سے بڑھ کر وفا کی سزا کیا ہو گی
کہ تیرے ہو کر بھی تجھ سے دور رہے

عمار بن خالد ---- لاہور

بڑی خاموشی چھائی ہو صدائیں تب بھی ہوتی ہیں
گھٹن ہو ہر طرف ہر سو ہوائیں تب بھی ہوتی ہیں
مجھے اب بھی محبت پہ ایمان مکمل ہے
نہ ہو رشتہ کوئی قائم وفائیں تب بھی ہوتی ہیں

نازیہ مغل ---- لاہور

دل کے رشتے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں
دور رہ کر بھی کتنے قریب ہوتے ہیں
ہر کسی کو ملتی نہیں ان نے خوشیاں
جن کو مل جائیں خوشیاں وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں

....

محبت میں تیری میں حد سے بڑھ گیا تھا
تیری خاطر دنیا کا ہر ستم سہہ گیا تھا
یہ کیسی سزا دی تو نے اے سنگدل
کہ تیری بے وفائی سے میں اک پل میں مر گیا تھا

....

لاکھ بھلانا چاہو مجھ کو پر پھر بھی بھول نہ پاؤ گے
لاکھ سمجھا تو خود کو تم پر اپنے دل کو سمجھا نہ پاؤ گے
اک پھول کو شاخ سے توڑ کر لبوں سے لگا لیا
اے زندگی تجھے چھوڑ کر ہم نے موت کو گلے لگا لیا

امیر زرداری ---- شہداد پور

کر لو رابطہ جب تک زندہ ہیں امیر
پھر مت کہنا کہ دل میں یاد بسا کر چلے گئے

....

کیسا ویران ہے یہ سلسلہ عشق زمانے کا
اک ریت کا محل ہے سمندر کے کنارے کا
کیوں یہاں اونچی لہریں ہزار اٹھتی ہیں امیر
جو وقت سے پہلے اندیشہ دیتی ہیں اسے گرانے کا

....

ہم آج بھی آپ کو چاہتے ہیں اور چاہتے رہیں گے امیر
ہمارے دل میں ہے جو اس کا دل نہ توڑنے اے خدا
آج اتنی ہے تنہائی کی دیواروں کو غم سنانے لگے امیر
لیکن دل پھر سے ٹوٹ گیا جب کوئی جواب نہ ملا

نرگس سحر ---- شہداد پور

ذرا ہاتھ بڑھاؤ تمہاری دسترس سے باہر نہیں
چاند تاروں کو چھو لیتے ہیں ہمیشہ محنت کرنے والے
نہ مارتا ہے نہ زندہ رکھتا ہے دن ہیں یہ عذاب کے
غضب کا ظالم ہے میرا مسیحا رکھتا ہے پھاہے تیزاب کے

....

کہتے ہو تم کیا ہے مجھ میں اک فقط انا
بس یہی میری متاع ہے یہی میرا سرمایہ ہے
آؤ اپنے جسم چن دیں اینٹ پتھر کی طرح
بے درو دیوار سہی گھر تو آخر اپنا ہے

جب لگی ٹھوکر دیار غیر میں
یاد آیا دھرتی ماں کا بانہوں میں سمیٹنا
کنول فرہاد حسین ---- جلالپور جٹاں
یونہی آنکھوں سے آنسو بہتے نہیں
کسی اور کو ہم اپنا کہتے نہیں
ایک آپ ہی ہو جو زندگی میں رگ سے لگے
ورنہ کہنے کے لئے ہم کسی سے کہتے نہیں

تاریخ کہہ رہی ہے محرم کے چاند میں
شہنشاہوں کے بخت اچانک الٹ گئے
اتنی غریب ہو گئی زاہرہ کی لاڈلی
زینب کے ایک لباس میں دو سال کٹ گئے

حسین تیری عطا کا چشمہ دلوں کے دامن بھگو رہا ہے
یہ آسمان پر اداس بادل تیری محبت میں رو رہا ہے
صبا بھی گزرے جو کربلا سے تو اس کو کہتا ہے عرش والا
تو اور دھیرے گزر یہاں پر میرا حسین سو رہا ہے

برسوں بعد بھی اس کی عادت نہ بدلی ضد کی
کاش میں دوست نہیں اس کی عادت ہوتا
ایمن عزیز ---- میانوالی
چپکے چپکے کوئی مانوس سی آہٹ پا کر
دوستوں کو بھی کسی عذر سے روکا ہوگا
یاد کر کے مجھے نم ہو گئی ہوں گی پلکیں
آنکھ میں پڑ گیا کچھ کہہ کر ٹالا ہوگا

ہوا کے زور سے ممکن نہیں بکھر جاؤں
یہ اور بات نہ دیکھوں اسے تو مر جاؤں
بدن کے شہر میں شہنائیوں کا میلہ ہے
حریف جاں میں تجھے ڈھونڈنے کدھر جاؤں

گلی کے موڑ پہ بچوں کے ایک جمگھٹ میں
کسی نے درد بھری لے میں ماہیا گایا

مجھے کسی سے محبت نہیں مگر اے دوست
یہ کیا ہوا کہ دل بے قرار بھر آیا
شگفتہ رحیم ---- فیصل آباد
نہ جانے کس گلی کے موڑ پہ ہم تم بچھڑ جائیں
وصال و ہجر کا یارو کوئی موسم نہیں ہوتا

تپش سے بچ کے گھٹاؤں میں بیٹھ جاتے ہیں
گئے ہوؤں کی صداؤں میں بیٹھ جاتے ہیں
ہم اردگرد کے موسم سے جب بھی گھبرائیں
تیرے خیال کی چھاؤں میں بیٹھ جاتے ہیں

جل بجھے خواب تو پھر آگ بجھانے آیا
اک نئے ڈھنگ سے وہ چوٹ لگانے آیا
میرے پیروں تلے آنکھیں جو بچھاتا تھا کبھی
کانچ کی کرچیاں وہ راہ میں سجانے آیا
حمیرا رضا ---- ساہیوال
لفظوں کی جستجو میں سب کچھ گنوا دیا
وہ چل دیے اور میں طرز ادا بنتا رہا
اس کو کسی نے رب سے مانگ لیا
میں سجدے میں گر کے حرف دعا ڈھونڈتا رہا

ہمیں نے دنیا ہی میں دوزخ کی اذیت پالی
اپنے احساس کو رشتوں کے حوالے کر کے

میں کہتا ہوں مجھے پلکوں کی چھاؤں میں سدا رکھنا
وہ کہتی ہے مجھے شامل دعاؤں میں صدا رکھنا
میں کہتا ہوں کوئی دل میں تمنا ہو تو بتلاؤ
وہ کہتی ہے محبت کی فضاؤں میں صدا رکھنا
ماریہ عثمان ---- سرگودھا
اپنے ترکش کے تیروں کی گنتی کرو
میرے گھاؤ گنو گے تو تھک جاؤ گے

انا پرست ہے اتنا کہ بات سے پہلے
وہ اٹھ کے بند میری ہر کتاب کر دے گا

حمیدرضا ---- جھنگ

اس کو کچھ تو بنا دیا ہے
ہم نے تھوڑا سا دھیان دے کر

....

خاک اڑتی ہے رات بھر مجھ میں
کون پھرتا ہے دربدر مجھ میں
مجھ کو مجھ میں جگہ نہیں ملتی
وہ ہے موجود اس قدر مجھ میں

....

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث
یہ الزام بھی میرے اجداد کے سر جائے گا

فاعذہ عبدالمنان ---- کراچی

خلقت نہیں ہے ساتھ تو پھر بخت بھی نہیں
کچھ دن ہی رہے گا تو یہ تخت بھی نہیں
مایوس ہو کے دیکھ رہے ہیں خلا میں گھر
اتنی تو یہ زمین مگر سخت بھی نہیں

....

تھک گیا ہے دل وحشی مرا فریاد سے بھی
جی بہلتا نہیں اے دوست تری یاد سے بھی
اے ہوا کیا ہے جو اب نظم چمن اور ہوا
صید سے بھی ہیں مراسم ترے صیاد سے بھی

....

میرے حق میں مخالف میں کبھی کچھ کہا تو ہو گا
مجھے چھوڑ جانے والا مجھے سوچتا تو ہو گا
یہ اداس اداس پھرنا یہ کسی سے بھی نہ ملنا
ہے یونہی نہیں یہ سب کچھ کوئی سانحہ تو ہو گا

عقیقہ منیر ---- سیالکوٹ

نہیں اس میں کوئی منطق ہے یقین کی بات ساری
کہ جہاں رکھا ہے پاؤں وہاں راستہ تو ہو گا
کوئی درمیاں نہیں تھا کوئی درمیاں نہیں ہے
تو پھر ایسی قربتوں میں کہیں رابطہ تو ہو گا

....

کہا نہ تھا اسے مت ضبط کرنا
وہ آنسو اب سمندر ہو گیا نا!

....

یہ دکھ نہیں ہے کہ وہ سمجھا نہیں مرے فن کو
مخالفت کا سلیقہ نہیں تھا دشمن کو
میں کس مقام سے بولوں میں کس سے بات کروں
کہ خواہشات کا کاسہ ملا ہے اس تن کو

صائمہ سلیم ---- گجرات

اگرچہ تجھ سے بہت اختلاف بھی نہ ہوا
مگر یہ دل تری جانب سے صاف بھی نہ ہوا
تعلقات کے برزخ میں ہی رکھا مجھ کو
وہ میرے حق میں نہ تھا اور خلاف بھی نہ ہوا

....

نہ جانے کون سا فقرہ کہاں رقم ہو جائے
دلوں کا حال بھی اب کون کس سے کہتا ہے
میرے بدن کو نمی کھا گئی ہے اشکوں کی
بھری بہار میں کیسا مکان ڈھلتا ہے

....

لب خاموش چشم خشک کیا سمجھائیں گے تجھ کو
جو بارش دل میں ہوتی ہے جو دریا دل میں بہتا ہے

نازیہ جمال ---- چکوال

وہ اک سایا جو تجھے میں دیا تھا اس کو خوابوں نے
وہی اب اس کا آنچل ہے وہی اب اس کا گہنا ہے
لکھا تھا ریت پر اک دوسرے کا نام کیوں ہم نے
نتیجے میں جو صدمہ ہے وہ ہم دونوں کو سہنا ہے

....

سنتا ہوں اب کسی سے وفا کر رہا ہے وہ
اے زندگی خوشی سے کہیں مر نہ جاؤں میں
اک شب بھی وصل کی نہ مرا ساتھ دے سکی
عہد فراق آ کہ تجھے آزماؤں میں

....

اپنا ہی تھا قصور کہ طوفانوں میں گھر گئے
اک موج تھی کہ جس کو کنارا سمجھ لیا

سمن رضا ---- چیچہ وطنی

کبھی سائباں نہ تھا بہم کبھی کہکشاں تھی قدم قدم
کبھی مکاں بھی لامکاں مری آدھی عمر گزر گئی

بلقیس بھٹی

فوج اور عورت

ایک فرانسیسی جرنیل کی ملاقات پیرس کی ایک مشہور اداکارہ سے ہوئی جرنیل نے بڑے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کیا آپ کو خبر ہے کہ جتنا فرانسیسی فوج کا خرچ ہے اس سے دگنا فرانس کی عورتوں کا ہے۔''

اداکارہ بولی۔

''یہ تو ایسی تعجب کی بات نہیں، جتنے فرانسیسی فوج کے کارنامے ہیں اس سے دگنے فرانس کی عورتوں کے کارنامے ہیں۔''

نمرہ سعید، اوکاڑہ

کنگال کے دوست

''جب سے وہ کنگال ہوا ہے اس کے آدھے دوست اسے منہ نہیں لگاتے۔''

''باقی آدھے؟''

''انہیں ابھی خبر نہیں کہ وہ دیوالیہ ہو چکا ہے۔''

طاہرہ رحمان، بہاولنگر

مضبوط تیفہ

پندرہ برس کی ملازمت کے بعد سردار جی کے ملازم نے پہلی بار احتجاجاً کہا۔

''سردار جی آپ نے نوکری دیتے وقت روٹی، کپڑے کا وعدہ کیا تھا، روٹی تو خیر جیسی کیسی ملتی رہی ہے، اب بھی پہننے کو کپڑا بھی دیجئے۔''

سردار جی بولے۔

''اچھا یہ بات ہے تو سب سے پچھلی کوٹھڑی کا دروازہ کھولو اور اپنے پہننے کا کپڑا لے آؤ۔''

ملازم خوشی خوشی ہو گیا، کوٹھڑی کھولی تو جالوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا، غور سے دیکھا تو کونے میں ایک چیتھڑا پڑا نظر آیا، اٹھایا تو دیکھا کہ سردار جی کا پرانا نیکر ہے اور آگے پیچھے دونوں طرف سے پھٹا ہوا ہے، چڑ کر سردار جی کو دکھانے ہاتھ میں اٹھائے باہر لایا اور جل کر بولا۔

''اس کپڑے کو آپ کہہ رہے تھے؟''

''ہاں یہی ہے، تیفہ تو مضبوط ہے، آگا پیچھا نیا لگوا لینا۔''

عمرانہ علی، حاصل پور

غلطی

ایک سکھ کو مقدمہ کی تاریخ پر جالندھر سے امرتسر پہنچنا تھا، گاڑی چلنے سے کچھ دیر پہلے وہ بھاگا بھاگا گارڈ کے پاس گیا، گارڈ بھی سکھ ہی تھا۔

''سردار جی!'' وہ منت سے بولا۔

''میرے مقدمے کی بڑی ضروری تاریخ ہے، مجھے یہ بری عادت ہے کہ سو جاؤں تو کچھ ہوش نہیں رہتا، یہ نہ ہو کہ امرتسر کی بجائے لاہور پہنچ جاؤں، ذرا امرتسر پر مجھے یاد سے جگا دیجئے گا۔''

یہ کہہ کر وہ واپس گیا مگر تھوڑی دیر بعد پھر بھاگا ہوا پہنچا اور کہا۔

''سردار جی! ایک بات بھول گیا ہوں، نیند میں میرے حواس ٹھکانے نہیں ہوتے، کوئی جگائے تو میں خوامخواہ گالیاں دینے لگتا ہوں، آپ کچھ پروا نہ کیجئے گا، مجھے پکڑ دھکڑ کے اسٹیشن پر اتار دیجئے گا، واہ گورو کا واسطہ میری بات مت

بھولنا۔''

یہ کہہ کر وہ اپنے ڈبے میں جا سویا۔
آنکھ کھلی تو دیکھا کہ لاہور اسٹیشن آ گیا ہے، نتھنوں سے شعلے برساتا نیچے اترا، گارڈ کے ڈبے میں جا کر گارڈ کو اتارا اور اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

''تجھے کہا نہیں تھا کہ مجھے امرتسر اتار دینا۔''

گالیوں کے جواب میں سکھ گارڈ چپ چاپ سر جھکائے کھڑا تھا، ایک مسافر کو یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی، اس نے گارڈ کے قریب جا کر کہا۔

''کیوں جی! یہ اتنی گالیاں بک رہا ہے، آخر بات کیا ہوئی؟''

گارڈ بولا۔

''اجی اس نے کیا گالیاں دیں ہیں، گالیاں تو اس نے دی تھیں جسے میں نے امرتسر اسٹیشن پہ اتار دیا تھا۔''

عظمیٰ جبیں، لیہ

شوہر کی بیماری

''ڈاکٹر!'' ایک مشہور نفسیات کی نرس نے اس سے کہا۔

''برآمدے میں ایک خاتون کھڑی ہیں جو آپ سے فوراً ملنا چاہتی ہیں۔''

''کیا اس نے وقت مقرر کر رکھا ہے؟''

''نہیں وقت تو مقرر نہیں کیا، لیکن اگر اس نے اس شتر مرغ سے چھٹکارا نہ پایا تو جنہوں نے وقت مقرر کر رکھا ہے، وہ سب کے سب فرنٹ ہو جائیں گے۔''

''شتر مرغ؟''

''ہاں وہ خاتون اپنے ساتھ ایک شتر مرغ بھی لائی ہیں، جس نے آفت مچا رکھی ہے۔''

''اچھا اسے فوراً اندر لے آؤ۔''

دروازہ کھول کر کپڑوں سے لدی پھندی ایک عورت داخل ہوئی ساتھ ساتھ شتر مرغ بھی چلتا ہوا آ کھڑا ہوا۔

''بیٹھیے۔'' ڈاکٹر نے عورت سے کہا۔

''ہاں اب بتائیے آپ کو کیا بیماری ہے؟''

''ڈاکٹر صاحب! مجھے تو کوئی بیماری نہیں، بیماری میرے خاوند کو ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ شتر مرغ ہے۔''

وردہ منیر، لاہور

ذوق تماشا

چرچل کے ایک مداح نے ایک بار بڑی عقیدت سے پوچھا۔

''آپ یہ دیکھ کر خوش تو بہت ہوتے ہوں گے کہ جب بھی آپ تقریر کرنے کھڑے ہوتے ہیں تو ہال کھچا کھچ بھر جاتا ہے۔''

''ہاں مسرت تو ہوتی ہے مگر ہمیشہ یہ خیال آ جاتا ہے کہ اگر تقریر کی بجائے مجھے پھانسی پہ لٹکایا جا رہا ہوتا تو خلقت تین گنا زیادہ ہوتی۔''

ثمرہ شیرازی، پتوکی

دونوں کے صنم خاکی

ایک کرایہ دار کرایہ ادا نہ کرتا تھا، مالک مکان نے بہت زور مارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا، مالک مکان نے عاجز آ کر ایک ترکیب سوچی، بند لفافے میں اپنی چھوٹی بچی کی ایک تصویر بھیجی جس پر لکھا تھا۔

''رقم کیوں چاہیے اس کی وجہ؟''

تیسرے دن کرایہ دار کا ایک خط ملا جس میں ایک کافر ادا حسینہ کی تصویر تھی، نیچے لکھا تھا۔

''رقم کیوں نہیں ملتی اس کی وجہ؟''

حمصہ حماد، کراچی

قدرت کی صنعت

سائنسی مصنوعات کی ایک بڑی نمائش میں

دو اخبار نویسوں کا جانا ہوا، چاروں طرف نئی نئی مشینیں دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئے، ایک کونے میں شیشے کے مرتبان کے اندر رنگ برنگی مچھلیاں تیر رہی تھیں، ایک بولا۔

''بھئی آخر اس کا اس نمائش سے کیا تعلق؟''

دوسرے نے جواب دیا۔

''یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ قدرت نے بھی چند چیزیں بنائی تھیں۔''

مصباح فیصل، کوہاٹ

رحم کی آنکھ

ایک جابر قسم کا افسر جونیئر کلرک کی پوسٹ کے لئے ایک امیدوار کا انٹرویو لے رہا تھا، باتوں باتوں میں امیدوار بولا۔

''میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی بائیں آنکھ پتھر کی ہے۔''

''ہاں لیکن تمہیں کیسے پتا چلا؟'' افسر حیران ہو کر بولا۔

''کیونکہ اسی میں مجھے رحم کی جھلک نظر آئی۔''

عائشہ شہباز، لاہور

میجر بن مانس

ایک امریکی جرنیل امریکی فضائیہ کے ہیڈ کوارٹر کا معائنہ کرنے لگا، ایک بوڑھے کپتان کو دیکھ کر اسے بہت حیرت ہوئی، پوچھا۔

''یہ کیسے کہ تم اب تک کیپٹن ہو؟''

بوڑھا کپتان مسکرایا بولا۔

''میری کہانی طویل ہے، آپ سننا پسند فرمائیں تو عرض کروں، دوسری جنگ عظیم کے دوران میں بحر اوقیانوس کے عین بیچ ایک جزیرے میں ہمیں بھیج دیا گیا، کام ہمارا یہ تھا کہ خطرے کی گھنٹی بجتے ہی جہاز اڑانا ہے اور دشمن کا سامنا کرنا ہے، روزانہ آدھی رات کو گھنٹی بجتی، ہم سب آنکھیں ملتے اور گالیاں دیتے ہوائی اڈے کی طرف بھاگتے، وہاں سگنل آتا کہ یہ محض پریکٹس کے لئے کیا گیا تھا، یوں نیندیں حرام ہونے میں بہت اکتایا، اس عرصے میں ایک بن مانس سے کچھ یاری ہو گئی تھی، وہ کودتا پھاندتا میرے کمرے میں آ گھستا، رفتہ رفتہ میں نے اسے آداب سکھائے، میز پر بیٹھ کر کھانا سکھایا، ایک روز اچانک خیال آیا کہ کیوں نہ اسی سے کام لوں کہ میری وقت دور ہو، اب میری سب مشکلیں حل ہو گئیں، روزانہ رات کو گھنٹی بجتی، بن مانس میری وردی پہنتا اور ہوائی اڈے کی طرف دوڑ جاتا، تھوڑی ہی دیر میں سگنل آنے پر لوٹ آتا، میں مزے میں پڑا سویا رہتا، ایک رات ٹیک آف کا سگنل بھی آ گیا، بن مانس مجھ سے پہلے آگے جا چکے تھا، میں نے جلدی جلدی ٹرنک سے دوسری وردی نکالی اور بھاگم بھاگ ہوائی اڈے پر پہنچا، کیا دیکھتا ہوں کہ جہاز اوپر اٹھ رہا ہے اور بن مانس اندر اطمینان سے بیٹھا ہے، میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ اب کیا ہوگا؟''

''پھر کیا ہوا؟'' جرنیل نے بے صبری سے پوچھا۔

''ہونا کیا؟'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''بس اب وہ میجر ہے اور میں ابھی تک کپتان ہوں۔''

نسرین خورشید، جہلم

حفظ ماتقدم

''میری ساس کل آ رہی ہے۔'' اس نے خانساماں کو بلا کر کہا۔

''اور یہ اس کی مرغوب غذاؤں کی فہرست ہے جو تمہارے لئے تیار کی ہے، ان دنوں میں اس میں سے کوئی ایک بھی پک کر آئی تو تمہیں چھٹی مل جائے گی۔''

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

ثمن حنا ---- کوٹ عبدالمالک

س: سب سے بڑا جھوٹ؟
ج: مجھے تم سے محبت ہے۔
س: ع غ جی کیا رومینٹک لوگ اسپیشل ہوتے ہیں؟
ج: میرا خیال ہے، نہیں ویسے اسپیشل لوگ رومینٹک ہو سکتے ہیں۔
س: بتایئے پہلی اپریل کو میں نے کس کو بے وقوف بنایا تھا؟
ج: آئینے کو۔
س: ہونٹوں پر بھی ان کے..... ؟
ج: میرا نام بھی آئے
س: اس سال میرا یہ اعلان ہے کہ؟
ج: جھوٹ نہیں بولوں گی۔
س: کس دن کا انتظار سب سے زیادہ ہوتا ہے؟
ج: لڑکی کو تو شادی کے دن کا۔

عینا توحید خان ---- جھنگ صدر

س: عینا جی میں آسمان کے چاند کو زمین میں لانا چاہتی ہوں کوئی آسان طریقہ بتا دیں؟
ج: چاند کو آئینہ دکھا دیں۔
س: عینا جی لال بتی اور لال جوڑے میں کیا فرق ہے؟
ج: کوئی خاص نہیں بس لال بتی تھوڑی دیر کے بعد بجھ جاتی ہے۔
س: میں جب بھی ان کے گھر جاتی ہوں وہ مجھے دیکھ کر ہنسنے لگتے ہیں۔ بھلا کیوں؟
ج: گھبراؤ نہیں ان کو ڈاکٹر نے کہا ہے کہ غصہ آئے تو ہنسنا شروع کر دو۔
س: بے چین میرا یہ دل ہے میرے چین کا وہ قاتل ہے۔ بھلا کون؟
ج: جو تمہیں دیکھ کر ہنسنا شروع کر دیتا ہے۔
س: یہ ہر کہانی کا ہیرو جب ہیروئن پر برہم ہوتا ہے تو اسے چھٹانک بھر کی لڑکی کیوں کہتا ہے؟
ج: جب میں ناراض ہونگا تو تمہیں کلو بھر کی لڑکی کہوں گا۔

شہر بانو ---- مظفر گڑھ

س: کسی کے دل میں جانے کے لیے دستک دینی چاہیے؟
ج: یہ دروازہ بغیر دستک کے ہی کھل جاتا ہے۔

حنا محمد حنیف ---- کراچی

س: ع غ جی ہم تین ماہ سے غائب ہیں۔ کبھی یاد کیا تھا ہمیں یا نہیں؟
ج: کہاں غائب تھی؟
س: آپ کی ملاقات اگر شہزاد رائے سے ہو جائے تو کیا کریں گے؟
ج: گانے کی فرمائش۔
س: لاہور کا موسم آج کل کیسا ہے بتایئے عین غین بھیا جی؟
ج: گرم ہے مگر کراچی جیسا نہیں۔

محمد سجاد پرنس ---- چانوٹ پاکپتن

س: عینی جی اگر آپ کو برا نہ لگے تو ایک بات کہوں؟
ج: کیوں ؟
س: آپ آج کل پریشان کیوں رہتے ہو؟
ج: حالات کی وجہ سے۔
س: پیار محبت پر آپ یقین رکھتے ہیں؟
ج: کیوں آپ نہیں رکھتے؟

نامعلوم ---- مقام

س: میں بھی خریدار ہوں میں بھی خرید وں گی؟
ج: بک سٹال پر۔
س: آپ کی محفل میں سر کے بل آؤں یا پاؤں کے؟
ج: جس طرح دل چاہے آؤ۔
بیٹھے ہیں ہم دیدہ دل فراش راہ کیے
س: اس کی آنکھیں بتاؤ کیسی ہیں؟
ج: کس کی؟
س: وہ لڑکی بہت یاد آتی ہے۔ بھلا کیوں؟
ج: کون سی لڑکی؟

ستارہ ناز ---- پنڈ دادنخان

س: مری انگلیاں بھی جلا گیا لکھا جو ترا نام
بھلا سوچو تو کیا ہوگا حال مرے دل کا
ج: غم بھی کم ظرف ملا ظرف کا کم کیا کرنا
مستقل زخم کی ٹیسوں کو رقم کیا کرنا
س: کبھی دکھوں کے سائے میں بیٹھ کر سوچنا
ہم غمزدہ دل کے بارے میں بھی کبھی تم
خوشیوں کی چھاؤں میں بھلا کہاں پتہ چلتا ہے
درد سینے میں کہاں تک اتر جاتا ہے
ج: عشق وہ کس کام کا جس کا نشان امتیاز
داغ دل، زخم جگر اور آبلہ پائی نہ ہو

شیبا صابر بٹ ---- اوکاڑہ سٹی

س: شاعر لوگ اتنے حساس کیوں ہوتے ہیں؟
ج: شاعری حساس لوگوں کا کام ہے۔
س: حسین لوگ مغرور کیوں ہوتے ہیں؟
ج: خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے۔
س: انسان اتنا ہوس پرست کیوں ہے؟
ج: کتنا ہوس پرست؟
س: دنیا والے اتنے بے مروت کیوں ہیں؟
ج: کتنے بے مروت؟ اپنے تجربے سے بتاؤ۔
س: دنیا کی سب سے بڑی آبی طاقت کون سی ہے؟
ج: آب۔
س: نظر اور نذر میں کیا فرق ہے؟
ج: جب نظر لگ جائے تو اکثر لوگ نذر مانتے ہیں۔

علی ناصر ---- حافظ آباد

س: عین غین تھوڑی سی غیر حاضری کے بعد حاضر خدمت ہوں کیسے ہو؟
ج: تھوڑی سی غیر حاضری؟
س: سنا ہے تم گرمی سے بچنے کے لیے برف کے گولے کھاتے ہو کیا واقعی؟
ج: سنا کہاں سے برف کے گولے تم ہی تو بیچتے ہو۔
س: دیکھو اتنی شدید گرمی میں گرما گرم جواب نہ دیا کرو میری بات مان لو ناں؟
ج: اب تم غیر حاضر تھے اور برف کے گولے مل نہیں رہے تھے تو جواب تو گرم سے لگیں گے نا۔
س: تم نے کبھی خود بھی کچھ لکھا ہے یا؟
ج: تمہارے سوال کا جواب۔
س: کوئی مقابلے کا رقیب نہ ملے تو کیا کرنا چاہیے؟ تجربے کی روشنی میں بتانا؟
ج: ڈھونڈ لو۔
س: وہ تو صدیوں کا سفر کر کے یہاں پہنچا تھا
تو نے منہ پھیر کے جس شخص کو دیکھا بھی نہیں
ج: واہ صدیوں کے ربط سے تم تو
ایک پل میں مکر گئے جاناں
س: گرمی بہت ہے جھلس جاؤ گے اپنا خیال بھی رکھتے ہو کہ نہیں؟
ج: اتنی گرمی نہیں ہے یہ لاہور ہے حافظ آباد نہیں۔
س: اگر کوئی چھوڑ دینے کا کہے تو کیا کرنا چاہیے؟ پلیز بتا دو ناں؟
ج: کیا چھوڑنے کو کہے؟ ذرا وضاحت کرو۔

☆☆☆

صائمہ محمود

عمار بن خالد: کی ڈائری سے ایک انتخاب

"چلو کچھ دور چلتے ہیں"

چلو کچھ دور چلتے ہیں
وفا میں چور چلتے ہیں
جفا میں درد ہے کتنا
جفا سے دور چلتے ہیں
چلو کچھ دور چلتے ہیں
کہ جب تو ساتھ ہوتی ہے
ہوا بھی ساتھ چلتی ہے
تیرے ہر قدم پہ جاناں
صدا میں آہ بھرتی ہیں
چلو کچھ دور چلتے ہیں
یہ دنیا بے مروت ہے
یہاں جاہل ہی بستے ہیں
چلو ہمدم، چلو آؤ
یہاں سے دور چلتے ہیں
چلو کچھ دور چلتے ہیں
ابھی تو رات باقی ہے
ابھی احساس باقی ہے
ابھی اک آس باقی ہے
ابھی تو چاند، تاروں کا
حسیں اک رقص باقی ہے
ابھی تو تیرے ہاتھوں کا
نرم اک لمس باقی ہے
ابھی تو بانہوں میں تجھ کو
مجھے بھرنا ہے جان جاں
ابھی تو ہاتھوں میں چہرہ
تیرا دھرنا ہے جان جاں
ابھی کچھ دیر رک جاؤ
چلو کچھ دور چلتے ہیں

شازیہ سلطانہ: کی ڈائری سے ایک نظم

اے محبت تو ایسی کیوں ہے
کبھی مخملی کبھی شبنمی
سب کو گھائل کرے تیری ہنسی
تیرے رخ پہ غازہ ریشم کا
تیرے اندر نور ہے کرنوں سا
تیرا رنگ ہے رنگیں دھانی سا
تجھے اوڑھ لے کوئی مجھ جیسا
تو ہو جائے وہ بھی تجھ جیسا
تیرا روپ ہے سندر پریوں سا
تیرے اندر جل تھل ندیوں سا
تیری بولی کومل کومل سی
تو چال ہے چلتی جھرنوں سی
تو دور کہیں سے آتی ہے
اور آتے ہی چھا جاتی ہے
تیرا رہن بسیرا پربت پر
تیرا جلوہ ہر اک انگ انگ پر
تو ہر اک آنکھ میں دیکھتی ہے
تو ہر اک دل کو جھانکتی ہے
تو ہر اک روح کو تکتی ہے
اور اندر تک چھو لیتی ہے
تیری ہیت سب سے جدا جدا
کوئی کیا جانے تو کیسی ہے؟

فوزیہ خان: کی ڈائری سے ایک انتخاب

تو شوس ہے تابع ہے
تیرے اندر رب سمایا ہے

تو چپکے چپکے آتی ہے
اور آتے ہی چھا جاتی ہے
جب کسی کو تو چھو لیتی ہے
تو لوہا کندن بنتا ہے
تو پارس ہے تو پارس ہے
ہر ٹوٹے دل کی ڈھارس ہے
تیرا چرچا ہر سو ہوتا ہے
کوئی ہنستا ہے کوئی روتا ہے
دل بہت سوں کا مچلتا ہے
پر سب کا بس نہ چلتا ہے
تو جب کسی کو ملتی ہے
جب کوئی تجھے پا لیتا ہے
تب وہ امر ہو جاتا ہے
ہو ہو کے نعرے لگاتا ہے
پھر حق کی صدائیں آتی ہیں
اور تیرے ہی گیت گاتی ہیں
رب کی رضا تو
اور بندے کی پکار ہے
آغاز تیرا بندگی
انجام بندہ کار ہے

امیر علی زرداری: کی ڈائری سے ایک غزل

جب یہ سفر شروع کیا تو تم بہت یاد آئے
جب تمہاری باتوں پہ غور کیا تو تم بہت یاد آئے
ایسی بھی کیا خطاء کی کہ تم روٹھ ہی گئے
جب تنہائی ستانے لگی تو تم بہت یاد آئے
جب جھانک کر دیکھا دل میں تو تم نظر آئے
اور جب دل اداس ہوا تو تم بہت یاد آئے
جب ہوا چلی تو کچھ عجیب سا ہونے لگا ہم کو
جب تمہاری خوشبو کو محسوس کیا تو تم بہت یاد آئے
اب تو منزل ختم ہونے کو آئی ہے لیکن امیر
جب بھی کوئی موڑ آیا تو تم بہت یاد آئے

نرگس سحر: کی ڈائری سے ایک غزل

حسن کے نام انتساب ہے میری کتاب زیست
ایک لمحہ بھی فقط اس کا میرا نہیں
جن گلوں کی تابندگی میں شامل میرا لہو رہا
اس شاخ کے اک خار پہ بھی حق میرا نہیں
بہت زعم ہے اسے اپنے اعصاب کی مضبوطی پہ
کبھی مصیبتوں میں ٹھیک ہے میری جان وہ گھبرا نہیں
کبھی آئے گا خود کو میرے حوالے کرنے تم دیکھنا
بہت کہتا ہے وہ مجھ سے کہ میں تیرا نہیں
نہ کرنا دل لگی مجھ سے نہ سنگ باری لوگو
میں عاشق ہوں جنوں میں ہوں میں سر پھرا نہیں
بس اک بار الجھا تھا اس کے گریبان میں سحر
صد شکر پھر بھی شانے سے آنچل ڈھلکا نہیں

ظریف احسن: کی ڈائری سے ایک غزل

تیرے آگے سوال کرتے کیوں
اور خود کو نڈھال کرتے کیوں
اک تعلق بھی نہیں ہوتا
سو تعلق بحال کرتے کیوں
تیرے انداز کے نہیں تھا ہم
ورنہ اپنا ملال کرتے کیوں
اک مروت نے ہم کو مار دیا
ورنہ جینا وبال کرتے کیوں
ہجر جب راس آ گیا تھا تیرا
تجھ سے عرض وصال کرتے کیوں
تجھ کو رکھا ہوا ہے یاد اے دوست
اس سے بڑھ کر خیال کرتے کیوں

کنول فریاد حسین: کی ڈائری سے ایک نظم

آزمائشوں اور بارشوں کا
ساتھ ہے چولی دامن کا
مرا اے خدا تو یہ تو بتا
پانی اگلتی دھرتی پر آب
آگ اور پانی کی بوچھاڑ ہے
لوگ کہاں تک سہہ پائیں گے
صبر تو دے ورنہ یہ مر جائیں گے
تیری چلتی چکی میں پس جائیں گے

پانی کے طوفاں میں بہہ جائیں گے

نوشین الطاف: کی ڈائری سے ایک نظم

"پیار کرتا تھا"

اپنا حصہ شمار کرتا تھا
وہ مجھ سے اتنا پیار کرتا تھا
وہ بناتا تھا میری تصویریں
پھر ان سے باتیں ہزار کرتا تھا
میرا دکھ بھی خلوص عنایت سے
اپنے دکھوں میں شمار کرتا تھا
سچ سمجھتا تھا جھوٹ بھی میرا
یوں میرا وہ اعتبار کرتا تھا
جب بھی روتا تھا رات کی تنہائی میں
وہ اپنے ہاتھوں سے میرے چہرے کو صاف کرتا تھا
آج سوچتی ہوں تو دل روتا ہے
وہ شخص مجھ سے کتنا پیار کرتا تھا

رانیا سحر: کی ڈائری سے ایک غزل

نہ گنواؤ ناوک نیم کش، دل ریزہ ریزہ گنوا دیا
جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو تن داغ داغ لٹا دیا
میرے چارہ گر کو نوید ہو صف دشمناں کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جاں پر وہ حساب ہم نے چکا دیا
کرو کج جبیں پہ سر کفن مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرور عشق کا بانکپن پس مرگ ہم نے بھلا دیا
ادھر ایک حرف کہ کشتنی یہاں لاکھ عذر تھے گفتنی
جو کہا تھا سن کے اڑا دیا جو لکھا تھا پڑھ کے مٹا دیا
جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

حیدر رضا: کی ڈائری سے ایک نظم

لوگ کہتے ہیں عشق کا رونا
گریہ زندگی سے عاری ہے
پھر بھی یہ نامراد جذبہ دل
عقل کے فلسفوں پہ بھاری ہے

آپ کو اپنی بات کیا سمجھاؤں
روز کھلتے ہیں حوصلوں کے کنول
روز کی الجھنوں سے ٹکرا کر
ٹوٹ جاتے ہیں دل کے شیش محل
لیکن آپس کی تیز باتوں پر
سوچتے ہیں خفا نہیں ہوتے
آپ کی صنف میں بھی ہے یہ بات
مرد ہی، بے وفا نہیں ہوتے

فاخرہ عبدالمنان: کی ڈائری سے ایک غزل

بند دریچے سونی گلیاں ان دیکھے انجانے لوگ
کس نگری میں آ نکلے ہیں ساجد ہم دیوانے لوگ
اک ہم ہی ناواقف ٹھہرے روپ نگر کی گلیوں سے
بھیس بدل کر ملنے والے سب جانے پہچانے لوگ
دن کو رات کہیں سو برحق صبح کو شام کہیں سو خوب
آپ کی بات کا کہنا ہی کیا آپ ہوئے فرزانے لوگ
شکوہ کیا اور کیسی شکایت آخر کچھ بنیاد تو ہو
تم پر میرا حق ہی کیا ہے تم ٹھہرے بیگانے لوگ
شہر کہاں خالی رہتا ہے یہ دریا ہر دم بہتا ہے
اور بہت سے مل جائیں گے ہم ایسے دیوانے لوگ
سنا ہے اس کے عہد وفا میں ہوا بھی مفت نہیں ملتی
ان گلیوں میں ہر ہر سانس پہ بھرتے ہیں جرمانے لوگ

عتیقہ منیر: کی ڈائری سے ایک نظم

اجل ہنگام سے پہلے
اندھیر شام سے پہلے
تمہارا نام لیتے ہیں
کبھی کے نام سے پہلے
اسے کہنا ایسے کب بھلاتے ہیں محبت کو
کئی برسوں کی قربت کو
گئے بچپن کی محبت کو
اگر اس شہر سے گزرو
تو اسے کہنا

☆☆☆

اقراء طارق

چکن ویجی ٹیبل اسٹکس

اشیاء

مرغی کی بوٹیاں	آدھا کپ
کالی مرچ پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سویا سوس	ایک چائے کا چمچہ
زردے کا رنگ	ایک چٹکی
پیاز چوکور کٹی ہوئی	آدھا کپ
شملہ مرچ	آدھا کپ
ٹماٹر کٹے ہوئے	دو عدد
تیل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب

مرغی کی بوٹیاں نسبتاً بڑی لیں، اس میں کالی مرچ، نمک، سرکہ، زردے کا رنگ اور سویا سوس ملا کر تھوڑی دیر کے لئے رکھ دیں، پیاز، ٹماٹر اور شملہ مرچ کے چوکور بڑے ٹکڑے کاٹ لیں، مصالحہ لگی ہوئی بوٹیوں اور سبزی کو ترتیب سے اسٹک میں لگائیں اور اوون میں 180 ڈگری سینٹی گریڈ پر بیس منٹ کے لئے بیک کر لیں، ٹماٹو کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔

چکن اسپیگیٹی کٹلس

اشیاء

مرغی ابال کر ریشے کر لیں	ایک کپ
اسپیگیٹی ابلے ہوئے	ایک کپ
مٹر	دو کپ
مایونیز	آدھا کپ
چائنیز نمک	آدھا چائے کا چمچہ
کالی مرچ کٹی ہوئی	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
انڈے	دو عدد
بریڈ کرمز	حسب ضرورت
تیل	حسب ضرورت

ترکیب

مرغی، مٹر، اسپیگیٹی، مایونیز، چائنیز نمک، عام نمک اور کالی مرچوں کو ملا کر چوپر میں باریک پیس لیں، مرکب کو آدھے گھنٹے کے لئے فریج میں رکھ دیں، آدھے گھنٹے بعد حسب پسند کٹلس بنا لیں، تھوڑا تیل گرم کریں۔

پہلے انڈے میں ڈپ کریں، پھر بریڈ کرمز میں رول کر کے شیلو فرائی کر لیں، مزے دار کٹلس چلی گارلک سوس کے ساتھ سرو کریں۔

ہاٹ ونگز

اشیاء

چکن ونگز دو ٹکڑوں میں توڑ لیں	آٹھ عدد
نمک	حسب ذائقہ
لہسن پیسٹ	آدھا چائے کا چمچہ
ادرک	آدھا چائے کا چمچہ
سرکہ	آدھا چائے کا چمچہ
سرخ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
ہاٹ سوس	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

نمک، ادرک اور لہسن مکس کر کے چکن ونگز کو

اس مصالحے میں میری نیٹ کر لیں، مائیکروویو کنٹینر میں ڈال کر ڈھانپ دیں، چھ تا سات منٹ پکائیں، مائیکروویو میں سے نکالیں اور جو یخنی بچ گئی ہے اس میں سرکہ، سرخ مرچ پاؤڈر، اور ہاٹ سوس ملا کر پیسٹ سا بنا لیں اور پھر سوس کو ونگز میں مکس کر کے بغیر ڈھانپے مائیکروویو میں تین تا چار منٹ تک پکائیں اور پھر نکال لیں۔

سرونگ پلیٹ میں ڈال کر کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

رنگین پف

اشیاء

میدہ	دو کپ
بیکنگ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	آدھا کپ
مکھن	ایک کھانے کا چمچہ
انڈا	ایک عدد (پھینٹ لیں)
کشمش	ایک کپ
دودھ	دو کھانے کے چمچے
پانی	حسب ضرورت
تیل	ڈیپ فرائی کے لئے

ترکیب

میدہ میں بیکنگ پاؤڈر، چینی، کشمش ڈالیں، ایک پین میں مکھن کو پگھلا لیں، انڈا اور دودھ ملا کر پیڑا تیار کر لیں، اگر پانی کی ضرورت محسوس ہو تو ڈالیں، یہ آمیزہ گاڑھا ہی رہے گا، پھر تیل گرم کریں اور پف کو پکوڑوں کی طرح تل لیں کہ اچھی طرح پھول جائے، اب آمیزے میں اس سفیدی کو فولڈ کر دیں، تیار آمیزے کو ٹن میں ڈال کر فریج میں رکھیں، سیٹ ہو جائے تو ٹن سے نکال لیں اور کریم اور لیموں کے سلائس سے سجا دیں۔

آلو کوفتہ بوٹی بریانی

اشیاء

قیمہ	250 گرام
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا کٹا ہوا	ایک چوتھائی کپ
ہری مرچیں کٹی ہوئی	تین عدد
زیرہ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
پیاز کٹی ہوئی	ڈیڑھ کپ
سیلا چاول	آدھا کلو
گوشت کی بوٹی	250 گرام
آلو	دو سے تین عدد
تیل	ایک کپ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب

قیمہ کو چوپر میں پیس کر نمک، مرچ، ہرا دھنیا، زیرہ پاؤڈر، پیاز باریک کر کے لہسن ادرک کا پیسٹ اور ہری مرچیں ڈال کر مکس کر لیں اور کوفتے بنا لیں۔

ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز سنہری کر لیں، نمک لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، ثابت گرم مصالحہ، لہسن، ادرک پیسٹ اور دہی ڈال کر بھونیں، کوفتے ڈالیں، پانچ منٹ بعد ابلی ہوئی بوٹیاں اور آلو بھی ڈالیں اور ایک کپ پانی ڈال کر پکائیں، آلو گل جائیں تو ہری مرچیں، ہرا دھنیا، گرم مصالحہ ڈالیں۔

دیگچی میں چاولوں کی آدھی مقدار ڈالیں، کوفتے، بوٹی، آلو مصالحہ ڈال کر باقی چاول ڈالیں اور زعفرانی رنگ ڈال کر دم پر لگائیں، آلو کوفتہ بوٹی بریانی تیار ہے سرو کریں۔

[illegible] کے نام

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، آپ کی صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

رمضان المبارک کا مقدس و بابرکت مہینہ سایہ فگن ہے، یہ وہ ماہ مبارک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا مہینہ قرار دیا ہے، اس ماہ مقدس کی آمد کے ساتھ ہی مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی خطے میں ہوں، ان کے معمولات زندگی ایک ماہ کے لئے یکسر تبدیل ہو جاتے ہیں، عبادتیں، ریاضتیں بڑھ جاتی ہیں، صفائی ستھرائی کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے، صرف ظاہری ہی نہیں باطنی بھی، کہ اس کے بغیر روزے کی تکمیل نہیں ہوتی، روزے کی حالت میں مسلمانوں کو ظاہری عبادات کے ساتھ قلب کی صفائی اور اخلاقیات پر بھی زور دیا گیا ہے، روزے میں لڑائی جھگڑے، جھوٹ، چغلی، فضول لغو باتوں سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ جو شخص جھوٹ بولنا اور دغا بازی نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو یہ احتیاج نہیں کہ کوئی اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

روزہ رکھنے کا مقصد بری عادتوں کو ترک کرنا، اللہ کے خوف سے گناہوں سے توبہ کرنا ہے، ایک ماہ کی تربیت کا مقصد یہ ہے کہ ہم باقی گیارہ ماہ بھی ان ہی اصولوں پر کاربند رہیں، زندگی نظم وضبط اور سچائی کے ابدی اصولوں کے مطابق گزاریں۔

اس محترم مہینے کا حق اسی طرح ادا ہو سکتا ہے، کہ اس کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے وقف کر دیا جائے، اپنے دلوں کو ہر قسم کے کینہ، نفرت، تعصب سے پاک کر کے نرمی، ہمدردی کا سلوک رکھا جائے۔

رمضان المبارک کی خصوصی دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھیے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمارے پیارے وطن کو اپنی حفظ وامان میں رکھے، آمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی طرف بڑھنے سے پہلے اس بات کا ارادہ کریں کہ درود پاک، استغفار اور کلمہ طیبہ کو ورد زبان کرنا ہے اس میں ہی ہم سب کی بھلائی چھپی ہے۔

اپنا بہت سا خیال رکھئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں، آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

آیئے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں، یہ پہلا خط میلسی ضلع ملتان سے ہمیں موصول ہوا حرا نعیم کا وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

جون کا شمارہ بے حد پسند آیا، حمد ونعت اور پیارے نبی کی پیاری باتیں ہمیشہ کی طرح دل و دماغ میں اتر گئیں، انشاء نامہ میں انشاء جی شکوہ کرتے نظر آئے کہ شاعری کی ناقدری پر، ان کے لکھنے کا پر مزاح انداز ہمیشہ کی طرح ہنسنے پر مجبور کر گیا، ایک دن حنا کے ساتھ میں شگفتہ شاہ سے مل کر بہت اچھا لگا بڑے خوبصورت اور جامع انداز میں شگفتہ صاحبہ نے اپنے ایک دن کا احوال

قارئین کو بتایا، ویل شگفتہ جی آپ تو بہت قابل ہیں ایک ہی وقت میں اتنے زیادہ کام کر رہی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے آمین۔

سلسلے وار ناول ”تم آخری جزیرہ ہو“ کی طرف بڑھے، ام مریم بڑی خوبصورتی سے تمام کرداروں کو یکجا کر کے آگے بڑھ رہی ہیں، حالات و واقعات ہر قسط میں نیا موڑ لیتے ہیں، بس ایک یہ زینب ہی ابھی تک انا کے گھوڑے پر سوار ہے، خیر ہمیں امید ہے آپ اسے بھی راہ راست پر لے آئیں گی، ایک ماہ کے وقفے سے سدرۃ المنتہیٰ ”اک جہاں اور ہے“ کے ساتھ آئی اس ماہ کہانی آگے بڑھی ہے اور دلچسپ بھی ہو گی یقیناً آگے چل کر مزید جہانوں سے متعارف کروائیں گی (کرداروں کے) ناولٹ میں نمبر ون ناولٹ عابی ناز کا رہا، پہلے تو ناولٹ کا نام پڑھتے ہی منہ میں پانی آ گیا، اوپر سے عابی ناز کا لکھنے کا اسٹائل بہت خوب، لیکن عابی ہمیں آپ سے ایک شکایت بھی رہی اس تحریر کو پڑھنے کے بعد، کیا ہی اچھا ہوتا جو آپ گول گپے بنانے کی تراکیب بھی لکھ دیتی ہمارا بھی بھلا ہو جاتا، خیر اپنی ایسی چٹ پٹی تحریروں کے ساتھ آتی رہیے گا، دوسرا ناولٹ ”تتلی کا آشیانہ“ مہک فاطمہ نے لکھا، تحریر کا عنوان زیادہ پسند آیا، مہک فاطمہ نئی مصنفہ ہے اس سے پہلے یہ نام حنا میں نظر نہیں آیا، بہر حال نئی ہونے کے باوجود مہک نے ایک اچھی تحریر قارئین کو دی، سندس جبیں کا ناولٹ ”کاسہ دل“ اب کچھ یکسانیت کا شکار ہوتا جا رہا ہے اس ماہ بھی کچھ نیا پن نظر نہیں آیا کہانی میں، وہی بخت کا علینہ پر فدا ہونا اور وہی حبا کی بے بسی، مکمل ناول میں رافعہ اعجاز کی تحریر پسند آئی جبکہ روبینہ سعید کا ناولٹ کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکا، افسانوں میں سب سے اچھی تحریر قرۃ العین رائے اور سباس گل کی لگی، تسیم سکینہ اور مصباح نے بھی اچھی کوشش کی، کتاب نگر میں تیمیس کرن نے شہزاد نیئر کی کتاب پر بڑا اچھا تبصرہ لکھا، مستقل سلسلوں میں چٹکیاں، حنا کی محفل، قیامت کے یہ نامے تو ہوتے ہی حنا کی جان ہے جبکہ باقی سلسلے بھی کافی اچھے تھے، آپی پہلی مرتبہ آئی ہوں اس محفل میں جگہ ضرور دیجئے گا۔

حرا تسیم خوش آمدید دلوں و جان سے آپ کو اس محفل میں، جون کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے، عابی ناز تک آپ کی فرمائش ہم نے پہنچا دی ہے، دیکھتے ہیں ہو سکتا ہے آئندہ کسی تحریر میں وہ تراکیب لکھ بھجوائیں (ابھی ان کو بھی نہیں آتی ہو گی ورنہ کامیاب نہ ہو جاتی بنانے میں) ہم آئندہ ماہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

در شہوار: چک شہزاد اسلام آباد سے لکھتی ہیں۔

فوزیہ آپی کیسی ہیں آپ؟ ہر ماہ میں اس محفل کو ذوق و شوق سے پڑھتی ہوں، آپ کا محبت بھرا انداز دیکھ کر میرا بھی دل اس محفل میں آنے کو چاہا کیا آپ اجازت دیں گی۔

جون کا شمارہ علیشاہ آغا کے ٹائٹل سے سجا ملا بس سو سو لگا اچھا نہیں لگا تو برا بھی نہیں تھا، اسلامیات والا حصہ پڑھتے ہی ہم عابی ناز کے ناولٹ کی طرف بھاگے ہمیشہ کی طرح عابی اس مرتبہ بھی چھا گئیں، تحریر کو پڑھتے ہوئے ہمارا دو چار لیٹر تو خون بڑھا ہو گا (ہنس ہنس کر) کیا بات ہے عابی آپ کی مزاح لکھنا ہر مصنف کا کام نہیں ہوتا یہ تو سنجیدہ تحریر لکھنے سے کہیں زیادہ مشکل کام ہے اور یہ مشکل کام عابی ناز بخوبی کر رہی ہے فوزیہ آپی آپ عابی ناز سے کہیں کہ وہ ہر ماہ اپنی

تحریر آپ کو بھیجا کریں، اس کے بعد "کاسہ دل" کی طرف بڑھے، اف سندس اتنا رونا مس شاہ بخت کو اور کوئی کام نہیں اور اس علینہ کو بھی دیکھو ذرا، اچھی لکھی یہ قسط بھی بس نوفل کا کردار سمجھ میں نہیں آیا ماں تو ماں ہوتی ہے نہ گوری نہ کالی بہرحال مصنفہ بہتر سمجھتی ہے، مکمل ناول "نقش محبت" اور "کہیں بجے شہنائی" دونوں اس مرتبہ پسند نہیں آئے وہی پرانا ٹاپک، اس مرتبہ مصنفین کی فہرست میں نیا نام نظر آیا، مہک فاطمہ بہت اچھا لکھا اگرچہ کہانی پر کہیں کہیں گرفت کمزور تھی مگر اس کے باوجود دلچسپی کا عنصر لئے ہوئے تھی آگے چل کر مہک فاطمہ اچھا اضافہ ثابت ہوں گی حنا کی کہکشاں میں، افسانوں میں قرۃ العین خرم ہاشمی اور مصباح کی تحریر پسند آئی، سباس جی آپ نے بڑی خوبصورتی سے ہر گھر کے اہم مسئلہ پر قلم اٹھایا جو کہ سو فیصد سچ ہے ہر روز یہی تکرار سنائی دیتی ہے "آج کیا پکائیں"۔

اب بات ہو جائے سلسلے وار ناول کی، سدرۃ المنتہیٰ ایک بڑا نام مگر نہ جانے کیوں حنا میں لکھی جانے والی ان کی یہ تحریر کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ پائی ابھی تک، کہانی میں بے حد الجھاؤ ہے، دیکھتے ہیں آگے چل کر کیا صورت حال اختیار کرتی ہے جبکہ اُم مریم اب تیزی سے اختتام کی طرف گامزن ہے، ایک کے بعد ایک کردار کے مسئلے مسائل نپٹاتے سب کو خوشیاں بانٹ رہی ہے، اُم مریم کی تحریر کی پہچان ہی یہی ہے ہیپی اینڈ، جو کہ ہونا بھی چاہیے۔

مستقل سلسلے سبھی اچھے تھے کس ایک کی کیا تعریف کروں، چٹکیاں والا سلسلہ تو سب سے زیادہ اچھا ہے، اس مرتبہ تو شگفتہ جی اپنا ایک دن بھی گزارا، حنا قارئین کے ساتھ بڑا بے ساختہ پن تھا ان کی روداد میں کہیں بھی مصنوعی پن نہیں جھلک رہا تھا، اس کے لئے شگفتہ جی مبارک باد کی مستحق ہے۔

در شہوار پہلے تو آپ ادھر آئیں اور دائیں بائیں کسی بھی طرف دیکھئے، سبھی دوستوں نے کتنی جگہ نکالی ہے آپ کے لئے، خوش ہیں، چلیں اب ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں اور یہ بھی کہ یہ محفل آپ لوگوں کی محبتوں سے سجاتے ہیں ایسے کیسے ہو سکتا ہے یہاں آپ کو جگہ نہ ملے سو بلا جھجک آئیے۔

جون کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تعریف اور تنقید مصنفین کو ل گئی شکریہ قبول کیجئے ان کی طرف سے، آپ کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی شگفتہ شاہ کا انداز بہت اچھا لگا۔

آپ کی رائے کے ہم آئندہ بھی منتظر رہیں گے اب اس محفل میں آتی رہیے گا شکریہ۔

اجالا نور: ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں۔

ٹائٹل کی جہاں تک بات ہے اچھا تو تھا لیکن ماڈل کو دیکھ کر گرمی کے احساس میں اضافہ ہی ہوا، نجانے کیوں؟

حمد و نعت سے فیض یاب ہونے کے بعد حدیث مبارکہ کا سلسلہ پڑھا، جو کہ روشنی کا کام انجام دے رہا ہے، فوائد و مسائل کے ذریعے انتہائی موثر احادیث سامنے آ رہی ہیں، جس کے لئے یقیناً ادارہ تحسین کے لائق ہے، باقی مستقل سلسلوں میں کافی خوشگوار اضافہ ہوا ہے، انشاء نامہ گرمی میں کافی ٹھنڈک کا انتظام ہے، انشاء جی کی شاعری ہو یا سفرنامہ اس کا کوئی نعم البدل نہیں، مکمل ناول فی الحال پڑھے نہیں، خط جلد بھیجنے کی وجہ سے، باقی سلسلے وار ناول سدرۃ آپی کا کافی پسند آ رہا ہے، ہاں البتہ افسانے تقریباً سبھی اچھے تھے۔

فوزیہ باجی میں نے اپنی پہلی کاوش "محبت"

لکھ کر آپ کو بھیج ہے، پڑھ کر ضرور ضرور اپنی قیمتی رائے دیں، جس کے لئے میں آپ کی تہہ دل سے مشکور و ممنون رہوں گی، اگر آپ نے خط شامل اشاعت کیا تو آئندہ ماہ بھرپور تبصرے کے ساتھ حاضر خدمت ہوں گی۔

اجالا نور کیسی ہو؟ کافی عرصہ بعد اس محفل میں تشریف آوری ہوئی، آپ کا افسانہ متعلقہ شعبے کو پہنچا دیا ہے، قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع ہوگا، اپنی امی کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کیجئے گا، اگلے ماہ بھی ہم آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

شازیہ انعام شازی: کراچی سے لکھتی ہیں۔

حنا کی پوری ٹیم اور تمام قاری بہنوں کو میرا پیار بھرا سلام، جون کا ٹائٹل بہت اچھا لگا، سردار محمود صاحب نے پولیو کے بارے میں بہت اچھی باتیں کیں اور وزیراعظم صاحب کو بہت اچھا مشورہ بھی دیا اگر سردار صاحب جیسے لوگ ایسے ہی اس معاملے پہ آواز اٹھاتے رہے تو وہ دن دور نہیں جب پاکستان بھی پولیو فری ملک کہلائے گا، (انشاءاللہ)

حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول ﷺ (سبحان اللہ)، شاعری کی قدر نہیں اور کتاب نگر سے پڑھ کر بہت اچھا لگا، جب تک ہم لوگ ایسے موضوعات پہ تبصرے کرتے رہیں گے، ادب کی قدر کرنے والوں میں کمی نہیں آئے گی۔

شگفتہ شاہ کے شب و روز کا احوال جان کر اچھا لگا، حاصل مطالعہ اور میری ڈائری بھی اچھا رہا۔

پہلی دفعہ خط لکھ رہی ہوں، اس ماہ کے لئے اتنا ہی آئندہ انشاءاللہ تفصیلی تبصرے کے ساتھ آؤں گی۔

شازیہ انعام خوش آمدید، اس محفل میں، جون کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، غزلیات شائع کرنے کے سلسلے میں ہم معذرت چاہتے ہیں، ''میری ڈائری'' کے سلسلے میں اگر آپ اپنا انتخاب بھیجیں تو وہ شائع ہو سکتا ہے، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

رافعہ حیدر کی ای میل سیالکوٹ سے موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

جون کا شمارہ اس مرتبہ جلد مل گیا، ٹائٹل پسند آیا، حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے روح کو ترو تازہ کیا، انشاء جی سے ہیلو ہائے کی اور ایک دن حنا کے ساتھ میں شگفتہ شاہ سے ملاقات کی، شگفتہ شاہ کے سلسلے ''چٹکیاں'' کی طرح ان کے شب و روز کا احوال بھی بے حد اچھا لگا، بڑا خوب انداز بیان تھا، سلسلے وار ناول دونوں ہی بہترین تھے جبکہ ناولٹ میں ''کاسہ دل'' اور ''تتلی کا آشیانہ'' پسند آئے، مکمل ناول بھی اچھے تھے، افسانوں میں ''آٹو گراف'' ''اہم مسئلہ'' اور ''یہ ریزتیں'' اچھے تھے، مصباح نوشین کی تحریر ہمیشہ کی طرح دکھی تھی نہ جانے مصباح مسائل سے بھرپور کیوں لکھتی ہیں، مستقل سلسلے سبھی بہترین تھے۔

رافعہ حیدر کیسی ہیں؟ جون کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے مصنفین کو مل گئی ہیں اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

☆☆☆